"تصوف وسلوک کی تجدید واصلاح میں مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمات: تحقیقی مطالعہ"

(تحقیقی مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی، علوم اسلامیہ)

(سیشن 2009ء)

toobaafoundation.com

مقالہ نگار

اظہر اقبال

رولنمبر: PH:0901

نگران مقالہ

ڈاکٹر محمد عبداللہ

ایسوسی ایٹ پروفیسر

شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ پنجاب، لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم

toobaafoundation.com

Declaration Certificate

This thesis which is being submitted for the degree of Ph.D. in the Sheikh Zayed Islamic Centre, University of the Punjab does not contain any material which has been submitted for the award of Ph.D. degree in any university and, to the best of my knowledge and belief, neither does this thesis contain any material published or written previously by another person, except when due reference is made to the source in the text of the thesis.

Azhar Iqbal

Ph.D. Scholar Roll. No. PH: 0901

Sheikh Zayed Islamic Centre, University of the Punjab,

Lahore

toobaafoundation.com

انتساب

میں اپنی اس کاوش کو اپنے والدین کریمین اور تمام اساتذہ کرام کے نام منسوب کرتا ہوں۔ جن کی دعاؤں اور بھرپور تعاون سے تحقیقی کاوش پایہ تکمیل کو پہنچی۔

toobaafoundation.com

اظہار تشکر

زیر نظر مقالہ کی تکمیل پر راقم سب سے پہلے اپنے پروردگار کا بے انتہا شکر گزار ہے، جس نے محض اپنی خصوصی عنایت اور توفیق سے اس بے بضاعت اور کج فہم کو یہ دقت طلب تحقیقی کام کرنے کی توفیق اور ہمت بخشی۔

بعد ازاں میں اپنے مقالہ کے نگران ڈاکٹر محمد عبد اللہ (ایسوسی ایٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ پنجاب، لاہور) کا بہت شکر گزار ہوں جنہوں نے کمالِ شفقت اور محبت سے مقالہ کی کانٹ چھانٹ اور تکمیل کے تمام مراحل میں رہنمائی فرمائی۔ دورانِ تحقیق ان کی علمی شفقت اور اسلوبِ تحقیق سے متعلق ان کی بیش قیمت آراء میرے لیے مشعلِ راہ بنیں۔ اللہ رب العزت ان کے علم و عمل میں ترقی نصیب فرمائے۔ (آمین)

راقم مقالہ کی ترتیب و تکمیل کے سلسلے میں شیخ زید اسلامک سینٹر کے تمام اساتذہ بالخصوص ڈاکٹر محمد اعجاز (ڈائریکٹر شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ پنجاب، لاہور) کا سپاس گزار ہے جن کی محبت اور تعاون میرے ساتھ مسلسل رہا ہے اور ہے۔ راقم ڈاکٹر حافظ محمد عبد اللہ (اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سینٹر، لاہور) کا بے حد شکر گزار ہے، جنہوں نے مقالہ کے عنوان کی تعیین میں میری مدد فرمائی۔ میں ڈاکٹر حافظ محمد عثمان (اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور) کا بے انتہا شکر گزار ہوں جنہوں نے ابتداءِ مقالہ سے لے کر اس کی تکمیل تک اپنے قیمتی مشوروں اور رہنمائی سے نوازا، راقم ان کے لیے خصوصی دعا گو ہے۔ میں اپنے مربی و محسن استاد مولانا عبد الماجد (سرپرست جامعہ سراج الہدیٰ میانوال رانجھا منڈی بہاؤالدین) کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی دعائیں اور حوصلہ افزائی مجھے تحقیقی کام کے دوران میسر رہی۔ راقم اپنے کالج کے ساتھی اساتذہ پروفیسر محمد انور فاخر (چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج منڈی بہاؤالدین)، پروفیسر محمد عتیق، پروفیسر سیف اللہ، پروفیسر امجد جاوید بٹ اور پروفیسر محمد ارشد سیالوی کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو مقالے کے ہر مسئلے پر ہر ممکن طور پر میرے مدد و معاون ثابت ہوئے۔

راقم مولانا سراج حافظ عبد القیوم کا انتہائی ممنون ہے جنہوں نے مہارتِ کاملہ سے مقالہ کو کمپوز کرنے میں اَن تھک محنت کی اور مقالہ کی تکمیل کو یقینی بنایا۔ میں اپنے والدین، بڑے بھائی اسجد اقبال اور اپنے تمام اہلِ خانہ کا شکر گزار ہوں جن کی خصوصی توجہ اور حوصلہ افزائی میرے لیے دلیلِ راہ بنی۔

میں شیخ زاید اسلامک سینٹر لاہور کے لائبریری انچارج محترم فیاض حسین اور نائب انچارج محترم عتیق الرحمٰن کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے کتب کے حوالے سے بھرپور تعاون کیا۔ راقم اپنے مخلص دوست پروفیسر حافظ عابد نعیم (ایف۔ سی کالج یونیورسٹی، لاہور) کا انتہائی زیادہ سپاس گزار ہے جن کی علمی دوستی میرے لیے قابلِ فخر اور مقالہ کی تکمیل کی دلیل ہے۔ آخر میں راقم الحروف اپنی کم علمی اور کم مائیگی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی اس کاوش کو قارئین کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اس حقیر سعی و کوشش کو اپنے دربارِ عالی میں مقبول و مستجاب فرمائے اور اس کو میرے والدین اور اساتذہ کے لیے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین

اظہر اقبال

toobaafoundation.com

مقدمہ

الحمدلله رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسوله محمد وآله واصحابه اجمعین.امابعد!

تمام تعریفیں ذات باری تعالیٰ کے لیے سزاوار ہیں جو خالق کائنات ہے اور لاکھوں درود وسلام سید المرسلین ﷺ پر جو سراج منیر،بشیر ونذیر،صاحب خلق عظیم اور صاحب خیر کثیر ہیں۔جن کی ذات گرامی تمام کمالات وصفات کی جامع ہے۔بلاشبہ اسلام محض نظریاتی دین نہیں ہے بلکہ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس طرح کہ اسلام زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف دین اسلام ہی قابل قبول دین ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ان الدین عندالله الاسلام"[1] ترجمہ: دین توصرف اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

"ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منه "[2]

ترجمہ: اور جس نے دین اسلام کے علاوہ کوئی اور دین پسند کیا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغامات لوگوں تک پہنچانے کے لیے مختلف اوقات میں اپنے انبیاء مبعوث کیے،اس سلسلہ کی آخری کڑی حضرت محمد ﷺ ہیں۔نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد تزکیہ نفس بھی ہے۔سورۃ البقرۃ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"کما ارسلنا فیکم رسولاً منکم یتلوا علیکم اٰیتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمة ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون"[3] ترجمہ: جس طرح تم لوگوں میں ہم نے ایک (عظیم الشان) رسول کو بھیجا تم ہی میں سے ہماری آیات (واحکام) پڑھ پڑھ کر تم کو سناتے ہیں اور تمہارے نفوس کا تزکیہ کرتے رہتے ہیں اور تم کو کتاب الہٰی اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور تم کو ایسی (مفید) باتیں تعلیم کرتے رہتے ہیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی۔

علاوہ ازیں ذخیرہ احادیث پر نظر ڈالنے سے بہت ساری احادیث تزکیہ واحسان،زہد اور رقاق کے بارے میں ہمیں ملتی ہیں۔جیسے کہ حدیث جبریلؑ کا ایک ٹکڑا ہے:

---

[1] آل عمران ۳:۱۹

[2] ایضاً ۳:۸۵

[3] البقرۃ ۲:۱۵۱

toobaafoundation.com

"قال فاخبرنی عن الاحسان قال:ان تعبداللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک"[4]

ترجمہ: مجھے احسان کے بارے میں بتائیے، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا! احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ یقیناً تمہیں دیکھ رہا ہے۔

ابو بکر شبلی تصوف کا مفہوم ان الفاظ میں ذکر فرماتے ہیں:

"سئل الشبلی عن التصوف فقال ھو اقتداء برسول اللہ ﷺ فقال اللہ تعالیٰ قل ھٰذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی[5]"[6]

ترجمہ: ابو بکر شبلی سے تصوف کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ تصوف رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی اقتداء ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کہہ دیجیے کہ یہ میرا طریقہ ہے کہ میں اور میرے متبعین اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دینے والے ہیں۔

معروف کرخیؒ تصوف کی تعریف یوں فرماتے ہیں:"التصوف ھو الاخذ بالحقائق والیاس مما فی ایدیؑ الخلائق"[7]

ترجمہ: یعنی حقائق کو اختیار کرنا اور جو لوگوں کے پاس ہے اس سے امید نہ رکھنا۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تصوف کی حقیقت اور تعریف انتہائی جامع انداز میں اس طرح کرتے ہیں:

"شریعت کا وہ جزو جو اعمال باطنی سے متعلق ہے "تصوف وسلوک" اور وہ جزو جو اعمال ظاہری سے متعلق ہے۔ فقہ کہلاتا ہے۔ اس کا موضوع، تہذیب اخلاق اور غرض، رضائے الٰہی ہے اور اس کے حصول کا ذریعہ شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا ہے، گویا کہ تصوف دین کی روح و معنی یا کیف و کمال کا نام ہے جس کا کام باطن کو بخل، حرص، ریا، عجب، غرور سے پاک کرنا اور فضائل یعنی اخلاق حمیدہ، توبہ، صبر، شکر، خوف، رجا، زہد، توحید، وتوکل، محبت، شوق، اخلاص، صدق، مراقبہ، محاسبہ و تفکر سے آراستہ کرنا ہے۔ تاکہ توجہ الی اللہ پیدا ہو جائے، جو مقصود حیات ہے۔

اس لیے تصوف وطریقت، دین وشریعت کے قطعاً منافی نہیں بلکہ ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ صوفی بنے کہ اس کے

---

[4] صحیح البخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب قولہ: ان اللہ عندہ علم الساعۃ، رقم:۱۹۴۸

[5] یوسف ۱۲:۱۰۸

[6] الباقلانی، صالح بن محمد، شیخ، ایقاظ الھمم اولی الابصار، دارالفتح للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان، ۱۹۹۷ء، ص:۹۲

[7] القشیری، عبدالکریم بن ھوازن، ابوالقاسم، الرسالۃ القشیریۃ فی علم التصوف، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، لبنان، ۲۰۰۱ء، ص:۲۸۱

toobaafoundation.com

بغیر فی الواقع مسلمان پورا مسلمان کہلانے کا مستحق ہی نہیں رہتا۔[8]

ان تعریفات سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ تصوف کا تعلق شریعت کے باطنی حصے سے ہے۔ اور یہ وہ طرز عمل ہے جس سے مذکورہ بالا اوصاف حمیدہ کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ دینِ اسلام کی کاملیت، آفاقیت اور خاتمیت کا ظہور اس کے، ہر انسان کے علمی و عملی مسائل کو حل کر دینے سے ہوتا ہے۔ اسلام کی آفاقیت کی عملی تصویر کے مصور علماءِ اسلام ہیں چاہے ان کا تعلق طبقہ ءفقہاء سے ہو یا متکلمین سے، جماعت محدثین سے ہو یا اہلِ تزکیہ و احسان سے۔ آج اسلام دنیا میں ایک زندہ حقیقت کی حیثیت سے متحرک نظر آتا ہے تو اس کی اس عملیت و اطلاقیت کے پیچھے علماء کی مجتھدانہ بصیرت کی جولانیاں ہیں۔ عہدِ جدید میں اسلام کے دو پہلوؤں سے دنیا کو پوری شدت کے ساتھ واسطہ پڑا ہے۔ ایک جہادی پہلو اور دوسرا تزکیہ و احسان کا پہلو جسے اصطلاحاً تصوف کہا جاتا ہے۔ جہادی پہلو کے مختلف مظاہر، اس سے قطع نظر کہ ان کی شرعی حیثیت کیا ہے، دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں۔

دوسری طرف یورپ و امریکہ اور دیگر غیر مسلم ممالک میں بڑی تیزی کے ساتھ مختلف متصوفانہ تحریکیں بڑی تیزی کے ساتھ نفوذ کر رہی ہیں۔ تصوف صدیوں کی اسلامی تاریخ کا ایک دل چسپ باب ہے جس میں افراط و تفریط اور غلو و عدم احتیاط کے گدلے پانیوں نے بہت زرخیز زمینوں کو شور زدہ کر دیا۔ لیکن دوسری طرف دنیا میں اشاعتِ اسلام کی خنک ہوائیں اور معطر جھونکے اہلِ تصوف کی سانسوں سے ہی چلیں۔ مادیت زدہ ذہنوں کو روحانی لذتوں سے اہلِ تصوف نے سرشار کیا۔ اس لیے تصوف کی اسلامی معاشرے کے تشکیلی عنصر کی حیثیت سے پہچان اور شناخت ایک بدیہی حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔

عہد قدیم سے محدثین، فقہاء، متکلمین اور صوفیاء ایک ہی لڑی میں پروئے رہے ہیں اگرچہ ان کو ان کے غالب رجحانات اور علمی کام کے باعث مختلف طبقات میں تقسیم کیا جاتا رہا۔ عبد اللہ بن مبارکؒ ایک بہت بڑے صوفی بھی ہیں اور محدث بھی۔ ابن رشد فقیہ بھی ہیں اور فلسفی بھی۔ رازی متکلم بھی ہیں اور مفسر بھی۔ گویا تصوف عملی اسلام کی پختگی، رسوخ اور دوام کے حصول کا فن تھا جو ہر اہلِ علم اپنے اپنے فن کے ساتھ اصلاح احوال ظاہر و باطن کے لیے اختیار کرتا تھا۔ حتیٰ کہ بسا اوقات ایک دوسرے کے مدمقابل اشخاص بھی باوجود ایک دوسرے کی تردید کے صوفی ہی ہیں چنانچہ اگر وحدت الوجودی ابن عربی، صوفی ہیں تو وحدت الشہودی، شیخ احمد سرہندی بھی صوفی ہیں۔ اس لحاظ سے تصوف ایک ہمہ جہت اور متاثر کن مذہبی حقیقت رہا ہے اور ہے۔ اس لیے اس کی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے میدانِ تحقیق میں اس سوال کا جواب تلاش کرنا ضروری ہے کہ تصوف کی اعتدالی راہ کیا ہے؟ حقیقتِ تصوف کے اعتبار سے اس کا شرعی مقام کیا ہے اور وہ کون سی اساسیات

---

[8] مسیح اللہ، شاہ، مولانا، شریعت و تصوف، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، س۔ن، ص:۹۲

toobaafoundation.com

ہیں جن پر ایک خالص محمدی تصوف استوار ہوتا ہے ؟ وہ کون سے انحرافی راستے ہیں جنہوں نے تصوف میں راہ پائی ؟ اور مقامات واحوالِ صوفیاء کی حقیقت کیا ہے ؟

برصغیر میں تصوف کا تناور درخت ہزاروں صوفیاء کے زہدو ترکِ دنیا کے پسینوں سے سیر اب ہوا ہے۔ حضرت علی ہجویریؒ ہوں یا حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ، یا ان جیسے ہزاروں زہد و اتقاء کے مسند نشین ہوں، انہوں نے ہندوستان کے ہر شہر میں اپنی شمع روشن کی۔ زمینی حقائق اکثر معیاری نظریوں کو کھاجاتے ہیں یا ان پر اثرانداز ہو کر ان کی ماہیت تبدیل کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات تہذیبی مغلوبیت، غالب کے اصولوں کی پابند ہو کر اپنی بنیادیں کھو کھلی کر بیٹھتی ہے۔ اسی طرح بعض اوقات اجتہاد، تفرد و تجدد کی راہوں پر چل نکلتا ہے۔ اس حوالے سے برصغیر کے تناظر میں صوفیانہ تحریکات وعلمیات کا مطالعہ بہت اہم ہے۔

اس سلسلے میں انتہائی اہمیت کی حامل شخصیت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ہیں۔ جن کی شش جہت علمیت نے برصغیر کے اساطین علم کو گرویدہ کیا۔ عبد الماجد دریابادی جیسا انگریزی ادب اور جدید فلسفہ ونفسیات کے علم سے بہرہ مند شخص ہو یا سید سلمان ندوی جیسا ادیب، دانش ور اور عالمِ اجل، عبد الباری ندوی جیسا استادِ فلسفہ ہو یا مفتی محمد شفیع جیسا فقیہ، عزیز الحسن مجذوب جیسا شاعر ہو یا مرتضیٰ حسن چاندپوری جیسا مناظر، سب نے آپ کے در پر نیاز مندی کی۔ مولانا تھانوی نے تطہیر تصوف کا تجدیدی کام کیا۔ اس کے اصول و فروع کو مرتب کیا اور اس کی اطلاقی حیثیت کو واضح کیا۔

جب کہ تصوف کے سلسلہ میں دو گروہ پائے جاتے ہیں، ایک گروہ موافقین کا ہے جو تصوف کو اس کی تمام جزئیات کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں اور اس کے جملہ اجزاء کو اپنی زندگی میں لانے کی کوشش کرتے ہیں اور تصوف کو شریعت کا ہی علم سمجھتے ہیں۔ جب کہ دوسرا گروہ تصوف کے مانعین میں سے ہے وہ اس کو بدعت سمجھتا ہے اور اس گروہ کا خیال یہ ہے کہ اس تصوف نے بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ مانعین کی باتوں میں اتنا وزن نہیں ہے کہ ان کو قبول کر لیا جائے اور تصوف سے کنارہ کشی کر لی جائے کیونکہ تصوف کا میدان ایک ایسا میدان ہے جس کی جڑیں قرآن وحدیث سے جا جڑتی ہیں، یہ کوئی بدعت والا شغل نہیں ہے کہ اس کو سرے سے ہی چھوڑ دیا جائے۔ بلکہ یہ ایک تاریخی عمل ہے، جیسے کہ ابو الحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں کہ:

"تاریخ کے سرسری مطالعہ سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرن ثانی سے لے کر اس وقت تک بلا انقطاع اور بلا استثناء ہر دور اور ہر ملک خدا کے کثیر التعداد مخلص بندوں نے اسی طریقہ کو اختیار کیا، اور اس کی دعوت دی، خود فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو فائدہ پہنچایا اور ساری زندگی اس کی اشاعت میں مشغول و سرگرم رہے، اور ان کو اس کی صحت وافادیت کے بارے میں پورا یقین واطمینان حاصل تھا، وہ اپنے ماحول ومعاشرہ کا خلاصہ اور عطر تھے، اور نہ صرف اپنی راست بازی، خلوص و بے غرضی، پاک نفسی و نیک باطنی میں، بلکہ کتاب وسنت کے علم، سنت کی محبت و عشق اور بدعات سے نفرت

toobaafoundation.com

وکراہت میں بھی اپنے معاصرین میں فائق اور ممتاز تھے۔ایک دو کا یا دس پانچ کا کسی غلط فہمی یا سازش کا شکار ہو جانا ممکن ہے،اور بعید از قیاس نہیں،لیکن لاکھوں انسانوں کا جو اپنے علم عمل میں بھی صف اول میں نظر آتے ہیں،علی سبیل التواتر صدیوں تک اس غلط فہمی میں مبتلا رہنا،اس پر اصرار کرنا،اور اس کی دعوت دینا،اس پر پورے عزم واستقامت کے ساتھ قائم رہنا خلاف عقل اور خلاف عادت بات ہے۔"[9]

اس فن "تصوف" کو بڑے بڑے صوفیاء نے اپنا میدان عمل بنایا ہے۔لیکن مولانا اشرف علی تھانویؒ کا چودھویں صدی میں تصوف میں تجدید کا کام ایک مثالی نمونہ ہے۔مولانا تھانویؒ تصوف کے فن میں مجدد کا درجہ رکھتے ہیں یا نہیں؟خود مولانا تھانویؒ کی اس سلسلہ میں رائے ذکر کی جاتی ہے،مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں:

"احتمال تو مجھ کو بھی ہے،مگر اس سے زیادہ نہیں،جزم اوروں کو بھی نہ کرنا چاہیے،ظن کے درجے میں گنجائش ہے،باقی قطعی یقین تو کسی مجدد کا نہیں ہوا۔۔"[10] مولانا تھانویؒ کا کام مجددانہ کام ہے اور آپؒ کی تجدیدی خدمات خاص طور پر تصوف وسلوک کے میدان میں سب سے نمایاں ہیں۔اس مقالہ میں مولانا تھانویؒ کی تصوف وسلوک کے میدان میں تجدیدی اور اصلاحی اور علمی خدمات کا تذکرہ کیا جائے گا۔

مفروضہ تحقیق:۔

تصوف میں مسلم امت کے عقائد واعمال میں اصلاح وتزکیہ کے ساتھ ساتھ جاہل صوفیاء کے باعث انحراف اور بگاڑ کی راہیں بھی پیدا ہوئیں۔مولانا اشرف علی تھانویؒ کا منفرد اور عظیم الشان تجدیدی کارنامہ اصلاح تصوف وسلوک ہے جو کہ انہیں ماضی کے تجدیدی کارناموں سے ممتاز کرتا ہے۔

سابقہ کام کا تحقیقی جائزہ:۔

ا۔ سید محمد عبد القادر آزاد نے ۱۹۹۰ء میں اپنا Ph.D کا مقالہ بعنوان "مولانا اشرف علی تھانوی،بحثیت مفسر قرآن" شعبہ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی لاہور سے لکھا۔اس مقالہ میں مولانا تھانویؒ کے سوانح،علمی خدمات اور خاص طور تفسیر اور علوم القرآن میں مولانا تھانویؒ کی خدمات ذکر کی گئی ہیں۔

---

[9] ندوی،ابوالحسن،علی،مولانا،تزکیہ واحسان یا تصوف وسلوک،مترجم:محمد الحسنی،مجلس نشریات اسلام،کراچی،س۔ن،ص:۳۰

[10] تھانوی،اشرف علی،مولانا،الافاضات الیومیہ،من الافادات القومیہ،ادارہ تالیفات اشرفیہ،ملتان،۱۴۳۰ھ ،۴۵۹/۴

toobaafoundation.com

۲۔ محی الدین ابو بکر نے ۲۰۰۰ء میں ایم فل کا مقالہ بعنوان " مولانا اشرف علی تھانویؒ کا منہج تربیت " لکھا جس میں انہوں نے مولانا اشرف علی تھانویؒ کا اپنے مریدین، طلباء اور متعلقین کی تربیت کرنے کا جو طریقہ کار ہے اس کو بیان کیا۔

۳۔ امان اللہ بھٹی نے اپنا Ph.D کا مقالہ بعنوان "اسلام اور خانقاہی نظام۔۔۔ایک تاریخی و تحقیقی جائزہ " لکھا بعد ازاں اس مقالہ کو مکتبہ دارالسلام نے طبع کیا۔ یہ مقالہ عمومی طور پر تصوف کے رد میں اور خاص طور پر تصوف کے خانقاہی نظام کی تردید میں لکھا گیا ہے۔

۴۔ ڈاکٹر سید ابرار علی نے اپنا Ph.D کا مقالہ بعنوان "حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا طریقہ اصلاح " لکھا ہے جس کو بیت العلوم لاہور نے طبع بھی کر دیا ہے۔ لیکن یہ مقالہ صرف مولانا تھانویؒ کے اصلاحی طریقہ پر مشتمل ہے۔

اس لیے ضرورت اس امر کی تھی کہ مولانا تھانویؒ کی علمِ تصوف، خانقاہی نظام، انفرادی و معاشرتی معاملات کی تصحیح ، دفاعِ صوفیاء، صوفیاء کے مسائلِ کشفیہ و کلامیہ کی عادلانہ تنقید اور شطحیاتِ صوفیاء کی تنقیح کا تذکرہ کیا جائے۔ اس لیے میں نے اس موضوع " تصوف و سلوک کی تجدید و اصلاح میں مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمات" تحقیقی مطالعہ " پر تحقیق کی میرے علم کی حد تک اس موضوع پر اس پہلو سے کوئی تحقیقی و تکمیلی کام نہیں ہوا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس علمی کام کو میرے لیے، میرے والدین اور تمام اساتذہ کے لیے آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین

وما توفیقی الا باللہ علیه توکلت وهو رب العرش العظیم!

اظہر اقبال

پی ایچ ڈی (علوم اسلامیہ)

شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ پنجاب، لاہور

۶ مارچ ۲۰۱۷ء

toobaafoundation.com

اظہار تشکر

مقدمہ

فہرستِ ابواب وفصول

باب اول **علم تصوف اور مولانا تھانویؒ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایک تعارف**

فصل اول تصوف وسلوک یا تزکیہ واحسان کا لغوی واصطلاحی مفہوم

تصوف وسلوک کی لغوی تعریف 4

سلوک کا لغوی معنی 5

تصوف وسلوک کی اصطلاحی تعریفات 12

علامہ ابن خلدون کے ہاں تصوف کی اصطلاحی تعریف 12

علامہ شبلی نعمانی کے ہاں تصوف کی اصطلاحی تعریف 13

امام غزالیؒ کے ہاں تصوف کی اصطلاحی تعریف 14

مولانا شاہ ولی اللہ کے ہاں تصوف کی اصطلاحی تعریف 15

سلوک کی تعریف 16

تزکیہ کا مطلب 18

احسان کا مطلب 18

خلاصہ بحث 19

toobaafoundation.com

فصل دوم تجدید، مجدد اور تجدد کا لغوی و اصطلاحی مفہوم اور برصغیر کے تناظر میں تاریخ مجددین

تجدید کی لغوی تعریف 21

تجدد کا لغوی مفہوم 21

تجدید اور تجدد کی اصطلاحی تعریف 22

تجدید اور تجدد میں فرق 24

تحریک متجددین کی سوچ، فکر اور مقاصد 25

تجدیدِ دین سے متعلقہ حدیث اور محدثین کے نزدیک اس حدیث کی وضاحت 27

برِ صغیر کے تناظر میں مجددینِ دین و تصوف 29

شیخ احمد سرہندیؒ (مجدد الفِ ثانیؒ)(۹۷۱ھ۔۱۰۳۴ھ) 31

مجدد الفِ ثانیؒ کے تجدیدی کارنامے 33

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ(۱۱۱۴ھ۔۱۱۷۶ھ) 34

شاہ ولی اللہ کے تجدیدی کارنامے 35

شاہ اسماعیل شہیدؒ(۱۱۹۳ھ۔۱۲۴۶ھ) 36

مولانا اشرف علی تھانویؒ(۱۲۸۰ھ۔۱۳۶۲ھ) 39

خلاصہ بحث 40

فصل سوم تاریخ تصوف اور سلاسل ہائے تصوف کا مطالعہ

تصوف کے آغاز کے بارے میں دو نقطہ ہائے نظر 42

toobaafoundation.com

ارتقاء تصوف کے بارے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تحقیق	44
شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک ارباب تصوف پر تحقیق کرنے کا اصول	46
تصوف گیارھویں صدی میں	49
تصوف بارہویں صدی میں	51
سلاسل تصوف	52
سلاسل کی ابتداء	54
پاک وہند کے چار مشہور سلاسل	56
سلاسل اربعہ کا مختصر تعارف وخصوصیات	57
چشتیہ سلسلہ کی نشاۃ ثانیہ (اٹھارویں صدی)	59
باطنی اصلاح وتربیت کی تحریک	61
حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلفاء کے اسماء گرامی	62
مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلفاء کے نام	64
سلسلہ چشتیہ کی خصوصیات	65
سلسلہ سہر وردیہ کی خصوصیات	66
سلسلہ قادریہ کی خصوصیات	67
سلسلہ نقشبندیہ کی خصوصیات	68
خلاصہ بحث	68

toobaafoundation.com

فصل چہارم مولانا اشرف علی تھانویؒ۔۔۔۔۔۔سوانح و آثار

مولانا تھانویؒ کا وطن مالوف اور نام و نسب	71
تھانہ بھون کی تاریخی اہمیت	72
مولانا تھانویؒ کا نسب نامہ	73
مولانا تھانویؒ کے اساتذہ	77
مولانا تھانویؒ کی درس و تدریس	79
مولانا تھانویؒ کا صوفیانہ مسلک	80
حاجی امداد اللہ کی مشہور کتب	81
مولانا تھانویؒ کے مجازینِ بیعت	84
مولانا تھانویؒ کی رحلت	86
خلاصہ بحث	87

فصل پنجم مولانا تھانویؒ کی تصنیفات و تالیفات کی فہرست

مولانا تھانویؒ کی تصنیفات و تالیفات کی فہرست	89
تفسیر و علوم القرآن	90
علوم حدیث	92
عقائد	93

toobaafoundation.com

فقہ و فتاویٰ 94

شریعت و طریقت 95

علم الکلام 96

ملفوظات 97

مولانا تھانویؒ کی تصانیف اور مواعظ سے منتخب مضامین کے مجموعے 98

باب دوم برصغیر میں علم تصوف کے معتقدات اور عملی اظہار میں انحرافات اور اس کا پس منظر

فصل اول برصغیر میں تحریک وحدت ادیان اور متصوفین

برصغیر میں تحریکِ وحدتِ ادیان 103

اکبر جس واقعے سے اسلام سے متنفر ہوا 104

ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا سنگین اور خطرناک موڑ 106

پندرھویں اور سولھویں صدی عیسوی میں انتہاء پسندانہ صوفیانہ حلقے 107

مجدد الف ثانیؒ (شیخ احمد سرہندی) کی تحریک دعوت اصلاح و تجدید کا آغاز 108

جاہل صوفیہ کا جنت سے استغناء 114

متصوفین کی دکانداری 115

آج کل کے پیر جیوں کی حالت 117

نتائج بحث 118

toobaafoundation.com

فصل دوم تصور رحمت وشفاعت کا بگاڑ اور استمداد غیر اللہ کی متعدد اشکال

تصور رحمت وشفاعت کا بگاڑ 120

تصور رحمت وشفاعت میں خرابی 123

مشائخ کی تصاویر کو رکھنا درست نہیں 124

استمداد غیر اللہ کی متعدد اشکال 125

یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ کہنے کی اصل تحقیق 127

مزاراتِ اولیاء پر فسق وفجور 128

خلاصہ بحث 130

فصل سوم غیر شرعی متصوفانہ اشغال کی اشاعت واسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش

غیر شرعی متصوفانہ اشغال کی اشاعت 132

توجہ وتصرف میں دینی ودنیوی مضرتیں 133

جاہل صوفیاء کے ہاں "تصرف" بزرگی کا معیار 134

برصغیر کے مزاراتِ اولیاء پر بدعات اور غیر شرعی اشغال 135

اولیاء اللہ کی قبروں کی مٹی بطور سرمہ استعمال کرنا 138

اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش 139

نظریہ باطنیت 140

toobaafoundation.com

بیکتاشی فرقہ	143
نور بخشی سلسلہ	144
غیر اسلامی نظریاتی فرقوں کے متعلق مولانا تھانویؒ کا نقطہ نظر	146
نتائج بحث	146
باب سوم تجدید تصوف وسلوک اور مولانا تھانویؒ کی مساعی کا علمی پہلو	
فصل اول لوازم تصوف کی تنقیح	
بیعت کی تعریف	151
پیری مریدی اور بیعت میں افراط و تفریط	152
بیعتِ غائبانہ مشائخ	154
وقتِ بیعت عورتوں سے مصافحہ نہ کرنا	155
فیض پہنچانا شیوخ کے اختیار میں نہیں ہے	158
شیخ کامل کی پہچان	162
حقوق شیخ کا خلاصہ	163
حاصل بحث	164
فصل دوم اشغال واحوال صوفیاء کی حقیقت اور ان کی حیثیت	
اشغال صوفیاء	168
اشغال مقصود بالذات نہیں	169

toobaafoundation.com

مراقبہ عذابِ آخرت	170
تصورِ شیخ مقصود بالذات نہیں	172
تصورِ شیخ کے بارے میں مولانا تھانویؒ کی رائے	172
سماع	173
سماع کے بارے میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کی رائے	174
احوال صوفیاء	175
شیخ اکبر کے نزدیک کرامات وخوارق	176
وجد کی اصل	177
سکر کی تعریف	178
سکر کے بارے میں مولانا تھانویؒ کی رائے	179
خلاصہ بحث	180
فصل سوم دفاع صوفیاء وشطحیات صوفیاء کے بارے میں مولانا تھانویؒ کی عادلانہ تنقیدات	
شطحیاتِ صوفیاء	182
ابن منصور حلاج نے انا الحق اپنے کو مٹانے کے لیے کہا	183
شطحیاتِ صوفیاء کے بارے میں شیخِ اکبرؒ کا قولِ فیصل	185
اکابر صوفیاء کا دفاع	187

toobaafoundation.com

شیخ ابن عربیؒ پر "وحدۃ الوجود" کے حوالے سے اعتراض 188

شیخ اکبر کے فضل و کمال کے بارے میں علماء کی شہادتیں 190

مولانا تھانویؒ کی شیخ اکبر کے بارے میں معتدل رائے 193

حسین بن منصور حلاجؒ 194

ابن منصور کے بارے میں علماء کی رائے 195

خانوادہ چشتیہ کے صوفیاء کا دفاع 197

حاصل بحث 201

فصل چہارم محبت طبعی و عقلی اور اختیاری و غیر اختیاری میں فرق (مولانا تھانویؒ کی علمی و اجتہادی کاوش)

بعض چیزوں کی محبت اللہ کی طرف سے ہے 204

عقلی محبت کی زیادہ ضرورت ہے 205

محبت عقلی اور طبعی میں فرق 207

اختیاری اور غیر اختیاری امور 208

وساوس بھی غیر اختیاری ہیں 210

اختیاری و غیر اختیاری کا مسئلہ نصف سلوک بلکہ کل سلوک ہے 211

خلاصہ بحث 213

toobaafoundation.com

باب چہارم

علم تصوف اور علم شریعت۔۔۔ مولانا تھانویؒ کے مجددانہ نظام استدلال کا مطالعہ

فصل اول تصوف کی قرآنی بنیادیں (تفسیر اشاری اور اس کے متعلقات کے تناظر میں)

تفسیر اشاری کی تعریف 217

کیا تفسیر اشاری معتبر ہے؟ 219

تفسیر اشاری کے حوالے سے مولانا تھانویؒ کی تصنیفات 220

قرآن کی روشنی میں مسائلِ تصوف۔۔۔ مولانا تھانویؒ کے اجتہادات 223

خلافِ سنت تعلیم خفی کا بطلان 227

توکل سے متعلق بعض غلاۃ صوفیاء کا غلط استدلال 229

تخلیہ اور تحلیہ 231

ولی اللہ کی مخالفت کا انجام 238

خلاصہ بحث 239

فصل دوم مہمات و مسائل تصوف پر حدیثی استدلالات کی تجدیدی تشکیل

صوفیانہ ادب میں ضعیف اور موضوع روایات 241

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی فنِ حدیث میں خدمات 244

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی احادیثِ تصوف پر دو بنیادی کتب کا تعارف 246

تصوف کے اہم مسائل پر مولانا تھانویؒ کے حدیثی استدلالات۔۔۔ تعارف و جائزہ 249

toobaafoundation.com

تصوف کے اخلاقی ضوابط پر استدلالات 268

توکل کیا ہے؟ 274

خلاصہ بحث 276

فصل سوم علم فقہ و علم تصوف تلازم و تطابق۔۔ مولانا تھانویؒ کی کتب کا تحقیقی مطالعہ

تلازم و تطابق کا لغوی مفہوم 278

شریعت کی حقیقت اور اس کی ضرورت 280

طریقت کی حقیقت 285

تصوف اور فقہ 288

شریعت، طریقت اور سیاست کا تعلق 290

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک (مسائل تصوف قرآن کی روشنی میں) 293

ذکر خفی کی فضیلت 297

حاصل بحث 299

فصل چہارم صوفیاء کے مسائل کشفیہ و کلامیہ پر مولانا تھانویؒ کی مجددانہ تصریحات

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود 302

وحدۃ الوجود کا مفہوم 303

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی تفہیم کے لیے امثلہ 305

مجدد الف ثانیؒ کے نظریہ "وحدۃ الشہود" اور "وحدۃ الوجود" کی حقیقت ایک ہے 307

toobaafoundation.com

مسئلہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود مسائل کشفیہ ہیں، منصوص قطعی نہیں 308

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے بارے میں مولانا تھانویؒ کی وصیت 309

لطائف ستہ کے مراتبِ وجود 311

اصطلاح صوفیاء میں تصور درجات کے اسماء 313

لطائف کے بارے میں مولانا تھانویؒ کی رائے 315

سالک کے مراقبہ "عالم کے عدم اصلی" ہونے کے اعتبار سے دوائر کی اقسام 316

دوائر پر عمل کے حوالے سے مولانا تھانویؒ کی نصیحت 319

خلاصہ بحث 319

باب پنجم — تصوف کی عملی تنفیذ اور عصر حاضر میں خانقاہی نظام کی اصلاح

فصل اول — خانقاہ کا قیام اور نظام معمولات میں تجدیدی تبدیلی

خانقاہ کا مفہوم 324

خانقاہ کے قیام کے دلائل 324

خانقاہ امدادیہ (تھانہ بھون) کا تعارف 327

خانقاہ کے قواعد وضوابط کا سبب 329

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کا خط اور مولانا تھانویؒ کا جواب 330

سالکین کو اپنے حالات کا جائزہ لینے کی ہدایت 331

toobaafoundation.com

خانقاہ کے قیام کی ضرورت کے حوالے سے مولانا تھانویؒ کا تبصرہ 333

خانقاہی نظام اور فن تصوف میں مولانا تھانویؒ کی اصلاح کی گواہی 335

حاصل بحث 336

فصل دوم انفرادی و معاشرتی معاملات کی تصحیح (خانقاہی تصوف میں اصلاح و تجدید کا عظیم پہلو)

اپنے متعلقین کو ادائیگی حقوق العباد کی تعلیم 338

حقوق العباد کی ادائیگی درویشی میں داخل ہے 339

مولانا تھانویؒ کی کتاب "تربیۃ السالک" سے انفرادی اصلاح کے متعلق چند خطوط 340

حقائق مقصود ہیں لطائف مقصود نہیں 342

خانقاہ میں قیام کی شرائط 356

مولانا تھانویؒ کے اصول تربیت 343

صفائی معاملات کا قحط 344

طریق اصلاح کے استعمال کرنے میں مجبوری 348

صفائی معاملات کے سبب بدنامی 350

حاصل بحث 350

فصل سوم مولانا اشرف علی تھانویؒ کے تجدیدی اصول اور عصر حاضر میں ان کے اطلاقات

مولانا تھانویؒ کی تجدیدی خدمات سے پہلے کے حالات 353

toobaafoundation.com

مولانا تھانویؒ کا "تجدید تصوف" کا اصل کارنامہ	355
فن تصوف کی "تجدیدی خدمت" کے بارے میں مولانا تھانویؒ کے ملفوظات	355
تصوف کا ہر راز آشکار کر دیا گیا	356
مولانا تھانویؒ کے تجدیدی اصول	357
مولانا تھانویؒ کے تجدیدی اصولوں کا عصر حاضر میں اطلاق وسفارشات	359
خلاصہ مباحث	362
تجاویز وسفارشات	370
مصادر ومراجع	372

toobaafoundation.com

باب اول

علم تصوف اور مولانا تھانویؒ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایک تعارف

toobaafoundation.com

فصل اول

تصوف وسلوک یا تزکیہ واحسان کا لغوی واصطلاحی مفہوم

فصل دوم

تجدید، مجدد اور تجدد کا لغوی واصطلاحی مفہوم اور برصغیر کے تناظر میں تاریخ مجددین

فصل سوم

تاریخ تصوف اور سلاسل ہائے تصوف کا مطالعہ

فصل چہارم

مولانا اشرف علی تھانویؒ۔۔۔ سوانح وآثار

فصل پنجم

مولانا تھانویؒ کی تصنیفات وتالیفات کی فہرست

toobaafoundation.com

فصل اول

تصوف وسلوک یا تزکیہ واحسان کا لغوی واصطلاحی مفہوم

toobaafoundation.com

فصل اول

تصوف وسلوک یا تزکیہ واحسان کا لغوی واصطلاحی مفہوم

"تصوف" کے مادہ اور " صوفی" کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف اقوال ملتے ہیں۔اسی طرح تصوف کی اصطلاحی تعریف بھی صوفیاء نے مختلف انداز میں کی ہے۔اس فصل میں "تصوف"کی لغوی تعریف،صوفی کی وجہ تسمیہ،تصوف وسلوک اور تزکیہ واحسان کا مفہوم بیان کیا جائے گا۔

تصوف وسلوک کی لغوی تعریف:۔

"مقاییس اللغۃ"میں تصوف کا لغوی معنیٰ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"أخذ بصُوفةقفاه۔۔۔،إذا أخَذَ بالشَّعَر السائِل فی نُقْرته. وصُوفة: قومٌ کانوا فی الجاهلية، کانوا يَخْدِمون الکعبة ويُجيزون الحاجّ، وحُکی عن أبی عُبيدة: أنّهم أقناء القبائل تجمّعوا فتشبّکوا کما يشبّك الصُّوف."[1]

یعنی تصوف "صوف" سے لیا گیا ہے اور "صوفۃ" زمانہ جاہلیت میں ایک قوم تھی،جو بیت اللہ کی خدمت کرتی تھی اور حاجیوں سے جزیہ وصول کرتی تھی۔اور ابو عبیدہ سے نقل کیا گیا ہے کہ کچھ سردار آپس میں اس طرح ملے جیسے صوف کا تانا بانا۔انہیں بھی صوفی کہا گیا۔

صاحب "المنجد" نے تصوف کا لغوی معنی یوں بیان کیا ہے۔

"صَوَّفَ : جعله صوفياً : تَصَوَّفَ: صار صوفياً تخلق باخلاق الصوفية، الصوفية فئة من المتعبدين، واحدهم " الصوفی "وهو عندهم :"من فانيا بنفسه باقيا بالله تعالى مستخلصا من الطبائع متصلا بحقيقة الحقائق۔"[2]

صَوَّفَ کسی کو صوفی بنانا اور تَصَوَّفَ کسی کا اس طرح صوفی بننا کہ وہ صوفیاء کی صفات کو اختیار کرلے،صوفیہ: یہ عبادت گزار لوگوں کا ایک گروہ ہے جس کا واحد "صوفی" ہے۔اور " صوفی" وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو اللہ کا فرمابردار بنالے اور تمام خواہشات سے آزاد ہو کر ایک اللہ کا ہو جائے۔

ابن منظورؒ نے "لسان العرب" میں اس کا معنی یوں کیا ہے۔

"والصوفة:کل من ولی شيئاً من عمل البيت، وهم الصوفان"[3]

---

[1] زکریا،ابو الحسین احمد بن فارس،مقاییس اللغۃ،دار احیاء التراث العربی،بیروت۔لبنان،س۔ن ص: 557

[2] لوئیس معلوف الیسوعی،المنجد،المکتبہ الشرقیہ،بیروت۔لبنان، 1994ء،ص: 429

[3] ابن منظور،لسان العرب مادہ:صوف،داراحیاء التراث العربی،بیروت۔لبنان، 1416ھ/1996ء، 7/444

toobaafoundation.com

یعنی " صوفی "صوفۃ سے ہے اور "صوفۃ" سے مراد ہر وہ شخص ہے جس نے بیت اللہ کی کوئی خدمت انجام دی ہو اور ان کو " صوفان " کہتے ہیں۔

انگریزی میں تصوف کو" mysticism "کا نام دیا گیا ہے۔ جو اگرچہ ان کی اپنی بنائی ہوئی اصطلاح ہے اور تصوف کی حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے ذیل میں . Oxford Dictionary کی تعریف ذکر کی جاتی ہے

"Mysticism: the belief that knowledge of God and real truth can be found through reason and the senses: Eastern Mysticism" [1]

یعنی تصوف اس بات کا یقین کہ اللہ کی ذات کا علم اور حقیقی سچائی منطق اور حواس کے ذریعہ سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ اور یہ علم "مشرقی تصوف" ہے۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں ابو بکر سراج الدین نے اپنے مقالہ " تصوف "میں تصوف کا مادہ اور اس کا لغوی معنی اس طرح بیان کیا ہے۔

"تصوف، مادہ" ص۔و۔ف "کے باب تفعل سے مصدر ہے، جس کے معنی ہیں اپنے آپ کو صوفیانہ زندگی کے لیے وقف کرنا۔ یہ کلمہ غالباً لفظ "صوفی" سے براہ راست وضع کیا گیا ہے۔ جس طرح " تَنَصَّر" براہ راست نصرانی سے وضع کیا گیا ہے۔ لیکن اگر یہ لفظ ص۔و۔ف کے مادہ سے براہ راست وضع کیا گیا ہے تو ابتداءً اس کے معنی "صوف" یعنی اونی کپڑا پہننا ہوں گے بہر کیف لسانی اعتبار سے لفظ "صوفی" صوف (اون یا ریشم) کا اسم منصوب ہے [2]

مولانا وحید الزمان قاسمی کیرانویؒ نے "تصوف" کی لغوی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

تَصَوُّف: یہ باب تفعل کا مصدر ہے۔ تَصَوُّف صوفی بننا، صوفیوں کی طرح رہنا، ان جیسے اخلاق اختیار کرنا۔

التصوف: ایک سلوکی طریقہ جس کا مدار زندگی کی سادگی، موٹا چال چلن اخلاق اور روحانی بلندی پر ہوتا ہے۔

علم التصوف: مخصوص اصولوں کا مجموعہ جن پر اہل تصوف یقین رکھتے ہیں اور وہ مخصوص آداب حیات جن کے وہ اپنی خلوت وجلوت میں حامل ہوتے ہیں [3]

سلوک کا لغوی معنی:۔

اکثر علماء نے تصوف وسلوک کو مترادف قرار دیا ہے ذیل میں القاموس الوحید میں جو سلوک کی تعریف دی گئی ہے اس سے ذکر کیا جاتا ہے۔

---

[1] Oxford Advance Learner's Dictionary, Oxford University press, New York, 2003, p:842

[2] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، 1962ء، 6/428

[3] کیرانوی، وحید الزمان، قاسمی، مولانا، القاموس الوحید، ادارہ اسلامیات، لاہور، 2001ء، 1/952

toobaafoundation.com

"سَلَکَ: سَلَکَ الطریق: راستہ پر چلنا، السالک: طرز عمل اختیار کرنے والا راستہ چلنے والا، سلوک کی منزل طے کرنے والا۔ السلوک: طرز عمل کردار روش معاملہ طور طریقہ برتاؤ۔۔2 علم النفس میں: کوئی ذی روح کسی پیش آمدہ صورت حال کے تیئں جو رد عمل دیتا ہے اس کی مکمل کیفیت علم تصوف میں اس کا معنی تلاش حق ہے"۔[1]

صوفی کی وجہ تسمیہ:۔

سوال یہ کہ صوفی کو صوفی کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کی وجہ کیا ہے؟ اور یہ نام تاریخ میں کب استعمال ہونا شروع ہوا؟ چنانچہ اس سوال کے جواب میں لوگوں کے مختلف اقوال ملتے ہیں ذیل میں صوفی کی وجہ تسمیہ کے حوالے سے چند اقوال نقل کیے جاتے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ سے جب صوفی کی اصطلاح کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اس ضمن میں فرمایا:

"أما لفظ الصوفية فانه لم يكن مشهورا في القرن الثلاثة و انما اشتهر التكلم به بعد ذالک ۔ وقد نقل التكلم به عن غير واحد من الائمة و الشيوخ ،کالامام احمد بن حنبل وأبي سليمان الدراني و غيرهما ۔ وقد روى عن سفيان الثوري: انه تكلم به، وبعضهم بذكر ذالک عن الحسن البصري"۔[2]

ترجمہ: جہاں تک صوفیا کی اصطلاح کا تعلق ہے تو یہ پہلی تین صدیوں میں مشہور نہیں تھی بلکہ اس کے بارے میں گفتگو اس کے بعد والے زمانے میں شروع ہوئی۔ جب کہ یہ بھی منقول ہے کہ بعض ائمہ وشیوخ مثلا امام احمد بن حنبلؒ اور ابو سلیمان الدرانیؒ وغیرہ نے اس کے متعلق گفتگو کی ہے۔ اسی طرح سفیان ثوریؒ اور حسن بصریؒ کے ہاں بھی اس لفظ کا ذکر ملتا ہے۔ کہ انہوں نے اس کے متعلق کلام کیا ہے۔

صوفی کی نسبت:۔

صوفی کی نسبت کے متعلق علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"الاصل الاشتقاقي بكلمة صوفي: وتنازعوا في المعنى الذى اضيف الى الصوفي، فانه من اسماء النسب، كالقريش و المدني و امثال ذالک ۔ فقيل: انه نسبة الى اهل الصفة، وهو غلط، لانه لو كان كذلک لقيل صُفّي، وقيل: نسبة الى الصف المقدم بين يدى الله، وهو ايضاً غلط، فانه لو كان كذلک قيل صفّي،۔۔۔ وقيل: نسبة الى صوفة بن بشير بن اذّبن طابخة: قبليه من العرب، كانوا يجاورون بمكة من الزمن القديم۔۔۔ لا يعرف هذا القبيلة ولا يرضى ان يكون مضافاً الى قبيلة في الجاهلية، ولا وجود لها في الاسلام ۔"[3]

---

[1] القاموس الوحید، 1/793-794

[2] ابن تیمیہ، علامہ، الصوفیۃ والفقراء، مطبعۃ المدنی المؤسسۃ السعودیہ بمصر، س۔ن، ص: 77

[3] ایضاً، ص: 11-12

toobaafoundation.com

ترجمہ: علماء نے اس کے معنی کے بارے میں باہم اختلاف کیا ہے جس کی اضافت صوفی کی طرف کی گئی ہے جیسا کہ قریش مدنی وغیرہ الفاظ ہیں۔ تو یہاں علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے چار اقوال نقل کیے ہیں اور ان سب کو غلط قرار دیا ہے۔ پہلا قول: صوفی کی نسبت "صفہ" کی طرف ہے لیکن یہ غلط اس لیے ہے کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو یہ صوفی کے بجائے صفّی ہوتا۔ دوسرا قول: اس کی نسبت اللہ کے نزدیک مقدم صف کی طرف ہے۔ یہ بھی غلط اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو صفّی ہوتا۔ تیسرا قول: صوفی کی نسبت مخلوق میں سے "صفوہ" (برگزیدہ) لوگوں کی طرف منسوب ہے۔ تو اس صورت میں اسے صفویّ ہونا چاہیے تھا۔ لہذا یہ بھی غلط ہے۔ چوتھا قول: لفظ صوفی صوفہ بن بشر کی طرف منسوب ہے۔ صوفۃ: یہ عرب کا ایک قبیلہ تھا جو زمانہ قدیم میں مکہ میں رہتا تھا لیکن یہ نسبت اس لیے غلط ہے ایک تو یہ قبیلہ معلوم نہیں ہے۔ اور نہ ہی زمانہ جاہلیت میں اس قبیلے کی طرف نسبت ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہی زمانہ اسلام میں اس قبیلے کا وجود ملتا ہے۔

امام ابو القاسم القشیریؒ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "الرسالۃ القشیریۃ" میں صوفی کی وجہ تسمیہ کے بارے میں چار اقوال ذکر کیے ہیں۔ جن میں سے تین کو غلط قرار دیا ہے اور ایک کو درست قرار دیا ہے۔ امام قشیری نے جن اقوال کو غلط قرار دیا ہے ان میں صفہ، صفا اور صَفّ کی طرف صوفی کی نسبت ہے۔ البتہ صوفی کی صوف کی طرف نسبت کو درست قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

" ولیس یشھد لھذا الإسم من حیث العربیۃ قیاس والاشتقاق، والاظھر فیہ أنہ کالقلب فامّا قول من قال إنہ من الصوفِ و تصوفِ إذالبس الصوف، کما یقال: تقمص إذا لبس القمیص فذ لک و جہ لکن القوم لم یختصوا بلبس الصوف۔۔۔"[1]

عربی زبان کی رو سے اس نام کی اصل شہادت، نہ قیاس سے ملتی ہے نہ اشتقاق سے، واضح امر تو یہی ہے کہ یہ نام لقب کی طرح ہے۔ اب رہے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ یہ لفظ صوف اور تصوف سے نکلا ہے۔ کیوں کہ عربی میں جب کوئی صوف کا لباس پہنے تو اس کے لیے تصوف کا لفظ بولتے ہیں۔ جسطرح قمیص پہننے کے لیے تقمص کا لفظ بولا جاتا ہے۔ تو یہ اس کے اشتیاق کی ایک وجہ ہو سکتی ہے۔ مگر ان لوگوں کا مخصوص لباس صوف نہ تھا۔

ابوریحان البیرونی نے صوفی کو "سوف" سے ماخوذ جانا ہے۔ چنانچہ وہ کتاب الھند میں لکھتے ہیں:

"ھذا رأی السوفیۃ وھم الحکماء فان 'سوف' بالیونانیۃ الحکمۃ وبھا سمی الفیلسوف فیلاسو فا ای محب الحکمۃ ولما ذھب فی الإسلام قوم إلی قریب من رأیھم سموا باسمھم"[2]

---

[1] القشیری، عبدالکریم بن ھوازن، ابو قاسم، 'الرسالۃ القشیریۃ' تحقیق: الدکتور عبدالحلیم محمود، الدکتور محمود بن الشریف، دار المعارف، القاھرہ، س۔ن، 2/440

[2] البیرونی، ابوریحان، کتاب الھند، (مترجم: سید اصغر علی)، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، 1994ھ، ص: 22

toobaafoundation.com

یہ سوفیہ کی رائے ہے جو حکماء ہیں کیوں کہ سوف یونانی زبان میں حکمت کو کہتے ہیں اسی لیئے فلسفی کو فلاسفر کہا گیا یعنی حکمت کا شیدائی۔ جب مسلمانوں میں ایک طبقہ انکی رائے کے قریب ہو گیا تو وہ بھی انہی کے نام سے موسوم ہوا۔

مولانا وحید الزماں قاسمی کیرانویؒ نے بھی صوفی کو "صوف" سے مشتق تسلیم کیا ہے۔ وہ اس حوالے سے القاموس الوحید میں لکھتے ہیں:

"یہ لفظ 'الصوف' سے نکلا ہے۔ جسکے معنی اون (بکری اور اونٹ کے بال) ج: اصواف۔ الصوفِیُ: تصوف کی راہ پر چلنے والا، سادگی اور مخصوص آداب واصول کا پابند جن سے قربِ الہیٰ اور اخلاق اور روحانی بلندی حاصل ہوتی ہے، پاکیزہ نفس بندہ، عبادت گزار بندہ، اُونی: اُون کا بنا ہوا۔ الصوفیۃ: تصوف۔ ۲۔ صوفیوں کی جماعت"[1]

A.J.ARBERY صوفی کی وجہِ تسمیہ کے بارے میں لکھتا ہے:

"Some say," the Sufis were only named Sufis because of the purity (safa) of their hearts and the cleanliness of their acts"[2]

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ صوفیاء کو "صوفی" کا نام، ان کے دلوں اور ان کے اعمال کی صفائی کی بنیاد پر دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر غلام قادر لون نے اپنی کتاب 'مطالعہ تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں' میں صوفی کی وجہِ تسمیہ کے بارے میں سات مختلف اقوال وآراء ذکر کیے ہیں اور آخر میں صوفی کی صوف کی طرف نسبت کو درست قرار دیا ہے اور اس کے حق میں دلائل پیش کیے ہیں۔ ذیل میں یہ سات اقوال ذکر کیے جاتے ہیں:

پہلا قول:۔

صوفی کا لفظ "صوفہ" کیطرف منسوب ہے۔ صوفہ زمانۂ جاہلیت میں ایک قوم تھی۔

دوسرا قول:

صوفی کو "صف" سے ماخوذ بتایا گیا ہے۔

[1] القاموس الوحید، 1/952

[2] Arbery, A.J "The doctrine of the Sufis", Cambridge University Press, New York,p:5

toobaafoundation.com

تیسرا قول:

صوفی کو "صفوہ" سے لیا گیا ہے۔

چوتھا قول:

ایک طبقے کی رائے ہے کہ صوفی "صفا" سے مشتق ہے۔

پانچواں قول:

بعض مُورخین صوفی کو یونانی لفظ "سوف" سے ماخوذ بتاتے ہیں۔

چھٹا قول:

بعض علماء کا دعویٰ ہے کہ صوفی کی اصل "صفہ" ہے۔

ساتواں قول:

زیادہ تر مشرقی علماء اور مستشرقین اسے "صوف" یعنی اُون سے ماخوذ سمجھتے ہیں۔" [1]

راجح قول:۔

صوفی کی وجہِ تسمیہ کے بارے میں جب مختلف اقوال کو دیکھتے ہیں تو 'صوفی' کے لفظ کو 'صوف' سے ماخوذ سمجھنا زیادہ قرین قیاس محسوس ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ اس قول کو راجح قرار دینے کے حوالے سے مختلف دلائل ہیں جن کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

دلیل نمبر1:

صوف پوشی صوفیاء کا دستور رہا ہے۔

دلیل نمبر2:

کیا صوفیاء کے اقوال میں "صوف" کو صوفی کی خصوصیات میں شمار کیا گیا ہے۔

---

[1] لون، غلام قادر، ڈاکٹر، مطالعہ تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں، المیزان ناشران وتاجران کتب، الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور، 2010ء، ص:13۔27 ملخصا

toobaafoundation.com

"التصوف مبنی علی ثمان خصال؛ السخاء، والرضاء، والصبر، والاشارة، والعزبة، ولبس الصوف،والسیاحة والفقر؛ اما السخاء فلابراھیم واما الرضاء فلإسحاق،واما الصبر فلایوب، واما الإشارة فلزکریا واما العزبة فلیحیٰ، واما لبس الصوف فلموسٰی، واما السیاحة فلعیسٰی۔ واما الفقر فلمحمدﷺ" [1]

یعنی تصوف آٹھ خصائل پر مبنی ہے:

سخاوت، رضا، صبر، اشارہ، عزبۃ،صوف پہننا، سیاحت اور فقر، سخاوت ابراھیم علیہ السلام کی، رضا اسحاق کی، صبر ایوب علیہ السلام کا، اشارہ زکریہ علیہ السلام کا، عزبۃ یحیٰ علیہ السلام کی، صوف کا پہننا موسیٰ علیہ السلام کا، سیاحت عیسیٰ علیہ السلام کی اور فقر حضرت محمد ﷺ کا شیوہ رہا ہے۔

دلیل نمبر3:

صوف کو ہمیشہ ترکِ دنیا کی علامت سمجھا گیا ہے۔ چنانچہ عرب میں جب لوگ زہد کی طرف مائل ہوتے تو صوف کا لباس اختیار کرتے۔[2]

دلیل نمبر4:

مولانا اشرف علی تھانوی نے تصوف کے موضوع پر اپنی مشہور کتاب "التکشف عن مھماتِ التصوف" میں دو احادیث ذکر کی ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صوفی کی وجہِ تسمیہ "لبس الصوف" کی وجہ سے ہے۔ ذیل میں ان دو احادیث کو ذکر کیا جاتا ہے۔

حدیث نمبرا:

"عن ابی ھریرة قال: دخلت علی عائشة فاخرجت الینا کساء ملبدا وازارا غلیظا، فقالت: قبض رسول اللهﷺ فی ھذین" [3]

---

[1] الھجویری، علی بن عثمان، ،ابوالحسن، الجلالی، کشف المحجوب، مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان، اسلام آباد، 1978ء، ص:35
[2] مطالعہ تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں، ص: 29-34 ملخصا
[3] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب فرض الخمس، باب ماذکر من درع النبیؐ وعصاہ وسیفہ وقدحہ۔۔۔، رقم:3108

toobaafoundation.com

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے ہم کو ایک کمبل بہت دبیز اور ایک لنگی موٹے کپڑے کی نکال کے دکھائی اور فرمایا کہ رسولؐ نے ان ہی کپڑوں میں وفات پائی ہے۔

حدیث کی تشریح:

مولانا تھانوی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"بعض درویش اکثر احوال میں کمبل وغیرہ اوڑھے رہتے ہیں اور احقر کے نزدیک عجب نہیں کہ ان کا لقب صوفی اسی وجہ سے ہوا ہو۔ گو اسمیں دوسرے اقوال بھی ہیں۔ اگر یہ براہ تصنع اور ریاء نہ ہو تو یہ حدیث اس کی اصل ہے۔" [1]

حدیث نمبر ۲:

"عن ابنِ مسعود قال: قال رسول اللهﷺ: کان علی موسٰی علیه السلام یوم کلمه ربه تعالٰی سراویل صوف وجبة صوف وکسباء صوف وکمة صوف"[2]

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا، جس روز حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے کلام کیا ان کے جسم پر پورا لباس صوف کا تھا، پائجامہ بھی اس کا اور کُرتا بھی اس کا اور چادر بھی اسی کی اور ٹوپی بھی اسی کی۔

حدیث کی تشریح:

یہ حدیث بھی مثلِ حدیث سابق بوجہ اتم "لبس صوف کا اثبات کرتی ہے۔"[3]

خلاصہ کلام:

ان تمام شواہد و دلائل کے پیشِ نظر یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ صوفی کی وجہِ تسمیہ اور تصوف کا مادہ "صوف" قرار دینا زیادہ قرین قیاس ہے۔

---

[1] تھانوی، اشرف علی، مولانا، التکشف عن مھمات التصوف، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، 1430ھ، ص: 622

[2] ترمذی، محمد بن عیسیٰ، ابو عیسی، الجامع الترمذی، کتاب اللباس، باب لبس الصوف، حدیث رقم: 1734، و قال ھذا حدیث غریب لا نعرف الا من حدیث حمید الاعرج

[3] التکشف عن مھمات التصوف، ص:623

toobaafoundation.com

تصوف وسلوک کی اصطلاحی تعریفات:۔

تصوف کی اصطلاحی اور معنوی تعریف میں بہت کچھ کہا گیا۔ چنانچہ ہر صوفی نے تصوف کی تعریف اپنے ذوق اور حال کے مطابق کی ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی ایک ہی صوفی کی تعریفات باہم متضاد بھی دکھائی دیتی ہیں لیکن ذوق وحال کو پیشِ نظر رکھا جائے تو یہ تضاد خود بخود ختم ہو جاتا ہے کیوں کہ جب ایک صوفی مختلف احوال سے گزرتا ہے تو ہر حال کے مطابق اسکی تعبیر بھی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں ایک ہی صوفی سے منسوب مختلف اقوال ملتے ہیں۔

پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

"تصوف کی تعریف پر ایک ہزار سے زیادہ اقوال ہیں۔ لیکن عربی مقولے کے مطابق انکی عبارتیں مختلف ہیں حقیقت ایک ہے۔ اصل مقصدِ تصوف و طریقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے خالص تعلق قائم کرکے اپنی روح و اندرون کا تزکیہ کیا جائے جس سے عرفانِ حقیقت ملے اور یہ عرفان حقیقت کُلی طور سے دین وشریعت کے تابع ہو اور تعلق مع اللہ کے ذریعے تزکیہ روح وذہن، ایمان واسلام کی قیود میں ہو۔"[1]

ذیل میں تصوف کی چند اصطلاحی تعریفات ذکر کی جاتی ہیں جن سے تصوف کی حقیقت سامنے آتی ہے۔

سہل بن عبد اللہ تستریؒ کے ہاں تصوف کی اصطلاحی تعریف:۔

سہل بن عبد اللہ تستریؒ نے تصوف کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"تصوف کم خوری، خلوت گزینی اور اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کا نام ہے۔"[2]

علامہ ابن خلدون کے ہاں تصوف کی اصطلاحی تعریف:۔

علامہ ابنِ خلدون نے اپنے مقدمہ تاریخ میں تصوف کی اصل کو اس طرح بیان کیا ہے:

"اصلها العكوف على العبادة والانقطاع إلى الله تعالى والإعراض عن زخرف الدنيا و زينتها

---

[1] صدیقی، یٰسین مظہر، پروفیسر، حقیقت تصوف: موافق ومخالف نظریات کا تجزیہ، الاحسان، شاہ صفی اکیڈمی، جامعہ عارفیہ سید سراداں، الہ آباد (یوپی)، شمارہ نمبر4، مارچ2013ء، ص:71

[2] انصاری، محمد عبد الحق، ڈاکٹر، تصوف اور شریعت (مجدد الف ثانی کے افکار کا مطالعہ)، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، نئی دہلی، 2008ء، ص:35

toobaafoundation.com

والزھد فیما یقبل إلیہ الجمھور من لذۃ ومال وجاہ والإنفراد عن الخلق فی الخلوۃ للعبادۃ وکان ذلک عاماً فی الصحابۃ و السلف"۔[1]

یعنی تصوف کی اصل یہ ہے کہ عبادت پر ہمیشہ پابندی کرنا، اللہ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونا، دنیا کی زیب و زینت، لذت اور مال و جاہ جس کی طرف عام لوگ متوجہ ہوتے ہیں سے منہ موڑلینا ۔ یہ طریقہ صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین میں عام مروج تھا۔

ابراہیم مصطفیٰ احمد الزیات کے ہاں تصوف کی اصطلاحی تعریف:۔

ابراھیم مصطفی احمد الزیات 'معجم الوسیط' میں تصوف کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

"التصوف طریقۃ سلوکیۃ قوامھا التقشف و التحلی بالفضائل لتزکو النفس و تسمو الروح و علم التصوف مجموعۃ المبادی التی یعتقدھا المتصوفۃ والأداب التی یتادبون بھا فی مجتمعاتھم و خلواتھم"[2]

تصوف ایک سلوک کا راستہ جس کا مغز نفس کو فضائل سے مزین کرنا ہے تاکہ تزکیہ نفس حاصل ہو اور روح کی بلندی حاصل ہو اور علم تصوف ان اصولوں کا مجموعہ ہے جن کا متصوفین اعتقاد رکھتے ہیں اور آداب کا جن کے ذریعے وہ اپنے اجتماعی اور انفرادی معاملات میں ادب حاصل کرتے ہیں۔

علامہ شبلی نعمانیؒ کے ہاں تصوف کی اصطلاحی تعریف:۔

علامہ شبلی نعمانیؒ سے جب تصوف کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا:

"سئل الشبلی عن التصوف فقال ھو اقتداء برسول اللہﷺ، فقال اللہ تعالی: قل ھذہ سبیلی ادعوا إلی اللہ علی بصیرۃ انا ومن التبعنی[3]"[4]

---

[1] ابن خلدون، عبد الرحمٰن، ابوزید، ولی الدین، مقدمہ ابنِ خلدون، دارالفکر، بیروت، 2003ء، ص:462

[2] الزیات، ابراھیم مصطفیٰ احمد، المعجم الوسیط، الشروق الدولیۃ، مصر 2004ء 1/529

[3] یوسف 108:12

[4] الباقلانی، صالح بن محمد، شیخ، العمری، ایقاظ الھمم اولی الابصار، دارالفتح للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، 1997ء، ص:92

toobaafoundation.com

یعنی تصوف رسول اللہ ﷺ کی اقتداء ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپ کہہ دیجئے کہ یہ میرا طریقہ ہے کہ جس کی طرف میں اور میرے متبعین اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دینے والے ہیں۔

قاضی عبدرب النبی کے ہاں تصوف کی اصطلاحی تعریف:۔

قاضی عبدرب النبی تصوف کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں:

"التصوف تجرید القلب للہ تعالیٰ و احتقار ما سوی اللہ تعالیٰ"[1]

یعنی تصوف یہ ہے کہ دل کو اللہ کے لیے خالی کرنا اور اس کے ماسوا کو وقعت نہ دینا۔

معروف کرخیؒ کے ہاں تصوف کی اصطلاحی تعریف:۔

معروف کرخیؒ تصوف کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"التصوف ھو الأخذ بالحقائق و الیاس مما فی ایدی الخلائق"[2]

یعنی حقائق کو اختیار کرنا اور جو لوگوں کے پاس ہے اس سے امید نہ رکھنا۔

امام غزالیؒ کے ہاں تصوف کی اصطلاحی تعریف:۔

امام غزالیؒ نے تصوف کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"التصوف شیئان: الصدق مع اللہ و حسن المعاملۃ مع الناس کل من صدق مع اللہ تعالیٰ و احسن معاملۃ الخلق فھو صوفی"[3]

یعنی تصوف دو چیزیں ہیں: اللہ کے ساتھ اخلاص اور لوگوں کے ساتھ حسن معاملہ کرنا، اور ہر وہ شخص جس میں یہ دو اوصاف ہیں وہ صوفی ہے۔

---

[1] عبدرب الرسول، قاضی، دستور العلماء وجامع العلوم فی اصطلاحات الفنون، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۲۰۰۰ء، حرف التاء، 1/203؛ زکریا بن محمد، الانصاری، غایۃ الوصول فی شرح لب الاصول، جامعہ ام القریٰ، مکۃ المکرمہ، 1/186

[2] القشیری، عبدالکریم بن ھوازن، ابو القاسم، الرسالۃ القشیریۃ، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، 2001ء، ص: 281

[3] المجددی، محمد امین الاحسان، البرکتی، قواعد الفقہ، الصرف پبلشرز، کراچی، 1986ء، ص: 230

toobaafoundation.com

سردار اقبال علی شاہ کے ہاں تصوف کی اصطلاحی تعریف:۔

سردار اقبال علی شاہ اپنی کتاب "Islamic Sufism" میں تصوف کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

Tasswuf consists of two duties; action (formalism) which consists in conforming to the lines of the shariat or the cannons of Islam, and the"Thinking and feeling (tariqat)[1]

یعنی تصوف دو فرائض پر مشتمل ہے۔

۱۔ اعمال: جو کہ شریعت کے دائرہِ عمل یا ارکانِ اسلام پر مشتمل ہوتا ہے۔

۲۔ غور و فکر اور احساس: جو کہ طریقت ہے۔

مولانا شاہ ولی اللہ کے ہاں تصوف کی اصطلاحی تعریف:۔

مولانا شاہ ولی اللہ علمِ تصوف کی تعریف اور اسکی غایت اس طرح بیان کرتے ہیں:

"هوا لعلم تعرف به أحوال تزكيةالنفوس و تصفية الأخلاق و تعمير الباطن و الظاهر لنيل السعادة الابدية و يحصل به اصلاح النفس و المعرفة و رضاءالرب و موضوعه التزكية و التصفية و التعمير الباطن، وغايته نيل السعادةالابدية"[2]

یعنی تصوف وہ علم جس سے تزکیہِ النفوس و تصفیہِ اخلاق اور ظاہر و باطن کی تعمیر کے احوال پہچانے جاتے ہیں۔ تاکہ سعادتِ ابدی حاصل ہو، نفس کی اصلاح ہو اور رب العالمین کی رضا اور اسکی معرفت حاصل ہو اور تصوف کا موضوع تزکیہ، تصفیہ اور تعمیر باطن ہے اور اس کا مقصد ابدی سعادت کا حصول ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ہاں تصوف کی اصطلاحی تعریف:۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ تصوف کی تعریف انتہائی جامع الفاظ میں کرتے ہیں:

---

[1] Iqbal Ali, Sardar, Shah, Islamic Sufism, Ali Shah publishers, p20

[2] دہلوی ،ولی اللہ، شاہ، تصوف ونسبت صوفیہ، ادارہ تالیفات اشرفیہ، الہ آباد، 1386ء، ص:12

toobaafoundation.com

"شریعت کا وہ جز جو اعمال باطنی سے متعلق ہے 'تصوف وسلوک اور وہ جو اعمالِ ظاہری سے متعلق ہے 'فقہ' کہلاتا ہے۔ اسکا موضوع تہذیب واخلاق اور غرض رضائے الٰہی ہے۔ اور اس کے حصول کا ذریعہ شریعت کے حکموں پر پوری طرح چلنا ہے۔ گویا کہ تصوف دین کی روح ومعنی یا کیف وکمال کا نام ہے جس کا کام باطن کو بخل، حرص، ریاء، عجب اور غرور سے پاک کرنا اور فضائل یعنی اخلاقِ حمیدہ، توبہ، صبر، شکر، خوف، رجا، زہد، توحید وتوکل، محبت، شوق، اخلاص، صدق، مراقبہ، محاسبہ وتفکر سے آراستہ کرنا ہے، تاکہ توجہ اِلی اللہ پیدا ہو جائے جو مقصودِ حیات ہے۔ اس لئے تصوف وطریقت، دین وشریعت کے قطعاً منافی نہیں بلکہ ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ صوفی بنے کہ اس کے بغیر فی الواقع مسلمان پورا مسلمان کہلانے کا مستحق ہی نہیں رہتا"۔[1]

سلوک کی تعریف:۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے اپنی کتاب 'خطبات بہاولپور' میں سلوک کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔:

"ہمارے اسلاف نے 'اخلاص فی العمل' کو سلوک اور طریقت کا نام دیا ہے۔ سلوک اور طریقت دونوں کے معنی ہیں راستہ چلنا اور اللہ کی طرف جانے کا راستہ۔ اور اسی مفہوم کیلیئے 'تصوف' کا لفظ استعمال ہونے لگا۔"[2]

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے ہاں سلوک کی تعریف:۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے "ھمعات" میں سلوک کی تعریف اس طرح کی ہے:

"سلوک سے مُراد خضوع، طہارت اور عشق وغیرہ کی نفسی کیفیات میں سالک کا اپنے آپ کو رنگنا یا ان کیفیات کو اپنے اندر پیدا کرنا ہے۔"[3]

تزکیہ واحسان (تصوف وسلوک):۔

تصوف وسلوک ایک اصطلاح ہے اور ایک فن کا نام ہے۔ لیکن یہ اصطلاح "تصوف وسلوک" ابتداءِ اسلام میں نہ تھی بلکہ بعد میں دوسری صدی ھجری میں ایک "فن" کی اصطلاح کے طور پر سامنے آئی اور زبان زدِ عام ہوئی۔ لیکن اکثر

---

[1] شاہ، محمد مسیح اللہ، مولانا، شریعت وتصوف، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ص: 92

[2] ڈاکٹر، محمد حمید اللہ، خطبات بہاولپور، بیکن بکس، قذافی مارکیٹ، اردو بازار، لاہور، 2005ء، ص:176

[3] دہلویؒ، ولی اللہ، شاہ، ھمعات، اردو ترجمہ: تصوف کی حقیقت اور اس کا فلسفہ تاریخ، مترجم: پروفیسر محمد سرور، سندھ ساگر اکادمی، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور 1999ء، ص:79

toobaafoundation.com

لوگ تصوف کا انکار کرتے ہیں اور یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ یہ ایک بدعت ہے۔ اور وجہ یہ بتاتے ہیں کہ تصوف کی اصطلاح ابتدائے اسلام میں نہیں تھی لہٰذا ہم اس 'تصوف' کی اصطلاح ماننے کو تیار نہیں ہیں۔ لیکن اگر بنظرِ غایر دیکھا جائے تو منکرینِ تصوف کا یہ نقطۂ نظر اس لیئے درست نہیں ہے کہ یہ ایک فن کی اصطلاح کا معاملہ ہے اور یہ صرف تصوف کی اصطلاح کا معاملہ نہیں ہے بلکہ ہر فن کا یہ معاملہ ہے کہ پہلے تمام فنون علیحدہ علیحدہ مدون نہیں تھے لیکن جب یہ فنون تدوینی دور سے گزرے تو انکی علیحدہ علیحدہ اصطلاحات منظرِ عام پر آئیں۔ تو لوگوں نے باقی فنون کی اصطلاحات کو تو قبول کر لیا لیکن جب تصوف کی اصطلاح کی باری آئی تو لوگوں نے اس اصطلاح کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

لیکن جب قرآن وحدیث کو دیکھتے ہیں تو ہمیں قرآن وحدیث میں بہت ساری ایسی آیات اور احادیث ملتی ہیں جنمیں تزکیہ اوراحسان کا ذکر ہے اور ان آیات اور احادیث میں تزکیہ اور احسان پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اگر تزکیہ اور احسان کی حقیقت پر غور کیا جائے تو یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ قرآن وحدیث میں مذکور "تزکیہ واحسان" کو ہی بعد میں تصوف وسلوک کا نام دیا گیا ہے۔ اب اسمیں کوئی فرق نہیں ہے کہ اس فن کو "تصوف وسلوک" کے نام سے یاد کیا جائے اور لکھا جائے یا اس کا نام تزکیہ واحسان رکھا جائے۔ لیکن اب یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن وحدیث کی اصطلاح 'تزکیہ واحسان کا نام 'تصوف وسلوک رکھ دیا گیا ہے اور یہ اصطلاح اتنی مشہور ہو چکی ہے کہ اب اس "اصطلاح" سے خلاصی حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا اب اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اس اصطلاح کو قبول کر لیں۔

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے ہاں تزکیہ واحسان (تصوف وسلوک) کی تعریف:۔

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ تزکیہ واحسان کے نام تصوف کی اصطلاح کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اگر ہم اس اصطلاح (تصوف) کو ترک کر کے (جس سے ہم دوسری صدی ھجری میں روشناس ہوئے) قرآن وحدیث اور صحابہؓ و تابعینؒ کی طرف رجوع کریں اور قرآن و سنت کا اس نقطہ نظر سے مطالعہ کریں تو ہمیں نظر آئے گا کہ قرآن دین کے ایک شعبہ اور نبوت کے ایک اہم رکن کی طرف خصوصیت سے توجہ دلاتا ہے۔ اور اس کو 'تزکیہ' سے تعبیر کرتا ہے۔ اور ان چار ارکان میں اس کو شامل کرتا ہے۔ جن کی تکمیل حضورؐ کے منصب نبوت سے متعلق اور مقاصد بعثت میں شامل تھی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"ھوالذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلو علیھم اٰیاتہ ویزکیھم و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ و إن

toobaafoundation.com

کا نوأمن قبل لفی ضلال مبین“[1]

ترجمہ: وہی ہے جس نے اُٹھایا امیوں میں ایک رسول انہیں کا ہے، پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور انکو سنوارتا ہے اور سکھلاتا ہے کتاب اور دانائی، اور اس سے پہلے وہ پڑے ہوئے تھے صریح بھول میں۔

تزکیہ کا مطلب:۔

”تزکیہ سے مراد یہ ہے کہ انسانی نفوس کو اعلیٰ اخلاق سے آراستہ اور رزائل سے پاک وصاف کیا جائے، مختصر الفاظ میں تزکیہ کی وہ شکل جس کے شاندار نمونے اور مثالیں ہمیں صحابہِ کرامؓ کی زندگی میں نظر آتے ہیں۔ اور ان کے خلوص اوراخلاق کی آئینہ دار ہیں، وہ تزکیہ جس کے نتیجہ میں ایسا صالح پاکیزہ اور مثالی معاشرہ وجود میں آیا، جسکی نظیر پیش کرنے سے تاریخ عاجز ہے، اور ایسی معدلت شعار اور حق پرست حکومت قائم ہوئی جسکی مثال روئے زمین پر کہیں اور نہیں مل سکی۔“[2]

احسان کا مطلب:۔

نبی کریم ﷺ نے ایمان واسلام کے ساتھ ساتھ 'احسان' کا بھی ذکر کیا ھے۔ احسان سے مراد یقین اور استحضار کی وہ کیفیت ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے ہر مسلمان کو کوشش کرنی چاہیئے اور اس کو حاصل کرنے کا شوق ہر مسلمان کے دل میں موجود ہونا چاہیے۔

حدیثِ جبرائیل:۔

اس ضمن میں احسان کے متعلق حدیثِ جبرائیل کا ایک حصہ درج ذیل ہے:

”قال فاخبرنی عن الاحسان قال: ان تعبد اللہ کا نک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک“[3]

ترجمہ: حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا مجھے احسان کے متعلق بتایئے، حضور ﷺ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو یقیناً وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

---

[1] الجمعہ 2:62

[2] ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، سید، تزکیہ واحسان یا تصوف وسلوک، مترجم:، محمد الحسنی، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، ص: 14-15

[3] سنن ابن ماجہ، کتاب الایمان، باب فی الایمان، رقم: 62

toobaafoundation.com

خلاصہ بحث:۔

صوفی کی وجہ تسمیہ کی تحقیق کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس کی اصل "صوف" زیادہ قرین قیاس ہے۔ ابتداء میں تصوف و سلوک کا نام "تزکیہ واحسان" تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جس طرح دوسرے فنون کے علیحدہ علیحدہ نام سامنے آئے اسی طرح "تصوف" کا نام بھی ایک اصطلاح کے طور پر سامنے آیا۔ تصوف و سلوک ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں ہے۔

toobaafoundation.com

فصل دوم

تجدید، مجدد اور تجدد کا لغوی و اصطلاحی مفہوم اور برصغیر کے تناظر میں تاریخ مجددین

toobaafoundation.com

فصلِ دوم

تجدید، مجدّد اور تجدّد کا لغوی و اصطلاحی مفہوم اور برِ صغیر کے تناظر میں تاریخِ مجددین

تجدید کا معنی ہے کسی کام کو نئے سرے سے کرنا، جب کہ تجدد کے معنی میں یہ مفہوم ہے کہ اس کے نتیجے میں ایک چیز نئے روپ میں سامنے آتی ہے۔ اسی طرح مجدد ایک چیز میں پیدا ہونے والی بدعات اور خرابیوں کو دور کرتا ہے اور ان کی اصلاح کرتا ہے، جب کہ متجدد ایک چیز کو دوسری شکل میں پیش کرتا ہے۔ ذیل میں ان کا مفہوم بیان کیا جاتا ہے۔

تجدید، مجدد اور تجدد کی لغوی تعریف:۔

ذیل میں تجدید، مجدد اور تجدد کی لغوی تعریف ذکر کی جاتی ہے تاکہ انکا مفہوم سمجھنے میں آسانی ہو۔

تجدید کی لغوی تعریف:۔

نیا بنانا، نئے سرے سے کوئی کام کرنا، جدت، تازگی، نیا پن

مجدد کی لغوی تعریف:۔

مجدد کا مادہ، ج د د ہے۔ اور اس مادے کا لغوی معنی، تجدد الشیئ، نیا ہونا، پہلی حالت پر واپس آنا۔ اور المجدد: ہر صدی کے اوائل میں پیدا ہونے والا وہ مصلح جو مسلمانوں میں مروج بدعات کی اصلاح کرتا ہے۔[1]

لسان العرب میں بھی اسکا مادہ ج د د ہے اور اسکا معنی از سرِ نو کرنا کے ہے، مثلاً جدد الوضوء، جدد العھد، یعنی از سرِ نو وضو کیا یا از سرِ نو عہد کیا۔[2]

تجدد کا لغوی مفہوم:۔

ابنِ منظور الافریقی، لسان العرب میں لکھتے ہیں:

تجدد، باب تفعل سے مصدر ہے۔ جسکا معنی "تجدد الشئ صار جدیدا"[3] یعنی کسی چیز کا نیا بن جانا۔

---

[1] القاموس الوحید، 1/238

[2] لسان العرب، 4/84

[3] ایضاً، 3/111

toobaafoundation.com

مرتضیٰ زبیدی اس کا معنی "تاج العروس" میں یوں لکھتے ہیں:

"تجدد أی اطری۔ قال الازھری: مدحه بما لیس فیه، وقال الھروی و ابنِ الاثیر: الاطراء مجاوزه الحد فی المدح الکذب فیه، وبه فسر الحدیث، لاتطرونی کما اطرت النصاری المسیح ابنِ مریم لانهم مدحوه بما لیس فیه، فقالوا ثالث ثلثة وانه ابن الله"[1]

یعنی تجدد کا معنی ہے حد سے تجاوز کرنا، ازھری نے کہا ہے، کسی کی ایسی مدح کرنا جو اس میں ہے ہی نہیں۔ ھروی اور ابنِ اثیر نے کہا ہے کہ کسی کی جھوٹی تعریف میں حد سے تجاوز کرنا۔ جیسا کہ حدیث نے اسکی وضاحت کی ہے۔ کہ نبی ﷺ نے فرمایا، میرے بارے حد سے تجاوز نہ کرنا جیسا کہ عیسائیوں نے مسیح ابنِ مریم علیہما السلام کے بارے میں حد سے تجاوز کیا۔ اسلیے کہ انہوں نے انکی ایسی تعریف کی جو ان کے اندر نہیں تھی۔ تو انھوں نے کہا کہ یہ تین میں سے تیسرے ہیں اور یہ کہ یہ اللہ کے بیٹے ہیں۔

تجدید اور تجدد کی اصطلاحی تعریف:۔

ذیل میں تجدید اور تجدد کی اصطلاحی تعریف کی جاتی ہے تاکہ ان دونوں کا مفہوم اور ان میں فرق کا پتہ چل سکے۔

تجدید کی تعریف:۔

عبد الرؤف المناوی نے تجدید کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے:

"التجدید إحیاء ما اندرس من العمل بالکتاب و السنة و الامر بمقتضاھا"[2]

یعنی جو چیز کتاب وسنت پر عمل کے حوالے سے مرورِ زمانہ کی وجہ سے مٹ چکی ہو اس کو از سرِ نو زندہ کرنا اور اسکو بجا لانے کا حکم دینا تجدید کہلاتا ہے۔

پروفیسر خورشید احمد اپنی کتاب "اسلامی نظریہ حیات" میں تجدید کی حقیقت اس طرح واضح کرتے ہیں:

" تجدید یہ ہے کہ زمانے کے تغیرات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اصل دین کو بلا کم و کاست پیش کیا جائے اور اپنے دور اور اپنے زمانے کی زبان میں محکم استدلال کے ساتھ پیش کیا جائے۔ نیز تدبر اور اجتہاد کے ذریعہ سے دین کو اپنے دور کے حالات پر نافذ کرنے کی عملی جدوجہد کی جائے۔ ان تمام ذرائع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے جو قدرت نے انسان کو فراہم کیے ہیں اور

---

[1] زبیدی، محمد بن محمد بن عبد الرزاق، مرتضی، تاج العروس من جواھر القاموس، دار الفکر، بیروت لبنان، 1994ء، 19/632

[2] المناوی، عبد الرؤف، فیض القدیر، (شرح الجامع الصغیر)، المکتبۃ التجارۃ الکبریٰ، مصر، 1938ء، 2/281

toobaafoundation.com

اسلامی بصیرت کے ساتھ نئے پیش آمدہ مسائل کو قرآن و سنت کی روشنی میں طے کیا جائے۔ تجدید کے ذریعے سے ہر زمانے میں دین کی تعلیمات اور زندگی کے بہاؤ کے درمیان تعلق اور رابطہ گہرا ہوتا جاتا ہے۔ اور زندگی کا دریا اسلام کی شاہراہ سے ہٹ کر چلنے نہیں پاتا۔ یہاں مخلصانہ اجتہاد کے ذریعے سے نئے مسائل اور نئی مشکلات کو حل کیا جاتا ہے اور دین اپنے رنگ پر قائم رہتا ہے۔[1]

سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے تجدید کی تعریف اس طرح کی ہے:

"دراصل تجدید کا کام یہ ہے کہ اسلام کو جاھلیت کے تمام اجزاء سے چھانٹ کر الگ کیا جائے اور کسی نہ کسی حد تک اسے اپنی خالص صورت میں پھر سے فروغ دینے کی کوشش کی جائے۔ اس لحاظ سے مجدد جاہلیت کے مقابلہ میں سخت غیر مصالحت پسند آدمی ہوتا ہے اور کسی خفیف سے خفیف جز میں بھی جاہلیت کی موجودگی کا روادار نہیں ہوتا"۔[2]

تجدد کی اصطلاحی تعریف:۔

ڈاکٹر محمد امین تجدد کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں:

"تجدد کا رویہ یہ ہے کہ کچھ لوگ دوسری قوموں اور تہذیبوں کے افکار و اعمال سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ انھیں اپنے فکر و عمل سے اچھا اور اعلیٰ و برتر سمجھنے لگتے ہیں۔ اور یہ کوشش کرنے لگتے ہیں کہ انھیں اسلامی لباس پہنا کر اختیار کر لیا جائے۔"[3]

پروفیسر خورشید احمد "تجدد" کا مفہوم اس طرح بیان کرتے ہیں:

" تجدد وہ کوشش ہے جو زمانے کے تقاضوں کے نام پر خود دین کو بدل ڈالنے کے لئے کی جاتی ہے۔ زندگی اور زمانے کے درمیان ربط اس طریقے سے بھی قائم ہو جاتا ہے لیکن یہ ربط اسلام کی سرزمین پر نہیں غیر اسلام کی سرزمین پر قائم ہوتا ہے۔ اس میں اسلام کو اصل قرار دے کر حالات کو اس کے مطابق ڈھالنے کی بجائے زمانے کی چلتی ہوئی تہذیب کو اصل مان کر اس کے پیدا کئے ہوئے حالات پر اسلام کو ڈھال دیا جاتا ہے"۔[4]

---

[1] خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی، 2006ء، ص: 117

[2] مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تجدید و احیائے دین، اسلامک پبلیکیشنز، منصورہ، ملتان روڈ، لاہور، 2013ء، ص:35

[3] محمد امین، ڈاکٹر، اسلام اور تجدد پسندی، ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ، جلد نمبر 16، شمارہ نمبر 12، 2005ء، ص:30

[4] اسلامی نظریہ حیات، ص: 117

toobaafoundation.com

سیّد ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے "تجدد" کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

" جو لوگ مسلمان قوم کو بر سر انحطاط دیکھ کر اسے دنیوی حیثیت سے سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اپنے زمانے کی بر سر عروج جاہلیت سے مصالحت کر کے اسلام اور جاہلیت کا ایک نیا مخلوطہ تیار کر دیتے ہیں، یا فقط نام باقی رکھ کر اس قوم کو پورے جاہلیت کے رنگ میں رنگ دیتے ہیں۔ ایسے لوگ مجدد نہیں متجدد ہوتے ہیں اور ان کا کام تجدید نہیں تجدد ہوتا ہے "۔[1]

تجدید اور تجدد میں فرق:۔

مولانا نعیم صدیقی تجدید اور تجدد کا فرق یوں بیان کرتے ہیں:

" نظریاتی اور تحریکی تمدنوں میں دو طرح کی حرکات جاری رہتی ہیں۔ ایک تجدد کی دوسرے تجدید کی۔ تجدد کی حرکات اساسی اصولوں کو حالات کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے سرگرم ہوتی ہیں اور تجدید کی حرکات حالات کے مقابلے میں اصول کے تقاضوں کو غالب کرنا چاہتی ہیں۔ ایک طرف تاریخی عوامل کو اپنی زمام سونپ دینے کا رجحان ہے۔ دوسری طرف تاریخی عوامل کی زمام اپنے ہاتھ میں لیکر حالات کو حسبِ منشاء بدلنے اور وقت کے دھارے کا رخ موڑ دینے کا جذبہ ہے۔ ان دونوں حرکتوں کی توضیح ہم اس طرح بھی کر سکتے ہیں کہ تجدد اعتقادی و اخلاقی اصولوں کو مادی عوامل کے سامنے جھکا دینا چاہتا ہے اور تجدید مادیت کے مقابلے میں روحانی قدروں کو غالب رکھنا چاہتی ہے۔ تجدد کا عنوان شرعی اصطلاح میں "بدعت " ہے۔ اور تجدید کی راہ "سنت " ہے"۔[2]

مجدد کی صفات اور کارِ تجدید:۔

ذیل میں ان صفات اور خوبیوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کی بناء پر کوئی شخص مجدد کہلانے کا مستحق ٹھہرتا ہے اور ان کارِ تجدید کا ذکر کیا جاتا ہے کہ ایک مجدد کن کن میدانوں میں اپنی خدمات سر انجام دیتا ہے۔

مولانا سیّد ابو الحسن علی ندویؒ اس ضمن میں بڑے بلیغ اور جامع انداز و اسلوب میں لکھتے ہیں:

"ہر وہ فرد جس نے اسلام کے کسی دور میں بھی منہاجِ خلافت پر حکومت قائم کی جاہلیت اور مادیت کا مقابلہ کیا۔ اللہ کی طرف دعوت دی۔ اسلام کے جو خصائص مٹ گئے تھے ان کو اجاگر کیا۔ امت میں ایمانی روح پیدا کی۔ جس سے اس دین پر اس کے مآخذ اور اسکی تعبیرات پر اعتماد کو از سرِ نو استوار کیا۔ نو وارد فلسفوں کا ابطال کیا۔ اسلام کی حقیقی فکر کی حفاظت کی

---

[1] تجدید و احیائے دین، ص: 35

[2] نعیم صدیقی، مولانا، معرکۂ دین و سیاست، ادارہ معارفِ اسلامی، لاہور، 1979ء، ص: 19

toobaafoundation.com

اور اس امت کو کسی نئے فتنے میں پڑنے سے باز رکھا۔ اس امت کیلئے اس دین کی حفاظت کی حدیث و فقہ کی تدوین و جدید کا کام انجام دیا اجتہاد کا دروازہ کھولا اور امت کو تشریح کا خزانہ عامرہ اور زندگی و معاشرہ کا منظم قانون عطا کیا۔ جس نے معاشرے میں احتساب کا فرض ادا کیا۔ اور اس کے انحراف اور کج روی پر کھل کر تنقید کی اور صحیح اور حقیقی اسلام کی برملا واشگار دعوت دی جس نے شکوک و شبہات کے دور اور اضطراب عقائد کے زمانے میں علمی طرزِ استدلال اختیار کر کے دماغوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی جس نے دعوت و تذکیر اور انذار و تبشیر میں انبیائے کرام کی نیابت کی اور ایمان کی دبی ہوئی چنگاریوں کو شعلہِ جوالہ کی حرارت و حرکت بخشی۔ جس نے مادہ پرستی کے تیز و تند دھارے کے سامنے کھڑے ہو کر اسکی تیزی اور بلاخیزی کم کی اور خدا کی مخلوق کو اس دھارے میں بہہ جانے یا اس میں دب جانے سے محفوظ رکھا۔ جس نے اس امت کی سیاسی قوت کی حفاظت کی اور اس کو پے درپے خارجی حملوں سے ٹکر لینے کی قوت عطا کی، جس نے اپنی حکیمانہ دعوت اور دامِ محبت سے اس دشمن کو شکار کیا، جو زورِ شمشیر اور نوکِ خنجر سے بھی زیر نہ ہو سکا، اور جس نے عالمِ اسلام کو اس سرے سے اس سرے تک زیر و زبر کر کے رکھ دیا تھا، جسنے اپنے طاقتور ایمان اور اپنی روحانی قوت سے ایسے دشمنوں کو خطیرۂ اسلام میں داخل کیا اور محمدِ عربی ﷺ کی غلامی کا شرف بخشا، جس نے اپنے طاقتور نثری ادب اور دلگداز و بلیغ اشعار سے ان ذہنوں کو اسیر دام کیا جو علمی مباحث اور مذھبی فلسفوں سے مطمئن ہونے والے نہ تھے۔"[1]

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے "کارِ تجدید" کے عنوان سے مندرجہ ذیل نکات ذکر کئے ہیں۔ کہ ایک مجدد کیلئے کارِ تجدید کے مختلف شعبے حسبِ ذیل ہیں:

"۱۔ اپنے ماحول کی صحیح تشخیص ۲۔ اصلاح کی تجویز ۳۔ خود اپنی حدود کا تعین ۴۔ ذہنی انقلاب کی کوشش ۵۔ عملی اصلاح کی کوشش ۶۔ اجتہاد فی الدین ۷۔ دفاعی جدوجہد ۸۔ احیائے نظامِ اسلام ۹۔ عالم گیر انقلاب کی کوشش

کامل مجدد صرف وہ شخص ہو سکتا ہے جو ان تمام شعبوں میں پورا کام انجام دے کر وراثت نبوت کا حق ادا کرے۔"[2]

تحریکِ متجددین کی سوچ، فکر اور ان کے مقاصد:۔

جب ہم متجددین کی سوچ اور فکر کو دیکھتے ہیں تو یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ یہ لوگ اہلِ مغرب سے متاثر ہیں اور اہلِ مغرب انھیں اپنے خاص مقاصد کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ متجددین مسلمانوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ تحریکِ متجددین سے تعلق رکھنے والوں کے پیشِ نظر سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ اسلام کو کسی نہ کسی طرح تہذیب جدید سے ہم آہنگ قرار دیا جائے۔ چونکہ یہ لوگ مغرب کے زیرِ اثر تھے اسلئے کہ وہ اپنے مذھب میں ہر چیز جو اہلِ مغرب کے نزدیک غلط یا نا قابلِ فہم تھی، اس کو بدلنے میں مصروف تھے یا اسکا انکار کر دیتے تھے۔ تاکہ اسلام پر کوئی اعتراض

[1] قاسم محمد، سید، اسلام کی احیائی تحریکیں اور عالم اسلام، الفیصل ناشران و تاجران کتب اردو بازار لاہور، 2012ء، ص: 19-20

[2] تجدید و احیائے دین، ص:37-38 ملخصاً

toobaafoundation.com

نہ ہو سکے خواہ اس کیلئے بنیادی تعلیمات سے ہی انحراف کیوں نہ کرنا پڑے۔ ان کے خیال کے مطابق اسلام زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا اسلئے وقت کے ساتھ اسمیں تبدیلی ناگزیر ہے۔ بقول مریم جمیلہ اس تحریک کا بڑا مقصد کچھ یوں ہے:

"The most sinister project of modernist movement is what they call " the reinterpretation of Islam in the light of modern thought,"Their risen song is that " Islam must change with the changing times," [1]

یعنی تجدد پسندوں کا سب سے اہم کام جس کی طرف وہ لوگوں کو دعوت بھی دیتے ہیں کہ جدید افکار کی روشنی میں تجدید نو ہونی چاہئے اور متجددین کا نعرہ یہ ہے کہ وقت کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اسلام کو بھی تبدیل ہونا چاہیئے۔

تجدد پسندوں کے رجحانات کے اسباب:۔

متجددین کے رجحانات کو مندرجہ ذیل نکات میں بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ دین سے انحراف ۲۔ خواہشِ نفس کی اقتداء ۳۔ عقل پر انحصار ۴۔ دنیوی مقاصد کا حصول ۵۔ مستشرقین کی خوشہ چینی ۶۔ برطانوی سامراج کی سازش۔ چنانچہ انگریزوں نے برِصغیر کے مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے جو سازشیں تیار کیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ مسلمانوں میں ایسے افراد تیار کئے جائیں جو دینی احکامات سے روگردانی کرکے نئے نئے فتنوں کا باعث بنیں۔ ان فتنوں میں سے جدت پسندی کا فتنہ زیادہ خطرناک ثابت ہوا جسے انگریزوں کی مکمل طور پر پشت پناہی حاصل تھی۔

اس حوالے سے مولانا عاشق الٰہی لکھتے ہیں:

"انگریزوں نے جب غیر منقسم ہندوستان میں حکومت کی بنیاد رکھی تو اس کے ساتھ ہی انھوں نے ایسے افراد بنائے جو اسلام کے مدعی ہوتے ہوئے اسلام سے منحرف ہوں، اس طرح کے لوگوں نے تفسیر کے نام سے کتابیں لکھیں، معجزات کا انکار کیا، آیاتِ قرآنیہ کی تحریف کی، بہت سے لوگوں کو انگلینڈ ڈگری لینے کیلئے بھیجا گیا، وہاں سے وہ گمراہی، الحاد اور زندیقیت لے کر آئے۔ اور مستشرقین نے ان کو اسلام سے منحرف کر دیا" [2]

---

[1] Maryam Jameelah, Islam and modernism, Muhammad yusuf khan, sant nagar, Lahore, 2nd edition, 1968, p47

[2] عاشق الٰہی، مولانا، فتنہ انکارِ حدیث اور اسکا پس منظر، ادارہ اسلامیات، لاہور، 1986ء، ص:7

toobaafoundation.com

متجددین کے بارے میں شاہ ولی اللہ کا قولِ فیصل:۔

ذیل میں زنادقہ اور متجددین کے بارے میں شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ کے مختصر اور عمدہ الفاظ ذکر کئے جاتے ہیں:

"والزنادقة يجيلون على الفهم الابتر لا يستطيعون التحقيق التام الذى قصده صاحب الملة ولا يقلدونه ولا يسلمونه فيما أخبر، فهم فى ريبهم يترددون على خوف من ملئهم، والناس ينكرون عليهم ويرونهم خارجين من الدين، خالعين ربقة الملة عن أعناقهم، واذا كان الأمر على ما ذكرنا من الانكار و قبح الحال فخروجهم لا يضر"[1]

ترجمہ: اور زندیق لوگ فطرۃً "فہمِ ناقص" رکھتے ہیں اور اس امر کی پوری تحقیق نہیں کر پاتے جو صاحبِ ملت کا مقصود ہوتا ہے، نہ وہ صاحبِ ملت کی تقلید کرتے ہیں، اور نہ ان امور کو تسلیم کرتے ہیں، جس کی خبر صاحبِ ملت نے دی ہے، چنانچہ وہ اپنے شکوک و شبہات میں سرگرداں رہتے ہیں۔ (اس لئے کھل کے انکارِ دین کی جرأت نہیں کرتے) اور لوگ ان کو برا جانتے ہیں اور دین سے خارج سمجھتے ہیں، اور جانتے ہیں کہ ان لوگوں نے مذہب کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکا ہے، اور جب ان کے انکار اور بدحالی کا معاملہ اس نقطہ پر پہنچا ہوا ہے جو ہم نے بیان کیا، تو ان لوگوں کا دین سے خارج ہو جانا قطعاً مضر نہیں۔

تجدیدِ دین سے متعلقہ حدیث اور محدثین کے نزدیک اس حدیث کی وضاحت:۔

امام ابوداؤدؒ نے اپنی "سنن" میں کتاب الملاحم کے شروع میں ایک حدیث ذکر کی ہے جس میں تجدیدِ دین کا ذکر ہے، ذیل میں اس حدیث کی سند اور متن ذکر کیا جاتا ہے۔

"حدثنا سليمان بن داؤد المهرى، حدثنا ابن وهب، أخبرنى سعيد بن أبى ايوب، عن شراحيل بن يزيد المعافرى، عن أبى علقمة، عن ابى هريرة، فيما اعلم۔ عن رسول اللهﷺ قال: ان الله يبعث لهذه الامة على رأس كل مئة سنة من يجدد لها دينها"[2]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ اس امت کیلئے ہر سوسال کے راس پر ایسے شخص کو بھیجے گا جو اس امت کیلئے اس کے دین کی تجدید کرے گا۔

---

[1] لدھیانوی، محمد یوسف، مولانا، دورِ حاضر کے تجدد پسندوں کے افکار، مکتبۃ لدھیانوی جامع مسجد فلاح فیڈرل بی ایریا، نصیر آباد، بلاک نمبر14، کراچی، 2000ء، ص:125

[2] السجستانی، سلیمان بن اشعث، ابوداؤد، السنن، کتاب الملاحم، باب مایذکر فی قرن المئۃ، رقم: 4291، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، س۔ن، ص: 602

toobaafoundation.com

حدیث کی وضاحت و تشریح:۔

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اس حدیث کی شرح میں " التعلیق الصبیح" میں لکھتے ہیں۔

"قال العلقمي: معنى التجديد إحياء ما اندرس من العمل بالكتاب والسنة والأمر بمقتضاها، واعلم ان المجدد: انما هو بغلبة الظن ممن عاصروه من العلماء بقرائن احواله والا نتفاع بعلمه، ولا يكون المجدد إلا عالما بالعلوم الدينية الظاهرة والباطنة ناصراً للسنة وقامعا للبدعة۔ وانما كان التجديد على رأس كل مئة سنة لإنخرام علماء المائة غالباً و اندراس السنن و ظهور البدع۔ فيحتاج حينئذٍ إلى تجديد الدين"[1]۔

یعنی امام علقمیؒ نے کہا کہ تجدید کا مطلب یہ ہے کہ کتاب اور سنت پر عمل کے اعتبار سے جو چیزیں مٹ چکی ہوں انکا احیاء کرنا اور ان پر عمل کرنے کا حکم دینا۔ اور مجدد کا علم اسکے ہم عصر علماء میں سے اس کے احوال کا اندازہ کرنے اور اسکے علم سے استفادہ کرنے کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ اور مجدد صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو دینِ اسلام کے ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے علوم کا عالم ہو اور وہ سنت کا مددگار اور بدعت کا ختم کرنے والا ہو۔ اور تجدید کا عمل ہر سو سال کے آخر میں ہونے کا مطلب غالباً اس صدی کے تمام علماء کو شامل کرنے کے لحاظ سے ہے اسکے ساتھ ساتھ سنتوں کا مٹ جانا اور بدعات کے ظہور کے اعتبار سے ہے۔ جو اس وقت دین کی تجدید کی ضرورت کا احساس دلاتے ہیں۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ "بذل المجهود" میں اس حدیث کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"ان الله يبعث لهذه الامة على رأس كل مئة سنة، أي انتهائه أو ابتدائه إذا قل العلم والسنة، وكثر الجهل والبدعة (من يجدد لها) أي لهذا الامة (دينها) أي يبين السنة من البدعة، و يكثر العلم، ويعز أهله، ويقمع البدعة، ويكسر اهلها۔۔۔ والا ظهر عندي۔ والله اعلم۔ أن المراد بمن يجدد ليس شخصا واحداً بل المراد به جماعة"[2]۔

یعنی "علیٰ راس کل مئة سنة" سے مراد اس صدی کی انتہا یا ابتدا میں جب حقیقی علم اور سنت کم ہو جائیگی اور جہالت و بدعات زیادہ ہو جائیگی اور (لھا) سے مراد اس امت کیلئے (دینھا) یعنی مجدد سنت کو بدعت سے واضح کرے گا۔ اور علم کو زیادہ کرے گا اور اہلِ علم کی عزت کرے گا اور بدعت و اہلِ بدعت کا قلع قمع کرے گا۔۔۔ اور مجدد سے مراد کوئی ایک متعین شخص مراد نہیں بلکہ اس سے ایک جماعت مراد ہے۔

---

[1]۔ کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، التعلیق الصبیح علی مشکوۃ المصابیح، دار الاحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، 2004ء، 1/242

[2]۔ سہارنپوری، خلیل احمد، مولانا، بذل المجھود فی حل سنن أبی داؤد، دار البشائر الاسلمیۃ، بیروت، لبنان، 2006ء، 12/335-336

toobaafoundation.com

مولانا عبد اللہ جاوید غازی پوری اپنی شرح مشکوۃ 'مظاہر حق جدید' محولا بالا حدیث کی تشریح اس انداز میں کرتے ہیں:

" اکثر علمانے اس حدیث سے یہ مفہوم مراد لیا ہے کہ ہر زمانہ میں امت کے اندر اپنے علم و فضل کے اعتبار سے سب میں ممتاز ایک ایسا شخص موجود ہوتا ہے جو دین کو نکھارتا ہے اور تجدید کرتا ہے جسے مجدد کہتے ہیں، مجدد اپنے زمانہ میں دین کے اندر ہر پیدا ہونے والی برائی اور خرابی کو دور کرتا ہے۔ بدعت اور رسم و رواج کے جو گہرے پردے دین کی حقیقت پر پڑ جاتے ہیں وہ اپنے علم و معرفت کی قوت سے انہیں چاک کرتا ہے۔ اور امت کے سامنے دین کو نکھار کر اور صاف ستھرا کرکے اس کی اپنی اصل شکل میں پیش کر دیتا ہے۔ چنانچہ بعض نے تعین بھی کیا ہے کہ فلاں صدی میں فلاں مجدد پیدا ہوا تھا، اور فلاں صدی میں فلاں مجدد موجود تھا۔ بعض علماء نے حدیث کے معنی کو عمومیت پر محمول کیا ہے، یعنی خواہ دین کی تجدید کرنے والا کوئی ایک شخص ہو، خواہ کوئی جماعت ہو جو دین میں پیدا کی گئی برائیوں اور خرابیوں کو ختم کرے۔[1]

مولانا شمس الحق عظیم آبادی اس حدیث کی ان الفاظ میں وضاحت کرتے ہیں:

"اذا المجدد للدین لا بد أن یکون عالما بالعلوم الدینیۃ الظاھرۃ والباطنۃ، ناصر السنۃ قاوعا للبدعۃ وان یعم علمہ اھل زمانہ"[2]

یعنی جو مجددِ دین ہو وہ دین کے ظاہری اور باطنی علوم کا عالم ہونا چاہیے، سنت کا مددگار ہو، بدعت کا قلع قمع کرنے والا ہو اور یہ کہ اس کا علم اپنے زمانے کے لوگوں کے لئے عام ہو۔

مزید یہ کہ اس حدیث کی روشنی میں مختلف سوالات اٹھائے ہیں مثلاً ۱۔ مجدد کون شخص ہو سکتا ہے؟ ۲۔ کسی ایک وقت میں ایک ہی مجدد ہو سکتا ہے یا مختلف ہو سکتے ہیں؟ ۳۔ کسی مجدد کا صدی کے شروع میں آنا ضروری ہے یا کوئی مجدد کسی صدی کے وسط اور آخر میں بھی آسکتا ہے؟ ۴۔ کیا کوئی شخص اپنے مجدد ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے یا نہیں؟ وغیرہ۔ اور محدثین نے اس ضمن میں پوری تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے اور ان سوالات کے جوابات بھی ذکر کئے ہیں۔

برِصغیر کے تناظر میں مجددینِ دین وتصوف:۔

ویسے تو نبی کریم کی گزشتہ حدیث تجدید کے مطابق اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام میں پیدا ہونے والی تحریفات وبدعات کا قلع قمع کرنے کیلئے ہر زمانے میں ایسے لوگ پیدا کئے جنھوں نے اپنے زمانے کے متجددین اور اہلِ بدعت لوگوں کا مقابلہ ڈٹ کر کیا اور دینِ اسلام کو از سرِ نو اپنی اصل شکل میں مصفیٰ و مشفی کرکے لوگوں کے سامنے پیش کیا اور مجددین نے اپنی ذمہ داری کو اس

---

[1] عبد اللہ جاوید، مولانا، غازی پوری، مظاہر حق جدید، (شرح مشکوۃ شریف)، دارالاشاعت، کراچی، 2004ء، 1/252-253

[2] عظیم آبادی، شمس الحق، مولانا، عون المعبود، دارالفکر، بیروت، لبنان، 1979ء، ص:391

toobaafoundation.com

ضمن میں اچھی طرح ادا کیا۔ جب ہم دینِ اسلام کے مختلف شعبوں، عقائد واعمال کو دیکھتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک میں اہلِ ہوس لوگوں نے اپنی من مرضی کر نیکی کوشش ہر زمانے میں جاری رکھی اور اس حوالے سے امت کے بعض حلقوں سے کچھ غلطیاں بھی ہوئی ہیں۔ اس طرح "تصوف وسلوک" کا شعبہ بھی غلطیوں سے محفوظ نہیں رہا ہے۔ لیکن اللہ کی طرف سے جس طرح علمائے ربانی ومجددین امت کے ذریعہ عقائد واعمال کی غلطیوں کی اصلاح ہوتی رہی ہے۔ اس طرح اس شعبہ 'احسان وتصوف' کے سلسلہ کی اغلاط کی اصلاح بھی اللہ تعالٰی کی طرف سے محققین صوفیا کے ذریعہ برابر ہوتی رہی ہے۔ اس طرح جب ہم برِصغیر کے خطہ کو دیکھتے ہیں تو اس خطے میں بھی اللہ نے ایسے مجددین پیدا کئے جنھوں نے اپنے اپنے زمانے میں تجدیدِ دین کی ذمہ داری کو ادا کیا۔ برِصغیر کے حوالے سے مولانا منظور احمد نعمانیؒ لکھتے ہیں: "خاص طور پر ان تین، چار صدیوں میں تصوف کی اصلاح وتجدید کا جو کام ہندوستان میں ہوا ہے، وہ تو دودھ اور پانی کو الگ الگ کرنے کا بہترین نمونہ ہے۔ امام ربانیؒ حضرت مجدد الفِ ثانیؒ اور ان کے فرزند وجانشین خواجہ محمد معصوم کے مکتوبات کے ضخیم ضخیم دفتر، پھر حضرت شاہ ولی اللہؒ اور حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ کی تصانیف اور ان کے مکاتیب۔ پھر حضرت شاہ اسماعیل شہید اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے ملفوظات وافادات، پھر خاص ہماری اس صدی میں حضرت مولانا گنگوہیؒ کے اس سلسلہ کے رسائل ومکاتیب اور سب سے آخر میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا تصنیف کیا ہوا اس سلسلہ کا ایک پورا کتب خانہ۔ ان کوششوں نے تصوف کو اتنا صاف وروشن اور ایسا بے غل وغش کر دیا ہے کہ اب اس راہ میں کسی کا گمراہ ہونا صرف اسکی بدقسمتی ہے"۔ [1]

اسمائے مجددینِ برِصغیر:۔

برِصغیر پاک وہند کے علماءِ ربانیین کو دینِ اسلام کی خدمت اور اسکی تجدید واصلاح میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ خاص طور پر جب تاریخی طور پر اس علاقے کو دیکھا جائے تو یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ گیارہویں صدی ہجری سے دینی قطبیت کا مرکز دوسرے اسلامی ملکوں سے برِصغیر پاک وہند منتقل ہو گیا۔ کیونکہ ان صدیوں میں جو ہستیاں اس خطہ میں نمایاں ہوئیں ان کی مثال دوسرے ملکوں میں نہیں ملتی۔

مثلاً۔

۱۔ گیارہویں صدی ہجری کے آغاز میں شیخ احمد سرہندیؒ (۹۷۱ھ۔۱۰۳۴ھ)

۲۔ بارہویں صدی کے وسط میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۱۴ھ۔۱۱۷۶ھ)

۳۔ تیرہویں صدی کے وسط میں شاہ اسماعیل شہیدؒ (۱۱۹۳ھ۔۱۲۴۶ھ)

---

[1] نعمانی، منظور احمد، مولانا، دین وشریعت، ادارہ اسلامیات، لاہور، 1995ء، ص: 233

toobaafoundation.com

۴۔اس طرح اس تیرہویں صدی میں سید احمد بریلوی شہیدؒ(۱۲۰۱ھ۔۱۲۴۶ھ)

۵۔اور چودہویں صدی میں مولانا اشرف علی تھانویؒ(۱۲۸۰ھ۔۱۳۶۲ھ)

ذیل میں ان کے تجدیدی کاموں کا مختصر تعارف کیا جاتا ہے۔

۱۔ شیخ احمد سرہندیؒ(مجددالفِ ثانیؒ)(۹۷۱ھ۔۱۰۳۴ھ)

ولادت:

حضرت مجدد الفِ ثانی پنجاب کے شہر " سرہند" میں ۱۴شوال ۹۷۱ھ بمطابق 26جون 1563ء میں پیدا ہوئے۔[1] والدنے آپ کا نام 'احمد' رکھا لقب بدرالدین مشہور ہوا اور کنیت ابوالبرکات تھی۔ انکا نسب اٹھائیسویں پشت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔

وفات:۔

آپ ۲۹صفر ۱۰۳۴ھ بمطابق 1624ء بروز دوشنبہ صبح کے وقت وفات پاگئے۔[2]

مجدد الفِ ثانی کے خصائص کے بارے میں مولانا منظور احمد نعمانی لکھتے ہیں:

" شریعت کی پابندی، سنت کی پیروی، بدعات سے اجتناب اور عزیمت پر عمل کرنا شیخ احمد سرہندیؒ کے خصائص حمیدہ ہیں"۔[3]

مجدد الفِ ثانی نے جب اپنے وقت کے حالات کا بغور مطالعہ کیا اور اسکا جائزہ لیا کہ اس دور میں جو فتنے برپا ہیں ان کے سرچشمے کون سے ہیں؟ تو انھوں نے دیکھا کہ اصولی طور پر تین راستے ہیں، جن سے گمراہیوں اور تباہیوں کے سیلاب آرہے ہیں۔

۱۔ اربابِ حکومت، جن کو حالات و اتفاقات کی ایک خاص رفتار اور سیاسی وقار کے ایک غلط تصور اور غلط توقعات نے اسلامیت سے بیگانہ اور لامذہبیت سے آشنا بنادیا ہے۔

---

[1] چشتی، یوسف سلیم، پروفیسر، انوارِ مجددی، عشرت پبلشنگ ھاؤس، 1961ص 13؛ محمد حلیم، مجدد اعظم، شعاعِ ادب، لاہور، 1963ء، ص:16

[2] محمد اکرام، شیخ، رودِ کوثر، مکتبہ جدید پریس، لاہور، 1997ء، ص: 541

[3] نعمانی، منظور احمد، مولانا، تذکرہِ مجدد الفِ ثانی، دارالاشاعت، کراچی، 1977ء، ص:226

toobaafoundation.com

۲۔ دوسرے وہ علمائے سوء، جن کا مطمعِ نظر صرف اچھی طرح دنیا کمانا، اربابِ اقتدار اور امراءِ وقت کی خوشنودی اور رضا جوئی

میں ساعی رہنا، اور ان کی خاطر ہر منکر کو معروف بنا دینا اور اپنی خواہشاتِ نفس کی تکمیل کیلئے اسلام میں گنجائش پیدا کرنا ہوتا ہے۔

۳۔ تیسرے وہ گمراہ اور غلط صوفی جو شریعت کو" ظاہر پرستوں "کا کھلونا سمجھتے ہیں، اور" طریقت و حقیقت" کے مقدس ناموں سے انھوں نے اپنی ایک الگ دنیا بنا رکھی ہے، اور جس میں عارف کامل بننے کے باوجود ہر گناہ اور لذت نفسی کے ہر طریقے کے لئے پوری گنجائش ہے۔ یہ تھے فتنوں کے تین سرچشمے جن میں ہر ایک کا دوسرے سے اتصال تھا۔[1]

مجدد الفِ ثانیؒ نے ان تینوں فتنوں کے سرچشموں کو روکنے کی بھرپور کوشش کی اور اس میدان میں تجدیدی خدمت سر انجام دی۔

نفاذِ شریعت کیلئے جدوجہد:۔

مجدد الفِ ثانی کے دور میں" شریعت و طریقت" کی ابحاث زوروں پر تھیں، جاہلانہ تصوف نے ان دونوں میں تفریق پیدا کر دی تھی۔ یہ خیال عام ہونے لگا تھا کہ شریعت کی اتباع" سلوک و طریقت "کے ہر پیرو کیلئے ضروری نہیں ہے۔ حضرت مجددؒ نے اس گمراہ کن نظریہ پر کاری ضرب لگائی اور اس خیال کا خلافِ شرع ہونا ثابت کیا۔ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

"مرشد یا پیرِ طریقت وہ ہے جو مرید کو انابت الی اللہ کی ترغیب دے اور اس تک پہنچنے کا راستہ دکھائے۔ شریعت کا مقصود یہ ہے کہ نفس امارہ کی خواہشات مغلوب ہو جائیں۔ لہٰذا جو شخص اپنے نفس کو مغلوب کرنے کا خواہاں ہے اس کیلئے ضروری ہے کہ شریعت کی پابندی کرے، جو شخص جس قدر شریعت کی پابندی کرے گا اس قدر خواہشاتِ نفس سے دور ہوتا جائے گا، کیونکہ نفس پر اتباعِ شریعت سے بڑھ کر کوئی چیز گراں نہیں ہوتی۔ جو ریاضتیں اور مجاھدے اتباعِ شریعت کے مطابق نہیں ہیں وہ نہ قابلِ اعتبار اور نہ مفید ہیں۔"[2]

وحدت الوجود کی تردید:۔

نظریہ وحدت الوجود کی تردید کرتے ہوئے حضرت مجددؒ نے لکھا ہے:

---

[1] تذکرہ مجدد الفِ ثانیؒ، ص:138

[2] آباد شاہ پوری، حضرت مجدد کے سیاسی مکتوبات، مکتبہ چراغِ اسلام، لاہور، 1977ء، ص:147

toobaafoundation.com

کہ اللہ کسی بھی چیز سے متحد نہیں ہو سکتا۔

"حضرت مجددؒ کا استقلال روحانی تین مراتب سے گزر کر وحدت الوجود کی نفی پر منحصر ہوتا ہے۔ پہلے مرحلے پر وحدت الوجود کا شعور، دوسرے درجے پر ظلمت اور تیسرے درجے پر عبدیت کا احساس، اور عبدیت تک پہنچ کر یہ بات یقین میں بدل جاتی ہے کہ رب کا وجود الگ ہے اور بندے کا وجود الگ، انکے اس مؤقف کو وحدت الشہود کے نام سے یاد کیا جاتا ہے"۔[1]

مجددالفِ ثانیؒ کی تصنیفات:۔

۱۔ مکتوباتِ شریفہ دفتر اول ۲۔ مکتوباتِ شریفہ دفتر دوم (اس دفتر کو آپکے خلیفہ حضرت عبدالحیی حصاری شادمانیؒ نے مرتب فرمایا) ۳۔ اثبات النبوۃ (یہ رسالہ عربی میں ہے) ۴۔ ردِروافض (یہ رسالہ فارسی میں ہے) ۵۔ رسالہ تہلیلیہ (یہ رسالہ عربی زبان میں کلمہِ طیبہ سے متعلق تحقیقات پر مشتمل ہے) ۶۔ شرحِ رباعیات (یہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی رباعیات کی شرح ہے۔ جو مجدد الفِ ثانی نے کی ہے) ۷۔ معارف لدنیہ (یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے مجدد الفِ ثانی کے معارفِ خاصہ اور سلوک وطریقت کے اہم مباحث پر ہے۔ ۸۔ مبدا ومعاد (یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے) ۹۔ مکاشفاتِ عینیہ (اس مجموعہ کو حضرت کے وصال کے بعد خواجہ محمد معصومؒ نے ۱۰۵۱ء میں مرتب فرمایا)۔[2]

مجددالفِ ثانیؒ کے تجدیدی کارنامے:۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، 'مجدد الفِ ثانیؒ کے تجدیدی کارناموں کے حوالے سے لوگوں کے تین گروہوں کا ذکر کرتے ہیں جن کے نزدیک وہ اپنے تجدیدی کارناموں کی بناء پر مجدد کہلانے کے مستحق ہیں۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ وہ اس لئے مجدد الفِ ثانیؒ کہلانے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ہندوستان کو اسلام کے لئے دوبارہ بازیاب کیا۔ اور اس کو برہمنیت یا وحدتِ ادیان کی گود میں جانے سے بچا کر دوبارہ محمد عربی ﷺ اور دینِ حجازی کی تولیت ونگرانی میں دیا۔ دوسرے گروہ کے نزدیک ان کا اصلی تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے طریقت پر شریعت کی فوقیت وبالادستی کو ایسے پر اعتماد، مبصرانہ وتجربہ کارانہ اور اس قوت ووضاحت کے ساتھ بیان کیا جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا اور اس سے طریقت کا شریعت کے تابع بلکہ خادم ہونا روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا، تیسرا گروہ وہ ہے جو ان کا اصل تجدیدی کارنامہ یہ

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، 14/132

[2] شاہ، زوار حسین، سید، مولانا، حضرت مجدد الف ثانیؒ، ادارہ مجددیہ، ناظم آباد، کراچی، ص: 678-682

toobaafoundation.com

سمجھتا ہے کہ انہوں نے وحدت الوجود کے عقیدہ و نظریہ پر وہ کاری ضرب لگائی جو اس سے پہلے کسی نے نہیں لگائی تھی اور پھر اسکے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا۔[1]

ان گروہوں کا تجزیہ کرنے کے بعد مولانا ندویؒ نے انکے تمام تجدیدی کارناموں کا ایک مرکزی نقطہ تلاش کیا ہے۔ اور اسی کے اندر تمام کارناموں کو سمو دیا ہے، لکھتے ہیں:

"حقیقت میں ان کا اصل کارنامہ جس کے جلو میں ان کے سارے تجدیدی کارنامے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں اور ان کی تجدید کا اصل سرچشمہ جس کے اندر انکے تمام انقلابی و اصلاحی کاموں کے چشمے پھوٹتے ہیں اور دریا بن کر سارے عالمِ اسلام میں رواں دواں ہو جاتے ہیں وہ نبوتِ محمدیؐ اور اسکی ابدیت و ضرورت پر امت کا اعتماد بحال کرنے اور مستحکم کرنے کا وہ تجدیدی و انقلابی کارنامہ ہے جو ان سے پہلے اس تفصیل و وضاحت و قوت کے ساتھ ہمارے علم میں کسی مجدد نے انجام نہیں دیا"۔[2]

۲۔ شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ:۔ (۱۱۱۴ھ۔۱۱۷۶ھ)

پیدائش:

آپکی پیدائش چہار شنبہ کے دن چار شوال ۱۱۱۴ھ (بمطابق ۲۱ فروری ۱۷۰۳ء[3]) طلوعِ آفتاب کے وقت اپنے ننہال قصبہ پھلت (حال ضلع مظفر نگر) میں ہوئی[4] آپ کا نام ولی اللہ آپکے والد نے رکھا[5] جبکہ قطب الدین بختیار کاکی نے بشارت میں آپ کے والد کو آپ کا نام قطب الدین بتایا تھا۔ آپ کا تاریخی نام عظیم الدین ہے۔[6]

وفات:

---

[1] ندوی، ابوالحسن علی، سید، تاریخ دعوت و عزیمت، مجلسِ تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ، 1980ء، 4/187-188

[2] تاریخ دعوت و عزیمت، 4/90-192 ملخصاً

[3] عبدالصمد صارم، سوانح شاہ ولی اللہ، ایم ثناءاللہ خان اینڈ سنز، پبلشرز، لاہور، 1967ء، ص:3؛ رحیم بخش دہلوی، مولانا، حافظ، حیات ولی اللہ، مکتبہ طیبہ، بلال گنج لاہور، 1955ء، ص:367

[4] تاریخ دعوت و عزیمت، 5/97

[5] غلام حسین، شاہ ولی اللہ کی تعلیم، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدر آباد، 1963ء، ص:1

[6] رحمٰن علی، مولوی، تذکرہ علمائے ھند، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی، 1961ء، ص: 544

toobaafoundation.com

"شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ نے محرم کی آخری تاریخ ۱۱۷۶ھ بمطابق ۲۱ اگست ۱۷۶۲ء کو مختصر علالت کے بعد باسٹھ سال کی عمر میں اس دارِ فانی کو خیر باد کہا اور جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔[1]

شاہ ولی اللہ کی اصلاحِ معاشرہ میں خدمات:۔

شیخ احمد سرھندیؒ کے بعد برِ صغیر کی تاریخ میں شاہ ولی اللہ جیسی عظیم ہستی پیدا ہوئی۔ آپ نے سیاسی معاشرتی اور تعلیمی میدانوں میں تجدیدی افکار کی بنیاد ڈالی۔ آپ کے دور میں مسلمانوں میں شیعہ سُنی اختلافات کافی حد تک بڑھ گئے تھے۔ آپ نے انکے ازالہ کیلئے "ازالۃ الخفاء" نامی کتاب لکھی۔ اسطرح انھوں نے دینی تعلیم میں علمِ حدیث کو بنیادی اہمیت عطا کی۔ آپ نے معاشرتی زوال کی بنیادیں معاشی زوال میں تلاش کیں۔ یوں مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ کیلئے ایک ٹھوس فکری بنیاد فراہم کی۔[2]

شاہ ولی اللہ کی تصنیفی خدمات:۔

شاہ ولی اللہ دھلویؒ نے بہت ساری کُتب تصنیف کیں ہیں لیکن ذیل میں ان کی صرف تصوف کے متعلقہ کُتب دی جا رہی ہیں۔

1. القول الجمیل (عربی)
2. فیوض الحرمین (عربی)
3. الخیر الکثیر (عربی)
4. البدور البازغہ (عربی)
5. التفہیمات الالہیۃ مع مکتوباتِ مدنی (عربی و فارسی)
6. مراجع شرح حزب البحر (فارسی)
7. کشف الغین فی شرح الرباعتین (فارسی)
8. شفاء القلوب (فارسی)
9. الطاف القُدس (فارسی)
10. سطعات (فارسی)
11. ہمعات (فارسی)
12. لمعات (فارسی)

[1] تاریخ دعوت وعزیمت، 5/118

[2] محمد عمر، ڈاکٹر، مسلمانوں پر ہندوستانی تہذیب کا اثر، پاک اکیڈمی، کراچی، 1992ء، ص: 23

toobaafoundation.com

13. الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ واسانید وارثی رسول اللہ ﷺ (فارسی)[1]

شاہ ولی اللہ کے تجدیدی کارنامے:۔

شاہ ولی اللہ کی تجدیدی کاوشوں کے متعلق مولانا عمید الزماں قاسمی کیرانوی اپنے ایک مقالے میں لکھتے ہیں:

" شاہ صاحب کے اس تجدیدی رخ کے متعدد پہلو ہیں، وہ برِ صغیرِ ہند میں فہم قرآن کے بند دروازے کو کھولنے والے بھی ہیں اور حدیث و سنت کی اشاعت اور اسکی تعلیم و تدریس کو عام کرنے والے بھی، مختلف مکاتبِ فقہ میں شاہراہ اعتدال تلاش کرنے والے بھی اور جدید علمِ کلام کے بنیاد گزار بھی، تصوف و روحانیت کی باطل شکل کو آشکارا کرکے 'احسان' کی اسلامی شکل کو دنیا کے سامنے رکھنے رالے بھی ہیں۔ علمِ اسرارِ شریعت کے بانی بھی اور فلسفہ تشریح کے نکتہ داں بھی۔ غرضیکہ وہ تمام صفات و خصوصیات شاہ صاحب کی ذات میں جمع ہوگئی تھیں جو کسی عہد کے نقیب و مجددین میں ہوا کرتی ہیں۔[2]

"مولانا علی میاں' نے شاہ صاحب کے تجدیدی کارناموں کو بالتفصیل ذکر کرنے سے پہلے اپنی مشہور کتاب ' تاریخِ دعوت و عزیمت' میں بالاختصار اس طرح ذکر کیا ہے:

1. اصلاحِ عقائد و دعوت الی القرآن
2. حدیث و سنت کی اشاعت و ترویج اور فقہ و حدیث میں تطبیق کی دعوت و سعی
3. شریعتِ اسلامی کی مربوط و مدلل ترجمانی اور اسرار و مقاصدِ حدیث و سنت کی نقاب کشائی
4. اسلام میں خلافت کے منصب کی تشریح، خلافتِ راشدہ کے خصائص اور اس کا اثبات اور ردِ رفض۔
5. سیاسی انتشار اور حکومتِ مغلیہ کے دور احتضار میں شاہ صاحب کا مجاہدانہ اور قائدانہ کردار
6. امت کے مختلف طبقات کا احتساب اور انکو دعوتِ اصلاح و انقلاب
7. علمائے راسخین اور مردانِ کار کی تعلیم و تربیت جو ان کے بعد اصلاحِ امت اور اشاعتِ دین کا کام جاری رکھیں۔[3]

۳۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ (۱۱۹۳ھ۔۱۲۴۶ھ)

پیدائش ووفات:

---

[1] حیاتِ ولی اللہ، ص: 445

[2] قاسمی، عطاء الرحمن، مولانا، امام شاہ ولی اللہ اور انکے افکار و نظریات، شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، 2004ء، ص: 95

[3] تاریخِ دعوت و عزیمت، 5/131

toobaafoundation.com

"شاہ اسماعیل شہید ۱۱۹۳ھ / ۱۷۷۹ء میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴۶ھ /۱۸۳۱ء میں شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔"[1]

شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید نے شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ کے کام کو آگے بڑھایا اور تجدید دین اور جہاد فی الاسلام کے حوالے سے اپنی اپنی ذمہ داری کو احسن طریقے سے سرانجام دیا۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے انکے تجدیدی کارناموں کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

1. انھوں نے عامۃ الناس کے دین، اخلاق اور معاملات کی اصلاح کی
2. انھوں نے بھرپور طریقے سے جہاد کی تیاری کی اور جہاد کے اسلامی اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے عملی جہاد کیا۔
3. جس علاقے میں ان کو حکومت کرنے کا موقع ملا وہاں اسلامی حکومت قائم کی۔[2]

۴۔ سید احمد بریلویؒ: (۱۲۰۱ھ۔ ۱۲۴۶ھ)

ولادت:

مخزن احمدی "سید احمد شہید" کے ابتدائی حالات کے متعلق مستند ترین ماخذ ہے۔ اس کتاب میں ان کی پیدائش کے حوالے سے لکھا ہے۔

"ولادت باسعادت حضرت سید المجاھدین در شہر صفر بعد گزشتن یک ہزار و دوصد سال در سن اول قرن ثالث عشر از ہجرت خیر البشر نبی الامیؐ در قصبہ رائے بریلی سرکار مانک پور مضافات صوبہ الہ آباد واقع کردید"[3]

ترجمہ: ہجرت نبویؐ پر بارہ صدیاں گزر چکی تھیں، تیرھویں صدی کا پہلا سال شروع ہو چکا تھا، اسی سال حضرت سید المجاھدین کی ولادت باسعادت، صفر کے مہینے میں قصبہ رائے بریلی میں ہوئی، جو سرکار مانک پور اور صوبہ الہ آباد میں شامل تھا۔

شہادت:۔ سید نفیس الحسن حسینیؒ لکھتے ہیں:

[1] تجدید واحیائے دین، ص: 84

[2] تجدید و احیائے دین، ص: 84-86 ملخصاً

[3] محمد علی، سید، مخزن احمدی، مطبع مفید عام آگرہ، س،ن، ص:16

toobaafoundation.com

"حضرت سید احمد شہید اور انکی جماعت مجاھدین نے بالا کوٹ کے مقام پر ۲۴ ذیقعد ۱۲۴۶ھ کو رنجیت سنگھ کی فوج سے لڑتے ہوئے میدان جنگ میں جامِ شہادت نوش فرمایا"۔[1]

سید احمد شہیدؒ کی تحریکِ اصلاحِ معاشرہ:۔

"ہندوستان میں جب مغلیہ حکومت کا دورِ اقتدار زوال کی طرف مائل تھا۔اس وقت مسلمانوں میں معاشرتی اور مذہبی زوال بھی روز بروز بڑھتا جارہا تھا۔ اس صورتِ حال کے بارے میں سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں: " ان کی معاشرت اس قدر خراب ہوگئی تھی کہ مؤرخ کا قلم بھی اس کی تصویر کھینچتے ہوئے شرماتا ہے۔فسق و معصیت انکے آداب و تہذیب میں داخل ہو کر معاشرت کا جزو بن گئی تھیں، ہندووں اور شیعوں کی اکثر رسوم مسلمانوں کی معاشرت کا جزو بن گئی تھیں اور ان سے مشکل سے کوئی گھر خالی تھا، انکی پابندی قرآن و حدیث اور اسلامی فرائض سے زیادہ کی جاتی تھی۔ شرک و بدعت اور اسراف و جہالت انکے اجزائے ترکیبی تھے، شراب نوشی کی لت بھی پائی جاتی تھی۔ نشہ آور چیزوں کا استعمال بھی تھا، جس سے اخلاق کے ساتھ قوائے عقلیہ اور صحت بھی خراب ہو رہی تھی۔"[2]

بدعات کا خاتمہ:

شہیدؒ کی کتاب 'صراطِ مستقیم' کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انکے زمانے کے مسلمانوں میں تین قسم کی بدعات عام تھیں

1. وہ بدعتیں جو نام نہاد صوفیوں کے مشرکین و ملحدین کے ساتھ اختلاط کے باعث عوام میں رائج ہو گئیں تھیں، مثلاً شرع کی مخالفت، ملحدانہ کلام، شرک آمیز اشغالِ قبیحہ، خدا اور رسول کے متعلق بے ادبانہ کلمات کا صدور اور مسئلہ تقدیر میں غیر ضروری بحث و جدال۔
2. وہ بدعتیں جو اصحابِ قبور و مشائخ کے متعلق تھیں، مثلاً مرشد کی تعظیم میں افراط و مبالغہ، قبروں پر جا کر سجدے کرنا اور مرادیں مانگنا اور اولیاء اللہ کی نذرونیاز وغیرہ
3. وہ بدعتیں اور قباحتیں جو اہلِ سنت نے شیعوں سے اخذ کر لی تھی مثلاً عزاداری، تعزیہ سازی، اور عقیدہِ تفضل علیؓ وغیرہ۔

معاشرتی طور پر ان میں جو خرابیاں رواج پا چکی تھی وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1. ممانعتِ نکاحِ بیوگان، حقِ وراثت سے انکی محرومی۔

---

[1] نفیس الحسن، سید، سید احمد شہیدؒ سے حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی کے روحانی رشتے، سید احمد شہید اکیڈمی نفیس منزل، لاہور، 2003، ص:36

[2] ندوی، ابوالحسن علی، سید، مولانا، سیرت سید احمد شہیدؒ، آداب منزل، کراچی، 1987ء، ص: 69۔71

toobaafoundation.com

2. شادی بیاہ اور ختنہ وغیرہ کی رسمیں جو نہ صرف اخلاق و معاشرت کو تباہ کر رہی تھیں بلکہ ان سے معاشی زندگی بھی مفلوج ہو رہی تھی۔
3. تجہیز و تکفین کی رسمیں،
4. چالیسویں تیجے وغیرہ کی رسمیں۔
5. چنانچہ سید احمد شہیدؒ نے ان معاشرتی رسوم و رواج کے خلاف آواز اٹھائی اور مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا، اور ان بدعات و رسوم و رواج کو ختم کرنے کیلئے سب سے پہلے اپنا اور اپنی جماعت کا نمونہ پیش کیا، اور سب سے پہلے خود اپنے اہلِ خانہ کو ترغیب دیکر نکاحِ بیوگان پر راضی کیا اور خود اپنی بیوہ بھاوج سے نکاح کیا۔[1]

چنانچہ آپ کی سحر انگیز شخصیت نے مسلمانانِ ہند کو رسوم و رواج کے بندھن سے آزاد کرایا۔ ہزاروں لوگ آپ سے بیعت ہوئے اور تائب ہو کر شرعی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے لگے۔[2]

مولانا علی میاں کے بقول آپ کے تجدیدی کارنامے مندرجہ ذیل ہیں:

1. اسلام کی طرف رجوعِ عام
2. شرک و بدعت کا استیصال
3. بعض مردہ سنتوں اور غیر مروج فرائض کا احیاء
4. جماعت کی سیرت و اخلاق
5. تزکیہ و اصلاحِ باطن وغیرہ[3]

۵۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۲۸۰ھ۔۱۳۶۲ھ)

مولانا تھانویؒ کی دینی خدمات ویسے تو دینِ اسلام کے ہر میدان میں ہیں لیکن خاص کر جو انکی دینی خدمت ہے وہ "تصوف و سلوک" کی تجدید و اصلاح ہے۔ اور مولانا تھانوی نے بارہا تصوف کے میدان میں اپنی تجدید اور کاوشوں کا اظہار کیا اور ان کے معاصرین نے بھی اس میدان میں مولانا تھانویؒ کے مجدد ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس بات پر تفصیلی بات تو آئندہ ابواب میں مولانا تھانویؒ کے تصوف کے میدان میں علمی اور عملی کام کے حوالے سے ہو گی لیکن ذیل میں چند علمائے

---

[1] محمد اکرام، شیخ، موجِ کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور، 2000ء، ص: 16-20 ملخصاً

[2] طفیل احمد، منگلوری، مسلمانوں کا روشن مستقبل، حماد الکتب، شیش محل روڈ، لاہور، 1945ء، ص: 129

[3] تاریخ دعوت و عزیمت، 2/525-545 ملخصاً

toobaafoundation.com

کرام کے اقوال اور ان کی اپنی بات ذکر کی جاتی ہے۔ جس سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ مولانا تھانویؒ تصوف کے میدان میں مجدد ہیں۔

مولانا عبدالباری ندویؒ تجدید جامع المجددین میں مولانا تھانویؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"چودھویں صدی کے بزرگوں میں مولانا تھانوی کی ایک خاص ممتاز حیثیت ہے۔ علومِ ظاہر و باطن کی یکجائی اور تمام کمالاتِ علمی کا ان میں اجتماع، ایک طرف فقہ و فتاوی کی سند نشینی، دوسری طرف تصنیف و تالیف و تحریر اور وعظ و تقریر سے ہدایتِ خلق، ردِبدعات، دفعِ شبہات، ابطال رسوم اور تیسری طرف اپنے انفاسِ قدسیہ سے باطنی فیوض و برکات کا اجراء اور اسلام کے عقائد و اعمال کو زمانہ کے تہ بہ تہ ظلمات کے گرد و غبار سے پاک کرنا ایسے اوصاف ہیں جن کا اجتماع ان کے محبین اور معتقدین کے خیال میں اس درجہ پر ہے کہ وہ منصبِ تجدید کی حد تک پہنچتا ہے" اس طرح ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مجددِ وقت ہیں، فرمایا کہ چونکہ نفی کی بھی کوئی دلیل نہیں اس لئے اسکا احتمال مجھ کو بھی ہے، مگر اس سے زائد جزم نہ کرنا چاہئے، محض ظن ہے اور یقینی تعین تو کسی مجدد کا نہیں۔[1]

ڈاکٹر علامہ خالد محمود اس حوالے سے 'آثار الاحسان فی سیر السلوک والعرفان' میں لکھتے ہیں:

" مولانا تھانویؒ نے چودھویں صدی میں مصنوعی صوفیوں کے فریب کا پردہ چاک کر کے اس فن کی از سرِ نو تدوین کی۔۔۔ اور اس فن کو اس دور میں اتنا نکھارا کہ یہ علومِ اسلامی میں فنِ تفسیر، فنِ شرح حدیث اور فنِ فقہ کی طرح ایک مستقل فن بن گیا۔[2]

خلاصہ بحث:۔

اللہ تعالیٰ کا اصول ہے کہ وہ ہر صدی میں ایک مجدد کو بھیجتا ہے جو دین اسلام کی تجدید کرتا ہے۔ خطہ برصغیر میں بھی مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ وغیرہ کی صورت میں مجددین نے اپنے اپنے ادوار میں دین اسلام کی تجدید کی۔ چودہویں صدی ہجری میں مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تصوف کی تجدید میں اہم کردار ادا کیا۔

[1] ندوی، عبدالباری، مولانا، تجدید جامع المجددین، ادارہ اسلامیات، لاہور، س۔ن، ص:27-28

[2] خالد محمود، ڈاکٹر، علامہ، آثار الاحسان فی سیر السلوک والعرفان، محمود پبلی کیشنز، اسلامک ٹرسٹ، جامعہ ملیہ اسلامیہ، محمود کالونی، لاہور، 2006ء، ص:37

toobaafoundation.com

فصل سوم

تاریخ تصوف اور سلاسل ہائے تصوف کا مطالعہ

toobaafoundation.com

فصل سوم: تاریخِ تصوف اور سلاسل ہائے تصوف کا مطالعہ

تصوف کے آغاز اور ارتقاء کے بارے میں جب کتبِ تصوف اور صوفیاء اور محققین کے اقوال کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو تصوف کے آغاز اور ارتقاء کے حوالے سے بنیادی طور پر دو نقطہ ء نظر سامنے آتے ہیں ایک نقطہ نظر کے مطابق تصوف کا آغاز عہدِ رسالت مآب ﷺ سے ہو گیا تھا۔ چنانچہ پہلے صوفی اور معلم تصوف نبی اکرم ﷺ تھے۔ اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے چند صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے تھے جو خاص طور پر اس میدان میں منفرد تھے۔

جبکہ دوسرے نقطہ نظر کے مطابق تصوف کا آغاز ابتداءِ اسلام میں نہیں ہوا تھا بلکہ بعد میں اس کا رواج ہوا اور اس کی ترقی اور ارتقاء وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہوتا رہا ہے۔

تصوف کے آغاز کے بارے میں دو نقطہ ہائے نظر:۔

پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی کے بقول اس ضمن میں دو نقطہ نظر ملتے ہیں:

1۔روایتی 2۔ تحقیقی

پھر ان کے علمبرداروں میں اتنا جوہری اختلاف ہے کہ اس کی وجہ سے اکثر و بیشتر حقیقت کھو جاتی ہے۔

1. روایتی نقطہِ نظر:۔

اس نقطہ نظر کے مطابق نبی اکرمؐ نے خود تصوف کی بنیاد ڈالی اور اس کے اعمال و اشغال کی تشکیل کی۔ مثلاً اس نقطہ نظر کے مطابق غارِ حرا میں نبی اکرمؐ کی عبادت و خلوت کو تصوف کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح بیعت، خرقہ، شب گزاری، ذکر و فکر اور دیگر ذکر و اشغال کو نبوی سنتوں سے استناد کیا ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے یہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو خاص علمِ طریقت عطا کیا۔ ان حضرات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ ان حضرات سے یہ علمِ تصوف حسن بصریؒ کو ملا اور ان کے بعد کی نسلوں کے نصیب آیا۔[1]

---

[1] صدیقی، یٰسین مظہر، پروفیسر، تصوف کی اجمالی تاریخ، الاحسان (کتابی سلسلہ)، شاہ صفی اکیڈمی، الہ آباد (یوپی۔انڈیا)، شمارہ نمبر: 2، مارچ 2011ء، ص: 70؛ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، 6/419؛ ایضاً، 6/429

toobaafoundation.com

2. تحقیقی نقطہ نظر:۔

اس گروہ میں محققین شامل ہیں۔ یہ روایتی نظر سے متفق نہیں ہیں۔ اگر چہ یہ گروہ تصوف کی استنادی حیثیت کو مانتا ہے لیکن تصوف کی ابتداء کے بارے میں اختلاف رکھتا ہے۔ پھر اس تحقیقی نقطہ نظر میں شامل محققین دو گروہوں میں منقسم ہیں۔

1۔ محققین، محدثین اور علماء

2۔ وہ صوفیاء کرام جو علمِ طریقت و تصوف کے سلاطین سمجھے جاتے ہیں اور دین و تاریخ کے ماہرین بھی ہیں۔

آغاز تصوف کے بارے میں امام قشیریؒ کا موقف:۔

امام قشیریؒ تاریخ تصوف اور علم تصوف کے ایک عظیم شارح ہیں۔ یہ اپنے مشہورِ زمانہ رسالہ ”الرسالۃ القشیریۃ“ میں تصوف کے آغاز و ارتقاء کے بارے میں لکھتے ہیں:

”فقد جعل اللہ هذه الطائفة صفوة اولیاءه، وفضلهم علی الکافة من عباده، بعد رسله و انبیائه، صلوات اللہ و سلامه علیهم، وجعل قلوبهم معاون اسرأره، واختصهم من بین الأمة بطوالع أنواره۔ فهم الغیاث للخلق، والدائرون فی عموم أموالهم مع الحق بالحق۔۔۔ورکضوا فی میدان الغفلات ورکنوا إلیٰ اتباع الشهوات وقلة المبالاة بتعاطی المحظورات“[1]

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اور اس کے بعد دین و سماج کے مسلم اکابر کا سب سے بڑا امتیاز ان کی صحابیت تھی اور وہ صحابی کہلاتے تھے۔ اس کے علاوہ کسی اور خاص نام سے وہ موسوم ہوئے اور نہ ہو سکتے تھے، کہ صحابیت سے بڑھ کر اور کوئی فضلیت نہ تھی۔ اس کے سامنے سب ہیچ تھا۔ دوسرے دور میں صحابہ کرام کے شاگردوں اور ان کے دیکھنے اور ملنے والوں کا نام تابعین تھا کہ وہ صحابہ کرام کی روئیت و صحبت سے مشرف ہوئے تھے۔ تیسرے دور میں تابعین کے تربیت یافتہ اور معاصرین تبع تابعین کے لقب سے جانے جاتے تھے۔ اور یہی تین خیر القرون کی حدیث کا مطلب ہیں۔ اس کے بعد اکابر و خواص امت کا تعارف مختلف طریقوں اور ناموں سے ہونے لگا اور ان کے مراتب واشغال جدا جدا ہو گئے۔ وہ خاص بزرگ جو معاشرہ اور خاص کر خلافت و ریاست کے معاملات سے کٹ کے صرف عبادت میں لگ گئے ’زہاد و عباد‘ کہلانے

[1] القشیری، عبد الکریم بن ھوازن، الرسالۃ القشیریۃ، تحقیق: عبد الحلیم محمود و محمد بن الشریف، دار المعارف، القاھرہ، س۔ن، 1/ 16

toobaafoundation.com

لگے۔ وہ عوام و خواص دونوں کو دنیا میں بے جا شغف سے ڈرانے لگے اس کے بعد بدعتیں اور جدت طرازیاں ظاہر ہونے لگیں اور تمام فرقوں اور طبقوں کے درمیان حریصانہ دوڑ اور مقابلہ جاتی ریس ہونے لگی۔

ارتقاء تصوف کے بارے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تحقیق:

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ برصغیر پاک وہند کی وہ شخصیت ہیں جو بیک وقت محدث، مفسر، فقیہ اور صوفی تھے۔ ان کی شخصیت میں دو پہلو نظر آتے ہیں ایک پہلو بطور محدث و عالمِ دین اور دوسرا پہلو بطور صوفی۔ پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی کے بقول بسا اوقات شاہ ولی اللہؒ کی شخصیت کے ان دو پہلوؤں میں تصادم بھی نظر آتا ہے[1]۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تصوف کے آغاز وارتقاء کے بارے میں ایک منفرد نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ ذیل میں ان کی کتاب 'ھمعات' کی روشنی میں ان کے اس نقطہِ نظر کی وضاحت کی جاتی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور تصوف کے چار ادوار:

ان چار ادوار کے بارے میں شاہ ولی اللہؒ بیان کرتے ہیں کہ مجھ فقیر کو اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا گیا ہے کہ تصوف کے طریقوں میں سے اب تک چار بڑے بڑے تغیرات ہو چکے ہیں۔

تصوف کا پہلا دور:۔

رسول اللہؐ اور ان کے صحابہ کے زمانے میں چند نسلوں تک اہل کمال کی بیشتر توجہ شریعت کے ظاہری اعمال کی طرف رہی ان لوگوں کو باطنی زندگی کے جملہ مراتب شرعی احکام کی پابندی کے ذیل ہی میں حاصل ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ان بزرگوں کا احسان یعنی حاصل تصوف یہ تھا کہ وہ نمازیں پڑھتے تھے، ذکر و تلاوت کرتے تھے، روزے رکھتے تھے، حج کرتے تھے، صدقہ وزکوۃ دیتے تھے اور جہاد کرتے تھے۔ چنانچہ ان میں علیحدہ سے مجاہدات اور تفکرات نہیں تھے۔ اس طرح ان کو عبادات میں خاص طرح کی لذت حاصل ہوتی تھی۔ وجد، جوش اور شطحیات بھی بہت کم تھیں اس دور میں۔ قصہ مختصر اس دور میں جسے تصوف واحسان کا پہلا دور کہنا چاہیے۔ اہل کمال کا غالب طور پر یہی حال رہا۔

تصوف کا دوسرا دور:۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بقول اس دور کے سرخیل جنید بغدادیؒ ہیں۔ اس دور میں تصوف کا ایک اور رنگ ظاہر ہوتا ہے اس دور میں اہل کمال کے دو طبقے بن جاتے ہیں:

---

[1] تصوف کی اجمالی تاریخ، ص: 72

toobaafoundation.com

1۔ایک طبقے کا حال تصوف کے پہلے دور کے صوفیاء کی طرح ہی تھا۔

2۔دوسرے طبقے میں ایسے لوگ سامنے آئے جنھوں نے ریاضتیں کیں، دنیا سے قطع تعلق ہوگئے اور ذکر و فکر میں لگ گئے۔ ان لوگوں میں تعلق باللہ کی ایک خاص کیفیت پیدا ہوگئی۔ اس طرح اس دور میں لوگ مراقبے کرتے اور بے خودی میں رقص کرتے اور سماع سنتے تھے اور مختلف مجاہدے کرتے تھے۔ الغرض اس دور کے اہل کمال کا تصوف یہ تھا کہ وہ خدا کی عبادت دوزخ کے عذاب سے ڈر کر یا جنت کی نعمتوں کی طمع میں نہ کرتے تھے بلکہ ان کی عبادت کا محرک خدا کے ساتھ ان کی محبت کا جذبہ ہوتا۔اس طرح اس طبقے پر اطاعت کا رنگ غالب تھا۔

تصوف کا تیسرا دور:۔

شیخ ابوسعید بن ابی الخیر اور شیخ ابوالحسن خرقانی کے زمانے میں ایک اور تغیر رونما ہوتا ہے۔اس دور میں خواص نے اعمال و احوال سے گزر کر جذب تک رسائی حاصل کی اور اس جذب ہی کی وجہ سے ان کے سامنے '' توجہ کی نسبت کا راستہ کھل گیا۔ چنانچہ انہوں نے اس توجہ کے حصول کے لئے مختلف کوششیں کیں۔اس طرح اس دور میں توحید وجودی اور توحید شہودی میں فرق نہ تھا۔

تصوف کا چوتھا دور:۔

اس دور کے سرخیل شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور ان سے کچھ پہلے کا زمانہ آتا ہے۔اس دور میں لوگوں نے احوال سے آگے بڑھ کر حقائق تصوف کی بحث و تحقیق کی۔ مثلاً ذات واجب الوجود سے یہ کائنات کس طرح صادر ہوئی، ان لوگوں نے ظہور و وجود کے مدارج اور تنزلات دریافت کیے اور اس امر کی تحقیق کی کہ ' واجب الوجود' سے سب سے پہلے کس چیز کا صدور ہوا اور کس طرح یہ صدور عمل میں آیا۔

تصوف کے ان ادوار کے بارے میں شاہ ولی اللہؒ کی رائے:۔

ان کے بقول ان چاروں ادوار کے اہل کمال ایک جیسے ہیں۔ اگرچہ ظاہری اعمال و احوال میں الگ الگ نظر آتے ہیں۔اس طرح چاروں طریقے اللہ کے ہاں مقبول ہیں۔ اور ملاء اعلیٰ میں بھی ان سب کی منزلت مسلم ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک اربابِ تصوف پر تحقیق کرنے کا اصول:۔

''شاہ صاحب کے بقول اربابِ تصوف پر بحث کرتے وقت ہمیشہ اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ان بزرگوں کے ہر طبقے کے اقوال و احوال کو ان کے زمانے کے ذوق کے مطابق جانچا جائے۔اس سلسلہ میں یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ ہم

toobaafoundation.com

ایک عہد کے اربابِ تصوف کے اقوال اور احوال کو دوسرے عہد کے معیاروں سے ناپتے پھریں۔"[1]

تصوف اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اکثر صوفیاء جب تصوف کی ابتداء اور ارتقاء کے حوالے سے بات کرتے ہیں تو وہ تصوف کی ابتداء عہدِ رسالت یعنی نبی کریم ﷺ سے کرتے ہیں۔ چنانچہ خلیق احمد نظامی اور مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، دونوں کی کتب تاریخ مشائخ چشت" کے نام سے ملتی ہیں۔ ان دونوں کتب میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ تصوف کی تعلیمات براہ راست نبیؐ سے ماخوذ ہیں۔

اس طرح خلیق احمد نظامیؒ جب تصوف کی تاریخ کا مطالعہ پیش کرتے ہیں تو یہ بھی شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی طرح تصوف اور صوفیاء کی تعلیمات وکتب کو خاص طور پر اس وقت کے حالات کے پسِ منظر میں دیکھتے ہیں۔ ذیل میں تصوف کی تاریخ کو اس حوالے سے بیان کیا جاتا ہے کہ مختلف ادوار میں تصوف کی تعلیمات پر اس وقت کے زمانے کے حالات کس حد تک اثر انداز ہوئے۔

چنانچہ خلیق احمد نظامی نے اس موضوع کی ابتداء میں عھدِ رسالت، عہدِ خلافتِ راشدہ، عہدِ بنوامیہ کے سیاسی حالات بیان کئے ہیں۔ کس طرح کے زمانے کے حالات نے لوگوں کو کس طرح متاثر کیا اور ان کے رویوں میں کیا تبدیلی رونما ہوئی خاص طور پر عہدِ بنوامیہ میں گورنروں کے ظلم وستم اور ان کے رویوں کو دیکھتے ہوئے بہت سارے لوگوں نے حکومت سے قطع تعلق کرلیا اور انہوں نے اسی میں مصلحت سمجھی کہ حکومتِ وقت سے ٹکر نہ لی جائے اور خاموشی اختیار کی جائے۔ چنانچہ اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے کہ جن بزرگوں نے بنی امیہ کے خلاف خروج کے مقابلہ میں گوشہ گیری کو ترجیح دی انھوں نے ملت کی بہبود کی خاطر ایسا کیا تھا۔

صوفیاء کا پہلا دور:۔

اس دور کے حوالے سے خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ:" بصرہ اور کوفہ جہاں اموی گورنروں نے ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے تھے تصوف کے سب سے پہلے مرکز بنے اور یہیں سے یہ تحریک اسلامی دنیا کے اور حصوں میں پھیلی۔ صوفیاء کے اس پہلے دور کا زمانہ 661ء سے 850ء تک ہے۔ اس طبقے میں: اویس قرنیؒ، حسن بصریؒ، مالک بن دینارؒ، محمد واسعؒ، حبیب عجمی، خواجہ فضیل بن عیاض اور ابراہیم ادھم وغیرہ شامل ہیں۔

صوفیاء کے پہلے طبقے کی خصوصیات:۔

---

[1] دہلوی، ولی اللہ، شاہ، تصوف کی حقیقت اور اس کا فلسفہ تاریخ، مترجم: پروفیسر محمد سرور، سندھ ساگر اکادمی، لاہور، 1999ء، ص: 48-53 ملخصاً

toobaafoundation.com

1. ان بزرگوں پر خشیت خداوندی کا غلبہ تھا۔
2. اس دور میں یہ بزرگ انفرادی طور پر عبادت وریاضت میں مشغول رہتے تھے۔
3. اس دور کے صوفیاء نے اپنے خیالات کا اظہار کتب میں بہت کم کیا۔
4. اس دور کے صوفیاء نے حکومت وقت سے قطع نظر کر لیا تھا۔

چنانچہ قرونِ اولیٰ کے دین دار طبقہ کا یہ طرزِ عمل حقیقت میں حکومت کی بے راہ روی کے خلاف احتجاج تھا۔ وہ مسلمانوں کی سیاست اور سماج کو خالص اسلامی رنگ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ اس طرح ان بزرگوں کے اس رویے سے مسلمانوں کو بہت سارے فوائد حاصل ہوئے۔[1]

صوفیاء کا دوسرا طبقہ:

صوفیائے کرام کا یہ دوسرا طبقہ اسلامی تاریخ کے ایک دوسرے نہایت اہم دور سے تعلق رکھتا ہے۔ اس دور میں یونانی فلسفہ اور علوم مسلمانوں میں رائج ہوئے جس کے نتیجے میں عقلیت کا سیلاب مسلم معاشرے میں در آیا اور مسلمانوں کے عقائد میں تذبذب، ایمان میں شک اور ذہن میں خلش پیدا ہونے لگی۔

خلافتِ عباسیہ میں ہارون الرشید نے بیت الحکمت قائم کیا جس میں بڑے بڑے علماء کا تقرر کیا اور ان سے یونانی علوم کو عربی میں ترجمہ کروایا۔ جس کے نتیجے میں عقلیت اور وضعیت کو ہوا ملی۔ چنانچہ اس یونانی فلسفہ کے نتیجے میں امتِ مسلمہ میں مختلف فتنے کھڑے ہوگئے۔ مثلاً ذات وصفاتِ خداوندی، خلقِ قرآن، دوزخ، جنت، معراج وغیرہ کے بارے میں ابحاث شروع ہوگئیں۔ صوفیاء کا وہ طبقہ جو ان حالات میں پیدا ہوا، اس عقلیت اور وضعیت سے بیزار تھا۔ اس دور کے مشہور صوفیاء بایزید بسطامیؒ، ذوالنون مصریؒ، اور جنید بغدادیؒ وغیرہ نے عقلیت کے خلاف آواز اٹھائی۔ اور عشق پر زور دیا۔ تاکہ عشق عقلیت اور وضعیت کے اثرات کو دور کردے۔

طبقۂ ثانی کے صوفیاء کی خصوصیات:

1۔ اس دور کے صوفیاء نے خشیتِ الٰہی اور عشقِ الٰہی پر زور دیا۔ جس طرح کہ خواجہ فرید الدین عطارؒ نے بایزید بسطامیؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ: " آتشِ محبت میں غرق تھے۔ اور تن کو ہمیشہ مجاہدہ اور دل کو مشاہدہ میں مشغول رکھتے تھے۔"[2]

[1] نظامی، خلیق احمد، تاریخ مشائخ چشت، مشتاق بک کارنر، لاہور، س،ن، ص: 92-104 ملخصاً

[2] عطار، شیخ فرید الدین، تذکرۃ الاولیاء، تصحیح وترجمہ: مولانا اختر حجازی، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، 2008ء، ص:100

toobaafoundation.com

2۔ اس دور کے صوفیاء نے فلسفہ کی پیدا کی ہوئی ذہنی لامرکزیت کو قلبی کیفیات کے ذریعے دور کرنے کی کوشش کی۔ جس طرح کہ سری سقطیؒ نے توحید کا وہ نظریہ پیش کیا جس نے بعد میں " وحدۃالوجود" کی شکل اختیار کرلی۔[1]

صوفیاء کا تیسرا طبقہ:۔

"تصوف کا تیسرا دور دسویں صدی عیسوی سے متعلق ہے۔ یہ دور فقہاء اربعہ کا ہے۔ ان فقہاء نے اجتہاد کر کے چار مذاہب کی بنیاد ڈالی لیکن اس دور میں ایک خامی اور کمی یہ آئی کہ فقہ کے اندر کتاب الحیل کے نام سے حیلہ سازی شروع ہو گئی اور اس کی آڑ لے کر بہت سے لوگوں نے دین اسلام کے احکام سے بچنے کی کوشش کی۔ اور ان حیلہ سازیوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ تزکیہ نفس اور اصلاح باطن جو دین اسلام کا اصل مقصد تھا بالکل بھلا دیا گیا۔ اور مذہبی روح بالکل مردہ ہو کر رہ گئی۔

چنانچہ صوفیا کا وہ طبقہ جو ان حالات میں پیدا ہوا انھوں نے دینِ اسلام کی حقیقی روح بیدار کرنے، باطن کی اصلاح اور اخلاق کی درستگی کی طرف خاص توجہ کی۔ دسویں صدی عیسوی کے مشہور صوفیا میں: شیخ ابو سعد ابن العربی (952ھ) شیخ ابو نصر السراجؒ (م 988ء)، شیخ ابو طالب مکیؒ (م 996ء)، شیخ ابو بکرؒ (م 1000ء)، ابوعبد الرحمٰن (م 1021ء) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔"[2]

طبقہِ ثالث کے صوفیاء کی خصوصیات:۔

1۔ طبقہ ثالث میں باطن کی اصلاح اور اخلاق کی درستگی کی طرف خاص توجہ کی گئی۔ اس حوالے سے خلیق احمد نظامی نے مولانا شبلی کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

" شریعت اور علم اخلاق میں جن احکام کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مثلاً صبر، رضا، توکل، استغناء، قناعت وغیرہ، اس پر انسان عمل کرتا ہے تو اس بناء پر کرتا ہے کہ شریعت نے اس کی تعلیم دی ہے اور شریعت کی سرتابی عذابِ قیامت کی مستوجب ہے۔ لیکن تصوف میں ایک حالت طاری ہوتی ہے جس سے خود بخود اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ صوفی دل پر جبر کر کے صبر اختیار نہیں کرتا، بلکہ طبعاً اس سے صبر سرزد ہوتا ہے۔ وہ نماز اس لئے نہیں پڑھتا کہ نہ پڑھوں گا تو دوزخ میں جانا پڑے گا، بلکہ اس لئے پڑھتا ہے کہ پڑھنا اس کے اختیار میں نہیں۔ یہ تصوف کا اعلیٰ نمونہ ہے۔[3]

2۔ اس طبقے کے صوفیاء نے متقدمین مشائخ کے حالات اور سوانح کو بطور نمونہ پیش کیا ہے۔

---

[1] تاریخ مشائخ چشت، (نظامی)، ص: 106۔114 ملخصاً

[2] ایضاً، ص:114۔117 ملخصاً

[3] شبلی نعمانی، مولانا، شعراءالعجم، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، س۔ن، 5/141

toobaafoundation.com

3۔ اس دور میں تصوف کو شریعت اسلامی کے مطابق ثابت کیا گیا۔

4۔ اس دور میں تصوف کی مختلف اصطلاحات سامنے آئیں اور ان کی وضاحت کی گئی۔

5۔ شیخ ابو نصر سراجؒ نے کتاب اللمع میں تصوف کے بنیادی تصورات اور معمولات پر بڑی خوبی سے بحث کی ہے۔

6۔ اس طبقے میں صوفیاء کے حلقے اور گروہ بننے شروع ہوئے مثلاً حلولی، طیفوریہ، قصاریہ، نوریہ، محاسبیہ، تستریہ، حکیمیہ، خرازیہ، خفیفیہ وغیرہ۔[1]

تصوف کے ان تین طبقات کے تذکرے کے بعد خلیق احمد نظامی نے صوفیاء اور تصوف کی تاریخ کا ہر صدی کے اعتبار سے ارتقائی کیفیت کا جائزہ لیا ہے۔

تصوف گیارھویں صدی میں:۔

گیارھویں صدی میں اگرچہ بہت سارے صوفیاء گزرے ہیں لیکن اس صدی میں خاص طور پر ان پانچ بزرگوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

1. شیخ ابو نعیم اصبہانیؒ (م1008ء)

یہ محدث اور شافعی المسلک تھے انکی کتاب ' حلیۃ الاولیاء' ہزاروں صوفیاء کے حالات پر مشتمل ہے۔

2. شیخ ابو القاسم قشیریؒ (م1072ء)

ان کا ' الرسالۃ القشیریۃ' تصوف کا انسائیکلوپیڈیا شمار ہوتا ہے۔ اس میں تصوف کی تاریخ اصطلاحاتِ تصوف اور صوفیاء کا تذکرہ انتہائی عمدہ اسلوب اور اچھے پیرائے میں کیا گیا ہے۔ ان کے اس رسالے کے منصہ ءشہود پر آنے سے تصوف کے حوالے سے معترضین کی زبانیں بند ہو گئیں اور تصوف کی ترقی اور قبولیت کے دروازے وا ہو گئے۔

3. شیخ علی ہجویریؒ (م1072ء)

ان کی کتاب 'کشف المحجوب' علم تصوف کی ایک مایہ ناز کتاب ہے۔ یہ کتاب برِ صغیر میں فارسی زبان میں لکھی گئی اور لوگوں نے اس کتاب سے بآسانی استفادہ کیا۔ اگرچہ اس کتاب کے بارے میں یہ بات بھی مشہور ہے کہ یہ کتاب اصل میں عربی

---

[1] تاریخ مشائخ چشت (نظامی)، ص: 114۔122

toobaafoundation.com

زبان میں تھی۔ لیکن یہ بات تحقیق کے اعتبار سے درست نہیں ہے۔ان کی اس کتاب نے ایک طرف تصوف سے متعلق عوام کی غلط فہمیوں کو دور کیا، دوسری طرف تصوف کی ترقی کی راہیں کھول دیں۔

4. شیخ عبداللہ انصاریؒ (م1088ء)

یہ اپنے زمانے کے مشہور محدث اور صوفی تھے۔ان کی مندرجہ ذیل کتب مشہور ہیں:

1۔ منازل السائرین

2۔ طبقات الصوفیہ

3۔ کتاب جامع الکلام

4۔ مناجات

5. شیخ ابوسعید ابی الخیرؒ (م1049ء)

یہ اپنے زمانے کے وہ واحد شاعر ہیں جنھوں نے تعلیماتِ تصوف کو فارسی شاعری کی صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ جبکہ اس سے پہلے تصوف کی تعلیمات عربی یا فارسی نثر میں تھیں۔ انھوں نے فارسی رباعیات کا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ جبکہ یہ حقیقت ہے کہ نثر کے مقابلے میں نظم کی صورت میں خیالات کی ترویج آسانی سے کی جاسکتی ہے۔

گیارہویں صدی میں تصوف کی حالت:۔

1. اس صدی میں تصوف عوام میں تیزی کے ساتھ پھیلنا شروع ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تقریباً فقہی مسالک کے علماء نے تصوف کی حمایت میں قلم اٹھالیا تھا۔
2. تصوف اور اسلامی شریعت میں تطابق کی کوشش کی گئی اور اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ صدیوں میں علماء کا بڑا حصہ تصوف کی طرف کھنچ آیا۔
3. اس صدی کے صوفیاء نے اپنی کتب کے ذریعے تصوف کے خیالات کو عوام تک پہنچایا، جس کے نتیجے میں عوامی تحریک بنا اور سلاسل کے منظم ہونے کا انتظام ہوا۔[1]

[1] تاریخ مشائخ چشت (نظامی)، ص: 123-127

toobaafoundation.com

تصوف، بارہویں صدی عیسوی میں:۔

اس صدی میں تصوف کا پورا فلسفہ مرتب ہو کر ایک فن بن گیا۔ اور اسی صدی میں بعض روحانی سلاسل کی داغ بیل بھی پڑی۔ اگرچہ ان سلاسل کا عروج تیرھویں صدی میں ہوا۔ خلیق احمد نظامی نے اس صدی میں تصوف کی کیفیت اور ترقی کو بیان کرنے کے لئے درج ذیل عظیم صوفیاء اور انکی خدمات کا تذکرہ کیا ہے۔

1. امام غزالیؒ (م 1111ء)
2. شیخ محی الدین عبد القادر جیلانیؒ (م 116 6ء)
3. شیخ نجیب الدین عبد القاھر سہر وردیؒ (م 563ھ)
4. شیخ محی الدین ابن عربیؒ (م 1240ء)
5. شیخ شہاب الدین سہر وردیؒ (م 1234ء)

اور صوفی شعراء میں درج ذیل مشائخ کا ذکر کیا گیا ہے

1. حکیم سنائیؒ
2. نظامی گنجویؒ
3. خواجہ فرید الدین عطارؒ

ان صوفی شعراء نے بھی اس صدی میں اپنی شاعری کے ذریعے دین اسلام کی محبت لوگوں کے دلوں میں پیدا کی اور اس طرح انھوں نے دین اسلام کی تبلیغ میں اہم کردار ادا کیا۔ صوفیانہ شاعری کے متعلق مولانا شبلی فرماتے ہیں:

" فارسی شاعری اس وقت تک بے جان تھی جب تک اس میں تصوف کا عنصر شامل نہیں ہوا۔ شاعری اصل میں اظہار جذبات کا نام۔ تصوف سے پہلے جذبات کا سرے سے وجود ہی نہ تھا۔ قصیدہ، ملاحی اور خوشامد کا نام تھا۔ مثنوی واقعہ نگاری تھی۔ غزل زبانی باتیں تھیں۔ تصوف کا اصلی مایہ خمیر "عشقِ حقیقی" ہے، جو سرتاپا جذبہ اور جوش ہے، عشق حقیقی کی بدولت مجازی کی بھی قدر ہوئی اور اس آگ نے تمام سینہ و دل گرمائے۔ اب زبان سے جو کچھ نکلتا تھا گرمی سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ اربابِ دل ایک طرف اہل ہوس کی باتوں میں بھی تاثیر آگئی"۔[1]

---

[1] شعراء العجم، 5/120؛ تاریخ مشائخ چشت (ن)، ص: 128۔147

toobaafoundation.com

یہ عبارت ذکر کرنے کے بعد خلیق احمد نظامی نے ان صوفیاء شعراء کی صوفیانہ شاعری کے چند اشعار بھی ذکر کیے ہیں۔ اس کے بعد اس صدی کے حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

" حاصل کلام یہ ہے کہ بارہویں صدی کے آخر تک تصوف بہ حیثیت ایک فن کے انتہائے کمال کو پہنچ گیا تھا۔ امام غزالیؒ، شیخ اکبرؒ، شیخ شہاب الدین سہر وردیؒ نے اس کا فلسفہ اصطلاحات بنیادی مسائل سب کی وضاحت کر دی تھی۔ حکیم سنائیؒ اور خواجہ عطارؒ نے 'عشق الہٰی' کی آگ پھونکنے میں اپنے شاعرانہ کمالات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا۔۔۔۔اب تصوف کا صرف عوامی تحریک بنناباقی تھا۔ تیرھویں صدی میں سلاسل کی تنظیم سے وہ کمی بھی پوری ہو گئی۔"[1]

تصوف، تیرہویں صدی میں:۔

تیرہویں صدی عیسوی میں روحانی سلاسل وجود میں آئے اور ان کی تشکیل سے تصوف کی تحریک میں ایک جان پڑ گئی۔ خلیق احمد نظامی کے بقول ہر اعتبار سے تیرہویں صدی میں تصوف کی تحریک معراج کمال کو پہنچ گئی۔[2]

ذیل میں سلاسل تصوف کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

سلاسل تصوف:۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق نبی کریمؐ کے مقاصد بعثت میں سے ایک مقصد تزکیہ باطن بھی ہے۔ چنانچہ آپؐ نے تلاوتِ آیات اور تعلیم کتاب وحکمت کے ساتھ اپنے جلیل القدر شاگردوں یعنی صحابہ کرامؓ کی اس طرح تربیت کی اور تزکیہ باطن کے وہ نمونے پیدا کیے کہ رہتی دنیا تک اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ جس طرح تعلیم کتاب اور تدوین شریعت کا یہ سلسلہ صحابہ کرام کی جماعت سے آگے منتقل ہوتا چلا آیا اسی طرح تزکیہ باطن اور تربیت روحانی کا طریقہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے رسول اللہؐ سے سیکھ کر آئندہ نسلوں کو پہنچایا اور مختلف ادوار کے تقاضوں کے مطابق تدوین حدیث وفقہ کی طرح تزکیہ و تربیت کے پہلو کی تدوین منظم صورت میں عمل میں آئی۔ اول اول تو یہ صورت تھی کہ جو صحابی یا تابعی جہاں پہنچا، معاشرے کی تربیت شروع کر دی۔ بعد میں دین کا یہ پہلو جب منظم ہوا تو تربیت اور تزکیہ کے چار بڑے سلسلے ہمارے ہاں رائج اور مقبول ہو گئے۔ جنھیں سلسلہ قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ اور چشتیہ کہتے ہیں۔ ان سلسلوں میں تربیت روحانی کا بنیادی اصول ایک ہی رہا ہے اور وہ ہے ذکرِ الٰہی کی کثرت، البتہ ذکرِ الٰہی کے طریقوں میں ہر صاحب سلسلہ نے مختلف رنگ اختیار کیا۔ اس طرح طریقہ کار میں جزوی اختلاف کی وجہ سے چار بڑے طریقے مسلمانوں میں رائج ہو گئے۔ ممکن ہے طریق تربیت میں اختلاف

---

[1] تاریخ مشائخ چشت(ن)، ص: 149

[2] ایضاً، ص: 149

toobaafoundation.com

آب وہوا، مزاج اور طبائع کے اختلاف کی وجہ سے انتخاب کیا گیا جیسے ایک ماہر طبیب ایک ہی دوا مختلف مزاج والے مریضوں کو مختلف صورتوں میں دیا کرتا ہے۔

اس پہلو کو دیکھتے ہوئے ان چاروں سلسلوں کے حوالے سے یہ دو سوال زیر بحث آتے ہیں: اول یہ کہ اس سلسلے میں طریقہ تربیت باطنی کیا ہے؟ دوسرا یہ کہ کس سلسلے کے شیخ کو یہ فن حضور اکرمؐ سے کن واسطوں سے پہنچا ہے۔[1] اصطلاح تصوف میں ان واسطوں کو سلسلہ، جس کی جمع سلاسل آتی ہے۔ یہ بالکل اس طرح ہے جس طرح ایک حدیث کے بارے میں علم روایت میں دیکھا جاتا ہے کہ یہ حدیث نبی کریمؐ سے ہم تک کن اور کتنے واسطوں سے پہنچتی ہے اور اس عمل کو 'سند' کہتے ہیں۔

روحانی سلسلہ:۔

روحانی سلسلہ کے حوالے سے ابوبکر سراج الدین نے اپنے مقالہ تصوف جو اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں شائع ہوا ہے، میں لکھا ہے کہ:" صوفیوں کا دعویٰ ہے کہ تصوف رسول اللہؐ سے غیر منقطع سلسلے کی وساطت سے ان تک پہنچا ہے اور تاریخی اعتبار سے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ زمانہ رسالت سے لے کر ہر نسل میں مشائخ تصوف مع اپنی اپنی جماعت مریدین کے موجود رہے ہیں۔ مزید بر آں اکابر صوفیہ میں سے بہت سے ایسے بھی تھے جنھوں نے اپنی زندگی میں ایک سے زیادہ شیوخ سے فیض حاصل کیا۔ لہٰذا متعدد، مختلف اور مستند سلسلوں کا قائم کرنا ممکن ہو گیا۔ عام طور پر خود صوفیہ جس سلسلے کا پتا دیتے ہیں اسے اگر تیسری صدی تک لیا جائے تو اسکی صورت یوں ہے:

حضرت علیؓ (م40ھ)، سے حسن بصریؒ (م111ھ)، سے حبیب العجمیؒ (م156ھ) سے داؤد الطائی (م170ھ) سے معروف کرخیؒ (م202ھ) سے سری سقطیؒ (م253ھ) سے جنید بغدادیؒ (م306ھ) نے علم تصوف حاصل کیا۔ اس سلسلے کی تاریخی صداقت پر شبہ کرنے کی کوئی صحیح وجہ موجود نہیں"۔[2]

سلاسل کی ابتداء:۔

شروع شروع میں سلاسل کی ابتداء کیسے ہوئی اور اس میں ترقی کیسے ہوئی؟ اس حوالے سے پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی اپنے مقالہ 'تصوف کی اجمالی تاریخ' میں لکھتے ہیں کہ:

" رباط، خانقاہ، زاویہ وغیرہ کی تشکیل و تنظیم نے شیخ کو ایک مرکزِ طریقت سے وابستہ کر کے ایک خاص شناخت

---

[1] اللہ یار خان، مولانا، دلائل السلوک، ادارۃ نقشبندیہ اویسیہ دار العرفان منارہ، چکوال، 2009ء، ص: 250

[2] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، 6/435

toobaafoundation.com

دے دی۔ اس مرکز میں شیخ کے مریدوں، عقیدت مندوں اور سالکوں کے علاوہ دوسرے عوام وخواص کی آمد ورفت بھی خاص مقاصد سے شروع ہوگئی، اس مرکزیت واجتماعیت نے شیخ خانقاہ کے دامان دولت سے وابستہ لوگوں خاص کر ان کے اکابر ومریدوں، خلفاء کو ایک خاص سلسلہ سے باندھ دیا۔ اگرچہ شروع کی صدیوں میں بیشتر جویائے حق وطریقت مختلف مشائخ سے استفادہ کرتے تھے۔ تلامذہ اور شاگردوں کے حلقوں کا سلسلہ تو صحابہ کرام کے مبارک دور سے چلا آرہا تھا اور وہ زہاد ونساک کے حلقوں میں بھی جاری رہا بعض حضرات حسن بصری کے تلامذہ کی تعداد مختلف علوم وفنون میں کافی زیادہ تھی۔ انہیں بعض یا متعدد عرف طریقت کے حوالے سے معروف ہوئے۔ متعدد زہاد ونساک کے اپنے اپنے شاگرد ومرید تھے اور ان کے علاوہ بہت سے وابستگان عام تھے جو ان سے منسوب ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ تیسری صدی ہجری/نویں صدی عیسوی سے سلسلوں کا نشان ملنے لگتا ہے اور حضرت جنید بغدادی کے زمانے تک متعدد سلاسل طریقت وجود میں آچکے تھے۔ جو بالعموم اپنے شیخ کے نام سے منسوب ہوکر معروف اور روشناس خلق بنے تھے۔[1]

عظیم سلاسل طریقت:۔

امام قشیریؒ، شیخ ھجویری اور دیگر محقق صوفیہ نے وضاحت کی ہے کہ حضرت جنید بغدادی کے زمانے تک بہت سے سلسلے وجود میں آچکے تھے۔ لیکن ان سلاسل میں شامل سارے سلسلے برحق اور حق پر نہیں تھے بلکہ دو طرح کے سلاسل اس دور میں ہمارے سامنے آتے ہیں:

1۔ تصوف اور طریقت کے درست سلاسل

2۔ غلط اور گمراہ سلاسل

چنانچہ ان بزرگوں نے ان دونوں سلاسل کا فرق بھی بتایا ہے اور انکے نام بھی لکھے ہیں۔

جنید بغدادی کا کارنامہ:۔

سلاسل کے حوالے سے حضرت جنید بغدادیؒ کا سب سے عظیم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ملحدانہ اور غیر اسلامی افراد وطبقات وسلاسل کی بیخ کنی کی اور تصوف وطریقت کو صحیح اسلامی شریعت اور سنت کے مطابق قائم کیا اور بعد کے وہ تمام سلاسل طریقت جو جنیدیہ کے طریق پر گامزن ہیں وہ ہی صحیح سلاسل طریقت ہیں۔ اور اہم ترین بات یہ ہے کہ تمام مشہور و

[1] صدیقی، یٰسین مظہر، پروفیسر، تصوف کی اجمالی تاریخ، الاحسان، الہ آباد، شمارہ:2، مارچ 2011ء، ص: 80-81

toobaafoundation.com

معروف سلاسل جنید بغدادی پر ہی تمام ہوتے ہیں۔[1]

شیخ علی ھجویریؒ کے زمانے تک جو بارہ اہم سلسلے موجود تھے انکے نام درج ذیل ہیں:۔

1. محاسبیہ، شیخ ابو عبداللہ بن حارث محاسبیؒ
2. قصاریہ، شیخ ابو صالح حمدونؒ
3. طیفوریہ، شیخ طیفور بن عیسیٰؒ
4. جنیدیہ، شیخ جنید بغدادی
5. سہلیہ، شیخ سہل بن عبداللہ تستریؒ
6. حکیمیہ، شیخ حکیم ترمذیؒ
7. خزازیہ، شیخ ابو سعید خزاز
8. خفیفیہ، شیخ ابو عبداللہ محمد بن حفیف شیرازیؒ
9. سیاریہ، شیخ ابو العباس سیاری
10. حلمانیہ، شیخ ابو حلمان فارسی
11. حلاجیہ، شیخ حسین بن منصور الحلاج

شیخ علی ھجویریؒ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں ان سلاسل کے نام اور خصوصیات تفصیل سے بیان کی ہیں۔ جبکہ شیخ علی ھجویریؒ نے ان سلاسل میں آخری دو یعنی حلمانیہ اور حلاجیہ کو گمراہ سلسلے بتایا ہے۔[2]

پاک وہند کے چار مشہور سلاسل:۔

پاک وہند کے چار مشہور سلاسل تصوف اور وہ صوفیاء جن کی طرف یہ سلاسل منسوب ہیں، ان کے نام درج ذیل ہیں۔

1. سلسلہ چشتیہ: اس کا ارتقاء خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مبارک ہاتھوں ہوا۔ ان کے بعد ان کے عظیم خلفاء: قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ اور خواجہ نظام الدین اولیاء کے ہاتھوں پروان چڑھا۔

---

[1] تصوف کی اجمالی تاریخ، ص: 81

[2] ہجویری، شیخ سید ابو الحسن علی، گنج بخش، کشف المحجوب (اردو)، مترجم: میاں طفیل محمد، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1966ء، ص: 219۔249 ملخصاً

toobaafoundation.com

2. سلسلہ سہروردی: اس کا ارتقاء شیخ شہاب الدین سہروردی اور ان کے بعد شیخ بہاؤالدین زکریاء ملتانیؒ کے ہاتھوں ہوا۔

3. سلسلہ قادریہ: اس کا ارتقاء شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور ان کے خلفاء کے ہاتھوں ہوا۔

4. سلسلہ نقشبندیہ: اس کا ارتقاء خواجہ محمد نقش بند اور خاص طور پر حضرت مجدد الف ثانیؒ (شیخ احمد سرھندیؒ) کا منظم کردہ ہے۔[1]

یہ تمام سلاسل اس امر میں متحد ہیں کہ سالک کا اصل مطلوب حق سبحانہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔ جو اخلاق فاضلہ کی تصحیح اور تہذیب سے حاصل ہوتی ہے۔ اخلاق فاضلہ کو اپنی ذات میں پیدا کرنے کے طریقوں میں قدرے فرق ہے۔ کوئی سلسلہ کسی طریقے سے مقصود کو پاتا ہے اور کوئی کسی اور طریقے سے مراد حاصل کرتا ہے۔ غرض مطلوب و مقصود میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جیسا کہ مولانا محمد مسیح اللہ خاںؒ اپنی کتاب 'شریعت و تصوف' میں تحریر فرماتے ہیں:

" چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ، سہروردیہ، اصولاً سب متحد ہیں کہ اصل مطلوب تصحیح اخلاق فاضلہ اور تکمیل تہذیب اخلاق حمیدہ بطلب رضائے الٰہی ہے۔ تحصیل کے طرق و معالجات بہ تعداد انفاسِ خلائق متعدد و متکثر ہیں۔ البتہ تحصیل میں کسی کسی قدر فرق ہے۔"[2]

سلاسل اربعہ کا مختصر تعارف و خصوصیات:۔

نمبر1: سلسلہ چشتیہ:۔

قدیم سلسلہ:۔ سلسلہ چشتیہ سب سے قدیم سلسلہ ہے۔ جبکہ ڈاکٹر زرین کوب نے سلسلہ قادریہ کو قدیم ترین سلسلہ قرار دیا ہے:۔ " معروف سلاسل طریقت میں سب سے قدیم سلسلہ قادریہ ہے جس کے پیشوا حضرت محی الدین ابو محمد عبدالقادر گیلانیؒ ہیں"۔

---

[1] ان سلاسل کی تفصیل و تعارف درج ذیل کتب میں ہے: تاریخ مشائخ چشت (نظامی)، ص: 153۔157؛ شاہ محمد مسیح اللہ، مولانا، شریعت و تصوف، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، جنوری 1983ء، ص: 101؛ لطیف اللہ، پروفیسر، تصوف اور سریت، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، 1990ء، ص: 211۔224؛ بھٹی، امان اللہ، ڈاکٹر، اسلام اور خانقاہی نظام، دارالسلام، لاہور، س، ن، ص: 62۔67؛ فاروقی، ضیاء الحسن، پروفیسر، آئینہ تصوف، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور، 2008ء، ص: 95۔96؛ اے۔ جے۔ آربری، آر۔ اے۔ نکلسن، تاریخ فلسفہ تصوف، مترجم: ایس۔ ایم۔ طارق، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، 2006ء، ص: 79۔80

[2] شریعت و تصوف، ص: 123

toobaafoundation.com

لیکن یہ تحقیق درست نہیں ہے تاریخی تسلسل کے اعتبار سے جو سلسلہ سب سے پہلے وجود میں آیا وہ سلسلہ چشتیہ ہے۔ جس کے بانی اول حضرت ابو اسحاق شامیؒ (م 329ھ) ہیں۔ جبکہ گیلانی کا سال ولادت (471ھ) اور سال وفات (561ھ) ہے۔ گویا آپ خواجہ ابو شامی سے تقریباً 142 سال بعد پیدا ہوئے۔

چشتیہ کی وجہ تسمیہ:۔

اس حوالے سے خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

" چشت، خراسان کے ایک مشہور شہر کا نام ہے۔ وہاں کچھ بزرگانِ دین نے روحانی اصلاح و تربیت کا ایک مرکز قائم کیا۔ اس کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ اور وہ مرکز اس مقام کی نسبت سے چشتیہ کہلانے لگا۔"[1]

سلسلہ چشتیہ کی برِصغیر میں آمد:۔

برِصغیر میں سلسلہ چشتیہ کے عروج و تعارف کا ذریعہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ہیں۔ خواجہ معین الدین حسن سنجری سجستان میں پیدا ہوئے اور شہر خراسان میں نشوونما پائی۔ ان کے بزرگ خواجہ غیاث الدین حسن نہایت نیک طبع تھے۔ انہوں نے وفات پائی تو اس وقت آپ کی عمر 15 برس تھی۔[2] خواجہ معین الدین 57 ستاون روز محی الدین عبد القادر گیلانیؒ کی صحبت میں رہے اور طرح طرح کے علوم باطنی اور تسکین روحانی ان کی صحبت سے حاصل کیے۔"[3]

خواجہ عثمان ہارونیؒ کی تربیت میں:۔

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ " اخبار الاخیار" میں لکھتے ہیں: " خواجہ معین الدین چشتیؒ بیس سال تک خواجہ عثمان ہارونیؒ کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہے۔ سفر و حضر میں ان کے جامہ خواب کی نگہداشت کرتے رہے۔ خواجہ عثمان ہارونیؒ نے اس کے بعد خلافت سے نوازا۔"

ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کی آمد کے حوالے سے خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

---

[1] کرمانی، سید مبارک علی المعروف امیر خورد، سیر الاولیاء، مترجم: اعجاز الحق قدوسی، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، س، ن، ص: 117؛ تاریخ مشائخ چشت (ن)، ص: 159

[2] جمالی، حامد بن فضل اللہ، سیر العارفین، مترجم: محمد ایوب قادری، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، 1976ء، ص: 201

[3] ایضاً، ص: 4

toobaafoundation.com

" اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خواجہ معین الدین چشتیؒ سے قبل کچھ چشتی بزرگ ہندوستان میں تشریف لا چکے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ چشتیہ سلسلہ کو ہندوستان میں جاری کرنے کا شرف ان ہی کو حاصل ہوا وہ پرتھوی راج کے عھد میں ہندوستان تشریف لائے اور اجمیر کو اپنا مستقر بنا کر تبلیغ و اشاعت کا کام شروع کر دیا۔"[1]

وصال:

بعض کے نزدیک حضرت خواجہؒ کی وفات 6 رجب بروز پیر 633ھ ہے۔ اور بعض کے نزدیک چھٹے ذوالحجہ میں ہوئی۔ لیکن پہلا قول صحیح ہے اور اجمیر میں ان کی اقامت تھی وہاں آپ کا مزار ہے۔"[2]

مشائخ سلسلہ چشتیہ:۔

خلیق احمد نظامیؒ نے اس سلسلے کی ابتداء میں حضرت علیؓ کے نام کے بعد حضرت خواجہ حسن بصری کا نام ذکر کیا ہے اور آخر میں حضرت خواجہ مودود چشتیؒ، خواجہ حاجی شریف زندانیؒ، خواجہ عثمان پرونی اور خواجہ معین الدین حسن سنجری کا نام ذکر کیا ہے۔[3]

اس طرح مولانا زکریا کاندھلویؒ نے "تاریخ مشائخ چشت" میں نبی اکرمؐ اور خلفائے راشدین کے اسماء کے بعد انتالیس (39) مشائخ کے نام، تعارف اور ان کی دینی خدمات ذکر کی ہیں۔ جن میں اکتالیسویں (41) نمبر پر حاجی امداداللہ مہاجر مکی کا تذکرہ کیا ہے۔[4]

خواجہ معین الدین چشتیؒ کے تذکرے کے بعد خلیق احمد نظامی نے نظام الدین اولیاء اور ان کے خلفاء کا تذکرہ کرتے ہوئے شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے ذکر پر ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کے دورِ اول کا خاتمہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"18 رمضان المبارک 757ھ مطابق 1356ء کو حضرت چراغ دہلویؒ نے وصال فرمایا۔ ان کا وصال حقیقت میں سلسلہ چشتیہ کے دورِ اول کا خاتمہ تھا۔"[5]

---

[1] تاریخ مشائخ چشت، (ن)، ص:165

[2] ایضاً، ص:165

[3] ایضاً، ص:163

[4] کاندھلوی، محمد زکریا، مولانا، تاریخ مشائخ چشت، مکتبۃ الشیخ، کراچی، 1406ھ، ص:الف۔ب

[5] تاریخ مشائخ چشت، (ن)، ص:205

toobaafoundation.com

چشتیہ سلسلہ کی نشاۃ ثانیہ:۔(اٹھارویں صدی)

"اٹھارویں صدی میں جبکہ مسلمانان ہند کا سیاسی نظام نہایت تیزی کے ساتھ زوال پذیر ہو رہا تھا اور ہر طرف اخلاقی ابتری اور زبوں حالی پھیلی ہوئی تھی، چشتیہ سلسلے کا دور تجدید و احیاء شروع ہوا۔ اس نشاۃ ثانیہ کا سہرا اتمام تر حضرت کلیم اللہ دہلویؒ کے سر ہے۔ انہوں نے اور ان کے مریدین اور خلفاء نے سلسلہ چشتیہ کے احیاء اور تجدید کے لئے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ اس حوالے سے خلیق احمد نظامی نے سلسلہ چشتیہ کی ایک شاخ صابریہ کے بزرگوں کا تذکرہ کیا ہے۔ جن میں میاں جی نور محمد جھنجاویؒ (م 1259ھ) کے خلیفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور انکے خلفاء مثلاً اشرف علی تھانویؒ وغیرہ کی خدمات کا تذکرہ کیا ہے۔"[1]

ذیل میں مختصر الفاظ میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا تعارف، ان کے خلفاء کے نام ذکر کیے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی مولانا اشرف علی تھانویؒ کا اپنے شیخ حاجی صاحب سے تعلق اور مولانا تھانویؒ کے خلفاء و مجازین کے نام ذکر کیے جاتے ہیں۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ:۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ 22 صفر یوم شنبہ 1232ھ کو نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔[2] (خلیق احمد نظامی نے انکی جائے پیدائش قصبہ تھانہ بھون ذکر کی ہے۔ جو کہ درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ تھانہ بھون ان کا آبائی قصبہ ہے، ان کی پیدائش اپنے ننھیال کے ہاں یعنی قصبہ نانوتہ میں ہوئی ہے)۔ ان کے والد ماجد کا نام حافظ محمد امین اور والدہ کا نام بی بی حسینی تھا۔ شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی نے (ان کے نام) امداد حسین سے بدل کر امداد اللہ رکھا جو زبان زد عام و خاص ہوا۔ تاریخی نام ظفر احمد رکھا گیا۔

تحصیل علم و ہجرت:۔

ہندوستان سے ہجرت کے بعد 1258ھ میں مکہ معظمہ قیام کے دوران آپ نے قرآن پاک حفظ فرمایا، اس سے قبل آپ فارسی کی کتب اور اس کے علاوہ صرف و نحو کا علم بھی حاصل فرما چکے تھے۔ آپ اگرچہ علوم ظاہری کی تکمیل نہ فرما سکے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس سے جو علم عطا کیا تھا وہ مسلمہ ظاہری سے کہیں بڑھ کر تھا۔ اس طرح آپ نے تین نکاح

---

[1] تاریخ مشائخ چشت، (ن)، ص: 246۔248

[2] تھانوی، اشرف علی، مولانا، امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق، اسلامی کتب خانہ، لاہور، س،ن، ص: 7؛ فیوض الرحمن، قاری، ڈاکٹر، حاجی امداد اللہ مھاجر مکی اور انکے خلفاء، مجلس نشریات اسلام، کراچی، 1997ء، ص:10؛ ترمذی، عبد الشکور، مفتی، پاک و ھند کے نامور علماء و مشائخ، ادارہ اسلامیات، لاہور، اگست 2006ء، ص: 35؛ تاریخ مشائخ چشت، (ن)، ص: 248؛ تاریخ مشائخ چشت (ز)، ص: 243

toobaafoundation.com

فرمائے مگر اولاد کسی سے نہ ہوئی۔ سب سے پہلا حج آپ نے 1261ھ میں فرمایا۔[1]

تصنیفات و تالیفات:۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی درج ذیل تصنیفات ملتی ہیں:

1. حاشیہ مثنوی مولانا روم
2. غذائے روح
3. جہاد اکبر
4. مثنوی تحفۃ العشاق
5. رسالہ درد غمناک
6. ارشاد مرشد
7. ضیاء القلوب
8. وحدۃ وجود
9. فیصلہ ہفت مسئلہ
10. گلزار معرفت[2]

بیعت و خلافت:۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے پہلے حضرت شاہ محمد آفاقیؒ کے خلیفہ حضرت شاہ نصیر الدین دہلوی سے بیعت کی، پھر حضرت نور محمد جھنجھانویؒ صاحب سے بعد از تکمیل چاروں سلسلوں میں خرقہ خلافت حاصل کیا۔[3]

وفات:۔

13 جمادی الآخر 1317ھ کو آپ نے مکہ معظمہ میں وصال فرمایا، جنت المعلیٰ میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ

[1] پاک وھند کے نامور علماء اور مشائخ، ص: 35

[2] تاریخ مشائخ چشت (ز)، ص: 252-253؛ پاک وہند کے نامور علماء و مشائخ، ص: 35؛ حضرت حاجی امداد اللہ مھاجر مکیؒ اور ان کے خلفاء، ص: 12

[3] پاک وہند کے نامور علماء و مشائخ، ص: 36؛ حضرت حاجی امداد اللہ مھاجر مکیؒ اور ان کے خلفاء، ص: 12-13

toobaafoundation.com

کی آخری آرام گاہ کے ساتھ آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔[1]

برصغیر پاک وہند کی مختلف تحریکیں اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ:۔

خلیق احمد نظامی نے اپنی کتاب تاریخ مشائخ چشت میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ برصغیر پاک و ہند میں انیسویں صدی کے تین عظیم الشان تحریکوں کے منبع اور مخرج تھے۔ان کی تحریکوں کے نام درج ذیل ہیں:

1۔ تحریکِ دیوبند۔

مسلمانوں کی دینی تعلیم کو فروغ دینے کے لئے جو تحریک انیسویں صدی میں شروع ہوئی جس نے بالآخر دیوبند کی شکل اختیار کی ان ہی کے خلفاء اور مریدین کی پر خلوص جدوجہد کا نتیجہ تھی۔ اس تحریک میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م 1323ھ)، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (م 1297ھ) مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ (م 1302ھ) اور شیخ الھند مولانا محمود الحسن (م1339ھ) شامل ہیں۔

2۔ باطنی اصلاح وتربیت کی تحریک:۔

باطنی اصلاح اور تربیت کے لئے انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں دو بزرگوں کی کوششیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

1۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ

2۔ مولانا محمد الیاسؒ

ان میں مولانا اشرف علی تھانویؒ تو براہ راست ان کے خلیفہ تھے اور مولانا محمد الیاسؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مرید تھے۔ خلیق احمد نظامی کے بقول: ” جو جذبہ اور دینی بصیرت اللہ نے انہیں عطا فرمایا تھا اس کی مثال اس عہد میں مشکل سے ملے گی۔ گذشتہ صدی میں کسی بزرگ نے چشتیہ سلسلہ کے اصلاحی اصولوں کو اس طرح جذب نہیں کیا جس طرح مولانا محمد الیاس نے کیا تھا۔

[1] امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق، ص: 213

toobaafoundation.com

3۔ تحریک آزادی وطن:۔

"انیسویں صدی کی تیسری اہم تحریک آزادی وطن کی تھی اس سلسلہ میں خود حضرت حاجی صاحبؒ اور ان کے منسلکین نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے وہ ہندوستان کی تاریخ میں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ انہوں نے ہندوستان سے انگریز حکومت کا اقتدار ختم کرنے کے لئے جن مصائب کا سامنا کیا تاریخ ہند کا کوئی دیانت دار مؤرخ ان کو بھلا نہ سکے گا۔"[1]

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلفاء کے اسماء گرامی:

ڈاکٹر قاری فیوض الرحمٰن نے اپنی کتاب 'حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور ان کے خلفاء' میں ان کے پینسٹھ (65) خلفاء کے حالات وواقعات ذکر کیے ہیں۔ ذیل میں ان کے چند خلفاء کے اسماء ذکر کیے جاتے ہیں:

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م1323ھ)، مولانا محمد قاسم نانوتوی (1297ھ)، مولانا خلیل احمد سہارن پوری (م1346ھ)، مولانا حکیم عبدالحی الحسنی لکھنوی (م 1341ھ)، مولانا کرامت اللہ دہلویؒ (م1928ء)، مولانا محمد علی مونگیری (م1331ھ)، اور مولانا اشرف علی تھانویؒ (م1363ھ) قابل ذکر ہیں"[2]

مولانا اشرف علی تھانویؒ اور ان کے خلفاء:۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کا تفصیلی تعارف اس باب کی چوتھی فصل میں دیا گیا ہے اور ان کی تصنیفات کا تذکرہ پانچویں فصل میں کیا گیا ہے۔ ذیل میں سلسلہ چشتیہ کی مناسبت سے ان کے اپنے شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے تعلق سلوک وطریقت اور مولانا تھانویؒ کے تربیت یافتہ خلفاء کے نام ذکر کیے جاتے ہیں:

مولانا تھانویؒ نے 1299ھ میں (جبکہ ابھی وہ تحصیل علم میں مشغول تھے) مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ہاتھ ایک والا نامہ بھیج کر حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ہاتھوں غائبانہ بیعت کا شرف حاصل کیا۔ پھر 1301ھ میں اپنے والد محترم کے ہمراہ جب حج پر گئے تو دست بدست بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اسی موقع پر حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے ان کو کہا تھا کہ میرے پاس چھ ماہ رہ کر باطنی تربیت حاصل کرو لیکن جب والد محترم نے وہاں ٹھہرنے کی اجازت نہ دی تو واپس وطن ہندوستان آگئے اور یہاں آکر تدریسی اور دعوتی سرگرمیوں میں مشغول رہے۔ پھر 1310ھ میں جب دوبارہ حج کی سعادت حاصل

---

[1] تاریخ مشائخ چشت (ن)، ص: 248۔249

[2] حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور ان کے خلفاء، ص: 3۔4

toobaafoundation.com

کرنے کا موقع ملا تو انہوں نے اپنے شیخ کی نصیحت کے مطابق ان کے پاس چھ ماہ رہ کر روحانی تربیت اور سلوک کی منازل طے کیں۔[1]

وطن واپس آکر اپنے شیخ سے مولانا تھانویؒ خط و کتابت کے ذریعے رابطے میں رہے۔ چنانچہ 12 ربیع الثانی 1314ھ کو مولانا تھانویؒ کے ایک مکتوب کے جواب میں مہاجر مکی نے انہیں اپنی خانقاہ تھانہ بھون جانیکی طرف جانے کو کہا۔ چنانچہ اس مکتوب میں ہے کہ:

"۔۔۔ اگر خدانخواستہ تمہاری طبیعت کسی وجہ سے دل برداشتہ ہو اور قصد یہ ہو کہ مدرسہ کانپور چھوڑا جائے تو اس حالت میں میری رائے یہ تھی کہ اور جگہ سے تھانہ بھون جانا مناسب ہے۔[2] چنانچہ 1315ھ کو مولانا تھانوی مدرسہ کانپور کے تمام معاملات کو دو لوگوں کے سپرد کرنے کے بعد اپنے شیخ کے حکم کے مطابق تھانہ بھون میں خانقاہ امدادیہ میں منتقل ہو گئے۔ جس کی اطلاع جب انہوں نے اپنے شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کو کی تو وہاں سے خوشی کا اظہار ان الفاظ میں کیا گیا:

"۔۔۔ بہتر ہوا کہ آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے امید ہے آپ سے خلائق کثیر کو فائدہ ظاہری و باطنی ہو گا اور سلسلہ جاری رہے گا۔[3]

اس کے بعد مولانا تھانویؒ نے اپنی پوری زندگی تھانہ بھون کی اس خانقاہ میں گزاری اور دین اسلام کے فروغ اور تبلیغ کی دوسری خدمات کے ساتھ ساتھ اپنے مریدین میں سے ایسے لوگوں کو اپنی خلافت سے نوزا جنہوں نے اقوام عالم تک دعوت دین کو پہنچایا اور لوگوں کو تقوٰی و احسان کی حقیقی روح سے روشناس کیا۔

ذیل میں مولانا کے خلفاء کے صرف اسماء ذکر کیے جاتے ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلفاء کے نام:

1. مولانا عبدالرحمٰن بکھراوی (م ۱۹۲۲ء)۔
2. مولانا عبدالحیی حیدرآبادی (م ۱۹۳۰ء)۔
3. مولانا اسحاق بردوانی (م ۱۹۳۹ء)۔
4. مولانا احمد علی فتح پوری (م ۱۹۴۰ء)۔

---

[1] اشرف السوانح، 1/236-252

[2] اشرف السوانح، 1/275

[3] ایضاً، 1/328

toobaafoundation.com

5. مولانا بخشیش احمد کوئریا پاری(م ۱۹۴۲ء)۔

6. مولانا پروفیسر محمد عیسی الہ آبادی(م ۱۹۴۳ء)۔

7. مولانا حبیب اللہ بنگالی(م ۱۹۴۳ء)۔

8. مولانا عبد الخالق ہوشیار پوری(م ۱۹۴۵ء)۔

9. حافظ مظہر احمد تھانوی(م ۱۹۵۰ء)۔

10. شیخ ثامن علی سندیلوی(۱۹۵۰ء)۔

11. سید حسن نگرامی(۱۹۵۰ء)۔

12. مولانا عبد الجبار ہارون آبادی(۱۹۵۱ء)۔

13. مولانا عبد الودود مردانی(۱۹۵۲ء)۔

14. مولانا محمد طاہر قاسمی(۱۹۵۲ء)۔

15. مولانا عبد المجید کوٹھیاوی(۱۹۵۴ء)۔

16. مولانا حافظ جلیل احمد شیروانی(۱۹۵۵ء)۔

17. منشی محمد یعقوب کلانوری(۱۹۵۸ء)۔

18. مولانا قاری محمد حبیب اللہ اعظمی(م ۱۹۶۰ء)۔

19. مولانا سید حسن(۱۹۶۱ء)۔

20. مفتی محمد حسن لاہوری(م ۱۹۶۱ء)۔

21. مولانا واحد بخش بھاولپوری(م ۱۹۶۲ء)۔

22. مولانا سلطان محمود گجراتی(م ۱۹۶۵ء)۔

23. مولانا شیر محمد مہاجر مدنی(م ۱۹۶۶ء)۔

24. مولانا عبد الحمید وزیرستانی(م ۱۹۶۶ء)۔

25. صوفی شہاب الدین میرٹھی(م ۱۹۷۰ء)

26. مولانا خیر محمد ملتانی(م ۱۹۷۰ء)۔

27. مولانا سید نذیر احمد کرنالی(م ۱۹۷۳ء)

28. مولانا محمد صابر امروھی(م ۱۹۷۳ء)۔

29. مولانا ظفر احمد عثمانی(م ۱۹۷۴ء)۔

toobaafoundation.com

30. مولانا اطہر علی بنگالی (م ۱۹۷۶ء)۔

31. مولانا مفتی محمد شفیع (م ۱۹۷۶ء)۔

32. مولانا محمد یوسف بنوری (م ۱۹۷۷ء)۔

33. مولانا عبد اللہ ملتانی (م ۱۹۷۸ء)۔

34. مولانا محمد سعد رام پوری (م ۱۹۷۹ء)۔

35. مولانا عبد الوہاب بنگالی (م ۱۹۸۲ء)۔

36. مولانا قاضی عبد السلام نوشہروی (م ۱۹۸۴ء)۔

37. ماسٹر محمد شریف ملتانی (م ۱۹۸۵ء)۔

38. مولانا محمد اللہ بنگالی (م ۱۹۸۷ء)۔

39. مولانا مسیح اللہ خان (م ۱۹۹۲ء)۔ وغیرہ[1]

سلسلہ چشتیہ کی شاخیں اور خصوصیات:۔

سید ابو الحسن ندویؒ کے بقول اس کی دو مشہور شاخیں ہیں:

1۔ نظامیہ، یہ شاخ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء کی طرف منسوب ہے۔

2۔ صابریہ، یہ شاخ حضرت پیران کلیر شیخ علی صابر کی طرف منسوب ہے اس شاخ کے آخر میں سب سے روشن چراغ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ ہیں۔

سلسلہ چشتیہ کی خصوصیات:۔

1. چشتیہ سلسلہ کی اساس حفظ انفاس کے ساتھ ذکر بالجہر پر ہے۔
2. شیخ سے محبت اور تعظیم کا تعلق رکھا جاتا ہے۔
3. چلہ کشی
4. روزہ کی کثرت
5. تہجد کی پابندی
6. وضو کا اہتمام

---

[1] حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور ان کے خلفائے کرام، ص: 3-7

toobaafoundation.com

7. کم سونا، کم کھانا اور کم بولنا
8. ترکِ غفلت
9. نفسیاتی بصیرت کی اعلی استعداد[1]

نمبر2: سلسلہ سہروردی:۔

اس سلسلہ کے بانی شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ہیں۔ حضرت شیخ شہاب الدین ابو حفص عمر بن عبد اللہ 539ھ میں ایران کے صوبہ جبال میں بمقام سہرورد پیدا ہوئے۔ آپ شافعی المذہب عالم دین تھے۔ اپنے چچا ضیاءالدین سہروردیؒ صاحب "آداب المریدین" سے بیعت ہوئے اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اور سہروردیہ سلسلے کے بانی کہلائے۔ آپ نے حضرت عبد القادر گیلانیؒ سے بھی فیض حاصل کیا۔[2]

ان کی کتاب عوارف المعارف علم تصوف پر اعلی ترین تصانیف میں تصور کی جاتی ہے۔ ان کی وفات 632ھ میں ہوئی۔ ان کی کتاب عوارف المعارف میں خانقاہی نظام کی تمام تفصیلات درج ہیں۔[3]

اس سلسلے کے ہندوستان میں پھیلانے والے بزرگ شیخ بہاؤالدین زکریاء ملتانیؒ ہیں۔

سلسلہ سہروردیہ کی خصوصیات:

1. رات دن کے اوقات کو نظام کے ساتھ ان کاموں میں لگا دینا جو مناسب و بہتر ہیں۔ مثلاً روزہ، تہجد، ادعیہ ماثورہ کی پابندی۔
2. اوراد و وظائف کی پابندی
3. نفی اور اثبات کے ذکر میں مشغول رہنا
4. توجہ شیخ
5. نسبت عثمان کا ظہور وغیرہ

نمبر3: سلسلہ قادریہ:۔

---

[1] ندوی، سید ابو الحسن، مولانا، سلاسل اربعہ، مرتب: سید محمود حسن ندوی، سید احمد شہید اکیڈمی، رائے بریلی، ھند (انڈیا)، س،ن، ص: 25؛ تصوف اور سریت، ص: 217

[2] سلاسل اربعہ، ص:25

[3] تاریخ مشائخ چشت (ن)، ص: 155

toobaafoundation.com

سلسلہ قادریہ کے بانی حضرت محی الدین ابو محمد عبد القادر گیلانیؒ ہیں۔ ان کی ولادت 471ھ میں ہوئی اور وفات 561ھ میں ہوئی"۔[1]

عبد القادر گیلانیؒ علوم ظاہری و باطنی کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے۔ ان کے بارے میں علی میاںؒ یوں رقمطراز ہیں:

" اعلیٰ مراتب ولایت پر فائز ہونے اور نفوس اخلاق کی اصلاح و تربیت میں ہمہ تن مشغول ہونے کے ساتھ آپ درس و تدریس، افتاء اور تصحیح اعتقاد اور مذہب اہل سنت کی نصرت و حمایت سے غافل نہ تھے۔ مدرسہ میں ایک سبق تفسیر کا، ایک حدیث کا، ایک فقہ کا، اور ایک اختلاف آئمہ کا اور ایک ان کے دلائل کا پڑھاتے تھے۔ صبح و شام تفسیر، حدیث، فقہ، مذاہبِ آئمہ، اصول فقہاء اور نحو کے اسباق ہوتے: ظہر کے بعد تجوید کی تعلیم ہوتی، اس کے علاوہ افتاء کی مشغولیت تھی۔[2]

سلسلہ قادریہ کی خصوصیات:۔

1. نوافل کا اہتمام
2. ذکر کی پابندی ہے تاکہ اللہ کا استحضار ہر وقت قائم رہے اور بندہ ہر وقت اپنے کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں محسوس کرے۔ اس سلسلے کی بہت سطحی شاخیں ہیں۔ اور اس کے اوراد بہت متنوع ہیں۔[3]

نمبر4: سلسلہ نقشبندیہ:۔

اس سلسلے کے مختلف اوقات میں مختلف نام آئے ہیں۔ مثلاً صدیقیہ، طیفوریہ، خواجگانہ اور نقشبندیہ مجددیہ۔ اس سلسلہ کے بانی حضرت خواجہ بہاؤالدین محمد نقشبندؒ (م 791ھ) ہیں۔ یہ بخارا کے رہنے والے تھے اور وہیں ان کا مزار بھی ہے۔ اور یہ سلسلہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی طرف منسوب ہے۔

مختلف زمانوں میں اس کے مختلف القاب رہے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے شیخ بایزید بسطامیؒ تک اسے صدیقیہ کہتے ہیں۔ اور شیخ بایزید بسطامیؒ سے خواجہ عبد الخالق غجدوانی تک طیفوریہ اور خواجہ عبد الخالقؒ سے خواجہ بہاؤالدین نقش بند تک خواجگانہ کہلاتا ہے۔ اور حضرت خواجہ نقشبند سے حضرت امام ربانی مجدد الفِ ثانیؒ کے زمانے تک نقشبندیہ مجددیہ کہلاتا ہے۔[4]

---

[1] سلاسل اربعہ، ص: 27

[2] ایضاً، ص:27

[3] ندوی، ابوالحسن علی، سید، تاریخ دعوت و عزیمت، ص: 259-260

[4] سلاسل اربعہ، ص: 25

toobaafoundation.com

سلسلہ نقشبندیہ کی خصوصیات:۔

1. عقائدِ دینیہ کی تصحیح
2. کثرت عبادت
3. حضور مع اللہ: اس سلسلے کی بہت ساری شاخیں پھیلیں لیکن اصلاً اس سلسلے کی دو بڑی شاخیں ہیں۔

1۔ باقیہ 2۔ علائیہ[1]

خلاصہ بحث:۔

تصوف کے آغاز وارتقاء کے بارے میں دو گروہ یا نقطہ ء نظر پائے جاتے ہیں۔ 1۔ روایتی: ان کے نزدیک تصوف کی ابتداء عہد رسالت سے ہوتی ہے۔ 2۔ تحقیقی: یہ لوگ اگرچہ تصوف کی استنادی حیثیت کو مانتے ہیں لیکن اس کی ابتداء کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تصوف کے چار ادوار کا ذکر کیا ہے اور ہر دور کے صوفیاء کا تذکرہ اور اس میں تصوف کی خصوصیات کا بھی ذکر کیا ہے۔ جنید بغدادیؒ کے زمانے تک بعض سلاسل تصوف کا تذکرہ ملتا ہے لیکن یہ سارے سلاسل برحق نہ تھے۔ پاک وھند کے چار مشہور سلاسل ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ سلسلہ چشتیہ 2۔ سلسلہ سہروردیہ 3۔ سلسلہ قادریہ 4۔ سلسلہ نقشبندیہ۔

حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ اور ان کے خلیفہ مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے مریدین کو چاروں سلاسل پر بیعت کرتے تھے۔ لیکن ان کا زیادہ جھکاؤ سلسلہ چشتیہ کی طرف ہے۔

[1] توکلی، محمد نواز بخش، تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، نوری بک ڈپو، لاہور، س،ن، ص: 472

toobaafoundation.com

فصل چہارم

مولانا اشرف علی تھانویؒ۔۔۔سوانح و آثار

toobaafoundation.com

فصل چہارم: مولانا اشرف علی تھانویؒ۔۔۔ سوانح و آثار

خالقِ ارض و سماء نے جب زمین میں اپنا خلیفہ بنانے کا ارادہ کیا تو پہلے انسان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور اس میں اپنی روح پھونکی اور اس پہلے انسان حضرت آدمؑ کو نبوت کے عظیم مرتبہ پر فائز کیا اور انھیں زندگی گزارنے کیلئے آسمانی صحیفے عطاء کئے، لہٰذا حضرت آدمؑ اس کائنات کے پہلے انسان ہونے کے ساتھ ساتھ سلسلہِ انبیاء کی پہلی کڑی اور خاتم الرسل محمد مصطفی ﷺ اس سلسلة الذهب کی آخری کڑی ہیں۔ محمد ﷺ پر نازل ہونے والا دین آخری آسمانی دین ہے جو تا قیامت انسانیت کا رہنما ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آخری آسمانی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے۔ پھر علماء چونکہ انبیاء کے وارث ہیں لہٰذا علماء نے آپ ﷺ کے بعد ہر زمانے میں حفاظتِ دین اور تبلیغ دین کی ذمہ داری کو اپنی وسعت کے مطابق ادا کیا ہے۔ ان ہی علماء میں سے ایک نام مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ہے۔

ذیل میں مولانا تھانویؒ کی مختصر سوانح حیات اور انکی عملی خدمات کو بیان کیا جاتا ہے۔

پیدائش:۔

کسی ابنِ آدم کی پیدائش کے موقع پر اسکی سعادت و شقاوت، اسکی دیدہ وری، اسکی شہرت اور گمنامی کے بارے میں کچھ جاننا اور پیش گوئی کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخِ پیدائش کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ لہٰذا تاریخِ انسانی کے مشاہیر کی تاریخ ہائے پیدائش کے بارے میں بھی علم یقینی نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ محسنِ انسانیتؐ کی تاریخِ ولادت کو بھی تاریخ نے قطعیت کے ساتھ محفوظ نہیں کیا اور اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

مولانا تھانویؒ، جنھیں تاریخ نے حکیم الامت کا لقب دیا۔ ان کا دامن بھی تاریخِ انسانی کے اس مذاق سے نہ بچ سکا۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ماہِ ولادت کے سلسلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ گو تاریخِ ولادت اور سنِ ولادت کے بارے میں اتفاق پایا جاتا ہے۔

مولانا تھانویؒ کی تاریخِ پیدائش کے متعلق عزیز الحسن مجذوب لکھتے ہیں:

”حضرتِ والا کی ولادت باسعادت ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ کو چہار شنبہ کے دن بوقت صبحِ صادق واقع ہوئی“۔[1]

قاری فیوض الرحمٰن مولانا تھانویؒ کی تاریخِ پیدائش کے بارے میں لکھتے ہیں:

[1] خواجہ عزیز الحسن مجذوب و مولانا عبد الحق، اشرف السوانح، ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، 1427ھ، 1/ 45

toobaafoundation.com

"مولانا تھانویؒ ۵ ربیع الآخر ۱۲۸۰ھ میں تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے"[1]

سہ ماہی حسن تدبیر دہلی کے مقالہ نگار اس ضمن میں لکھتے ہیں

"Molana Ashraf Ali Thanwi born at the early hours of Wednesday on 5 rabi-ul-thani 1280 A.H (1863 A.D) at thana bhawan village muzzafar nagar district of western uttar pardesh"[2]

بعض سوانح نگاروں کے نزدیک ربیع الاول کے مہینہ میں پیدائش ہوئی[3] جبکہ بعض کے نزدیک ربیع الآخر[4] اور کچھ کے نزدیک ماہِ ولادت جمادی الثانی ہے۔[5]

سنِ عیسوی کے حساب سے تاریخ پیدائش ۱۹ ستمبر ۱۸۶۳ء ہے۔[6]

مذکورہ آراء کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مولانا تھانویؒ کی ولادت کے متعلق مختلف فیہ مہینہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ چونکہ ان حضرات میں سے اکثریت ربیع الثانی کو مولانا تھانویؒ کا ماہِ پیدائش قرار دیتی ہے۔ لہٰذا ۵ ربیع الثانی کو ہی تاریخِ پیدائش تسلیم کیا جانا قرین قیاس ہے۔

مولانا تھانویؒ کا وطن مالوف اور نام ونسب:۔

مولانا تھانویؒ 'تھانہ بھون' میں پیدا ہوئے۔ مسلمانوں کی حکومت سے پہلے راجہ بھیم نے ضلع مظفر نگر میں ایک قلعہ اپنے نام سے آباد کیا جو "تھانہ بھیم" کہلایا۔ پھر مسلمانوں کی آمد وسکونت پر اسکا نام محمد پور ہوا۔ جس کا ثبوت اس وقت کے شاہی کاغذات سے ملتا ہے مگر یہ نام مقبول ومشہور نہ ہوا اور وہی پرانا نام معروف رہا البتہ تھانہ بھیم سے تھانہ بھون ہو گیا۔ اسی کی نسبت سے مولانا تھانوی کہلائے۔[7]

---

[1] فیوض الرحمٰن، حافظ قاری، ڈاکٹر، حضرت حاجی امداد اللہ مھاجر مکیؒ اور انکے خلفاء، مجلسِ نشریاتِ اسلام، کراچی، 1997ء، ص:301

[2] مناظر امام، مولانا اشرف علی تھانویؒ بیسویں صدی کے مذہبی مصلح، سہ ماہی حسن تدبیر دہلی، حکیم الامت نمبر جلد:3 شمارہ:30، مئی۔ اکتوبر 2007ء، ص: 289

[3] اشرف المقالات، 1/ 73

[4] ایضاً، 1/ 73

[5] خان، عبدالرحمٰن منشی، سیرتِ اشرف، شیخ اکیڈمی، لاہور، 1977ء، 1/ 61

[6] موجِ کوثر، ص:204

[7] عبدالرشید ارشد، بیس بڑے مسلمان، مکتبہ رشیدیہ، لاہور، س،ن، ص: 308

toobaafoundation.com

عزیز الحسن مجذوبؒ کے مطابق جنگِ آزادی سے قبل تھانہ بھون کی آبادی تقریباً اڑتالیس ہزار جبکہ بعد از غدر چھتیس ہزار رہ گئی اور اب تو صرف چھ یا سات ہزار رہے۔[1]

تھانہ بھون کی تاریخی اہمیت:۔

تھانہ بھون کی تاریخی اہمیت کے بارے میں منشی عبد الرحمٰن خان لکھتے ہیں۔" ۱۸۵۷ کی جنگِ آزادی میں یہ قصبہ مجاہدین کا مرکز رہا جبکہ وہاں کے لوگ قاضی محبوب علی خان کے بھتیجے قاضی عنائیت علی خان کی زیر قیادت جنگِ آزادی میں کود پڑے اور پھر انھوں نے بڑی بہادری سے تحصیل اور شاملی پر قبضہ کر لیا اور اسکی حفاظت صرف ۱۱۳ افراد کر رہے تھے انکو موت کی نیند سلا دیا۔ بعد ازاں سکھوں اور گورکھوں نے مسلسل سات گھنٹے جنگ جاری رکھنے کے بعد ایک مجسٹریٹ کی زیرِ سرکردگی اس پر قبضہ کر لیا۔ اور اسکے در و دیوار پیوندِ زمین کر دئے۔ تاریخ میں یہ سارے علاقے مردم خیز درج ہیں۔ اس قصبہ اور اسکے ملحقہ قصبات میں تعلیمِ دین کے بڑے بڑے ادارے واقع ہیں۔ جس کثرت سے اس علاقے میں علماء و فضلاء و مشائخ گزرے ہیں اسکی نظیر ہندوستان کے کسی دوسرے خطہ میں نہیں مل سکتی، اس لیے ایک انگریز افسرِ بندوبست نے اپنی رپورٹ میں اس علاقہ کے باشندوں کی ذہنی قابلیت کو تسلیم کرتے ہوئے تھانہ بھون کے لوگوں کو عاقلان بھون کا لقب دیا۔"[2]

مولانا تھانویؒ کا نام و نسب:۔

مولانا تھانویؒ کا دادھیالی نام ' عبد الغنی' تھا، مگر حافظ مرتضیٰ پانی پتی نے جنکی انکے ننھیال پر خاص التفات تھی اور انکے گھر آنا جانا تھا، انکا نام اشرف علی تجویز کیا، چنانچہ آپ اسی نام سے مشہورِ خلائق ہوئے۔ مولاناؒ کے والد کا نام 'منشی عبد الحق' تھا۔ آپ کے والد بڑے صاحبِ وجاھت، صاحبِ منصب اور صاحبِ جائید اد رئیس تھے، اور بڑے اہلِ دل بزرگ تھے۔[3]

مولانا تھانویؒ ایک بڑے مقتدر خوشحال خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس میں ظاہری شوکت و شرافت کے ساتھ ساتھ علم اور روحانیت بھی سمٹ آئی تھی، جب سلطنتِ غزنویہ پر زوال آیا تو آپ کے جدِ اعلی سلطان شہاب الدین علی فرخ شاہ والیِ کابل تھے۔ اس پر جذبہ شہادت جہاد سے سرشار ہو کر انہوں نے کئی بار ہند کے کافروں کو زیر کیا۔ اور خود بامراد ہوئے، لیکن قدرت نے انکے مقدر میں حکمرانی اور جاہ و جلال کے ساتھ ساتھ دین کی سربلندی اور سرفرازی بھی لکھی ہوئی تھی۔ چنانچہ

---

[1] اشرف السوانح، 1/ 43

[2] سیرتِ اشرف، 1/ 52

[3] بیس بڑے مسلمان، ص308

toobaafoundation.com

آخر میں کابل کے کوہساروں کو گوشۂ عزلت بنا کر یہ بزرگان چشت کے سلسلہ میں منسلک ہو کر ایک عالم کو روحانی فیوضات و برکات سے بہرہ مند کرتے رہے اور آج تک یہ مقام درہ شاہ فرخ کے نام سے مشہور و مقبول ہے۔[1]

مولانا تھانویؒ کے والد کا تعارف کرواتے ہوئے مولانا مجذوب لکھتے ہیں۔

"مولانا تھانویؒ دادھیال کی طرف سے فاروقی اور ننھیال کی طرف سے علوی ہیں۔ والد کا اسمِ مبارک 'عبدالحق' تھا۔ آپ قصبہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر کے ایک مقتدر رئیس اور نقد و جائیداد تھے۔ فارسی میں بہت اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے۔ اور بہت اچھے انشاء پرداز تھے۔ وہ باقاعدہ عربی خواندہ تو نہ تھے لیکن انکے مخارج بہت صحیح تھے اور گو حافظ تو نہ تھے لیکن ناظرہ ایسا رواں تھا کہ بعض اوقات حافظوں کو بھی لقمہ دیا کرتے تھے۔[2]

مولانا تھانویؒ کی والدہ ماجدہ:۔

مولانا تھانویؒ کی والدہ ماجدہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک ذکی الفہم، صاحبِ بصیرت، صاحبِ نسبت بی بی تھیں۔

مولانا تھانویؒ کا نسب نامہ:۔

مولانا تھانویؒ نے اپنا نسب خود اسطرح بیان کیا ہے۔

"اشرف بن منشی عبدالحق بن حافظ فیض علی بن غلام فرید شہید بن محمد جلال بن رحمت اللہ بن امام اللہ (جو ۹۸۳ھ میں موجود تھے) ابنِ عتیق اللہ خطیب (صاحبِ فرمان مصدرہ ۸ جمادی الاول ۲ جلوس عالمگیری) ابنِ حافظ حبیب اللہ (صاحبِ فرمان عہدِ جہانگیری) ابنِ شیخ آدم (صاحبِ فرمان عہدِ اکبر اولبشر اکت برادر خود فرید) ابنِ مولانا صدر جہاں جدِ اعلیٰ خطیبان موجود دور ۹۷۰ھ بعہد اکبر اول"[3]

شجرہ نسب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مولانا تھانویؒ کے خاندان میں علم و تقویٰ نسل در نسل چل رہا تھا۔ یہاں دادھیال کے ساتھ ننھیال کا ذکر بھی بے موقع نہ ہو گا کیونکہ آپکے ننھیال بھی اعلیٰ علمی زوق رکھتے تھے۔ جیسا کہ انکے ماموں امداد علیؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک بہت زبردست اچھے حال و قال بزرگ تھے۔[4]

---

[1] غلام محمد، ڈاکٹر، حیاتِ اشرف، مکتبۃ تھانوی، کراچی، س،ن، ص:21

[2] اشرف السوانح، 1/34

[3] سیرتِ اشرف، 1/55

[4] بیس بڑے مسلمان، ص: 309

toobaafoundation.com

مولانا کے نانا بھی بہت بڑی علمی شخصیت تھے جنکا تعارف مفتی عبد الرحمٰن خان یوں کرواتے ہیں۔ "پیر جی نجابت علی، اعلیٰ فارسی دانی، لطیفہ گوئی، حاضر جوابی اور بذلہ سنجی کی وجہ سے بہت مشہور و مقبول تھے اور ریاست کنج پورہ میں بعہدہ وکیل ریاست تھے۔ انکی ذات پر ذکر و شغل کا اس قدر غلبہ ہوا کہ انہوں نے خود کو فکرِ معاش اور ادائے حقوق سے بے نیاز کر لیا۔[1]

گویا مولانا تھانویؒ کو تقوی اور پرہیز گاری، فہم و فراست اور غور و فکر جیسی صفات داد ھیال اور ننھیال سے ورثے میں ملی تھیں انہی صفات کی بناء پر دینِ متین کی خدمت سے آپ مرجع خلائق بنے۔

مولانا تھانویؒ کا لقب:۔

مولانا تھانویؒ کا لقب 'حکیم الامت' ہے اور اسی لقب کی وجہ سے مولانا تھانوی خلائق میں مشہور ہیں۔ اس لقب کے بارے میں خواجہ عزیز الحسن مجذوب تحریر فرماتے ہیں۔"لقب گرامی حکیم الامت ہے جو کہ ایک عرصہ دراز سے حق تعالیٰ نے قلوبِ خواص و عام میں القاء فرمادیا ہے۔ اور جو بلاد و امصار میں عام طور پر شائع و ذائع ہے۔ سب سے پہلے جناب مولوی مرزا محمد بیگ صاحب مرحوم مالک مطبع محبوب المطابع دہلی نے یہ لقب حضرت والا کے پتہ میں تحریر فرمایا تھا۔ اسکے بعد خود بخود نہ معلوم کس طرح منجانب اللہ زبان زدِ خاص و عام ہو گیا۔[2]

اس لقب کے بارے میں مفتی عبد الشکور ترمذیؒ لکھتے ہیں۔" یہ لقب منجانب اللہ قلوب مسلمین میں القاء ہوا، اس کے لئے کوئی جلسہ کیا گیا نہ کسی اجتماع میں ریزولیوشن پاس کیا گیا۔ خود بخود اللہ تعالی نے تمام مسلمانوں کے دلوں میں آپ کیلئے یہ لقب ڈال دیا۔ اور اس لقب سے مشہور ہو گئے۔[3]

تحصیل علم:۔

منشی عبد الحق کے دو فرزند تھے بڑے بیٹے کا نام اشرف علی اور چھوٹے بیٹے کا نام اکبر علی تھا۔ تو مولانا تھانویؒ کے والد نے اپنے بچوں کی دلچسپی اور ذہنی استعداد کو دیکھتے ہوئے اشرف علی کو عربی اور دینیات کی تعلیم میں اور چھوٹے بیٹے اکبر علی کو انگریزی علم کے حصول میں لگا دیا۔ اس پر جب مولانا تھانویؒ کی تائی صاحبہ نے کہا کہ اشرف علی عربی پڑھ رہا ہے وہ کھائے گا کہاں سے ؟ تو مولانا تھانویؒ کے والدِ محترم نے کہا کہ خدا کی قسم جس کو تم کمانے والا سمجھتی ہو اس جیسے اسکی جوتیوں سے لگے لگے پھریں گے اور یہ انکی جانب رخ بھی نہ کرے گا۔[4]

---

[1] سیرتِ اشرف، 1/56

[2] اشرف السوانح، 1/32

[3] ترمذی، عبد الشکور، مفتی، پاک و ھند کے نامور علماء و مشائخ، ادارہ اسلامیات، لاہور، 2006ء، ص:92

[4] بیس بڑے مسلمان، ص:308

toobaafoundation.com

چنانچہ حقیقت بھی یہی ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہ کے جو خاص بندے ہوتے ہیں، اللہ انہیں مخلوق میں بھی مقبول و محبوب بنا دیتے ہیں۔ چنانچہ نبی کریمؐ کے علم وحکمت کے اس وارث کو اللہ نے بچپن میں ہی اپنوں اور بیگانوں میں مقبول بنا دیا تھا۔

حفظِ قرآن:۔

آپ کی تعلیم کا آغاز کلام پاک سے ہوا اور قرآنِ پاک کے چند پارے آپ نے کھتولی ضلع مظفر نگر کے رہنے والے حافظ آخون جیؒ سے پڑھے۔ پھر باقی سارا قرآن حافظ حسین علیؒ سے جو دہلی کے باشندے تھے اور میرٹھ رہا کرتے تھے ان سے حفظ کیا۔ اور دس برس کی عمر میں حفظِ قرآن سے فراغت پالی تھی۔[1]

فارسی کی تعلیم:۔

یہ وہ دور تھا جس میں تعلیم کا آغاز فارسی سے کیا جاتا تھا۔ اسلئے مولانا تھانویؒ نے فارسی کی ابتدائی تعلیم میرٹھ کے اساتذہ سے ہی حاصل کی۔ متوسطات تھانہ بھون میں مولانا فتح محمدؒ سے پڑھیں اور انتہائی کتبِ فارسی ابوالفضل تک اپنے ماموں واجد علیؒ سے پڑھیں۔ جن کا شمار فارسی ادب کے کامل اساتذہ میں ہوا کرتا تھا۔[2]

عربی کی تعلیم وفراغت:۔

عربی کی ابتدائی کتابیں مولانا تھانویؒ نے اپنے وطن تھانہ بھون میں ہی مولانا فتح محمدؒ سے ہی پڑھیں مگر اسکی باقاعدہ تعلیم دارالعلوم دیوبند پہنچ کر حاصل کی۔ مشکوٰۃ شریف، مختصر المعانی، نورالانوار اور ملا حسن، دارالعلوم دیوبند میں جاکر شروع کی تھیں۔ مولانا تھانوی ۱۹ یا ۲۰ سال کی عمر میں ہی بفضلہ تعالیٰ فارغ التحصیل ہو گئے تھے۔ مدرسہ دارالعلوم دیوبند میں ۵ سال بسلسلہِ طالب علمی رہنا ہوا۔ آخر ذیقعدہ میں ۱۲۹۵ھ میں وہاں داخل ہوئے اور ۱۳۰۱ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔[3]

بحیثیتِ طالب علم خوبیاں:۔

مولانا تھانویؒ بہت باصلاحیت اور ذہین طالبعلم تھے۔ آپ کی ذھانت اور ذکاوت کے بارے میں آپ کے ایک ممتحن کا اعتراف درج ذیل ہے۔

مولانا سید احمدؒ نے جب آپ کے سکندر نامہ کا امتحان لیا۔ تو آپ کو ایک شعر کا وہ مطلب یاد نہ رہا جو آپ کے استاد نے بتایا تھا۔ اس لئے آپ نے فوراً اپنی طرف سے اسکا مطلب بیان کر دیا۔ مولانا نے دریافت کیا کہ کوئی اور مطلب بھی

---

[1] اشرف المقالات، 1/171؛ سیرتِ اشرف، 1/68

[2] اشرف السوانح، 1/56؛ اشرف المقالات، 1/171

[3] سیرتِ اشرف، 1/68؛ اشرف السوانح، 1/57

toobaafoundation.com

ہو سکتا ہے تو آپ نے فوراً اپنی طرف سے دوسرا مطلب بھی بیان کر دیا۔ مولانا نے پھر پوچھا کہ اسکے علاوہ کوئی اور مطلب ہو سکتا ہے تو آپ نے تیسرا مطلب بھی بیان کر دیا اس پر مولانا نے فرمایا کہ ان میں سے تمھارا کوئی مطلب بھی صحیح نہیں مگر میں تمہیں صرف تمہاری ذہانت کے نمبر دیتا ہوں۔[1]

دورانِ تعلیم مولانا اپنے نام آنے والے خطوط کو ایک گھڑے میں ڈال دیا کرتے تھے۔ سالانہ امتحانات کے بعد پڑھتے اور تعطیلات میں ان حضرات سے جاکر ملتے پھر لوگوں کے پوچھنے پر کہتے کہ میں وہاں پڑھنے گیا تھا۔ میرا موضوع کتابیں پڑھنا تھا خطوط پڑھنا نہیں تھا۔[2]

مولانا تھانویؒ جو علم بھی حاصل کرتے وہ بہت پختہ ہوتا تھا اور اس پختگیِ علم کی وجہ سے اپنے دور کے طالبعلموں میں نمایاں تھے۔ اس حوالے سے عبدالرشید ارشد لکھتے ہیں۔

"جب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ طلبہ کا امتحان لینے اور دستار بندی کیلئے تشریف لائے تو شیخ الھند مولانا محمد حسینؒ صاحب نے اپنے اس ہونہار طالبعلم کی ذہانت و ذکاوت کی بطورِ خاص مدح فرمائی۔ حضرت گنگوہیؒ نے مشکل مشکل سوالات کئے اور انکے جواب سن کر مسرور ہوئے۔"[3]

فطرت نے مولانا تھانویؒ کو حاضر جوابی، طلاقتِ لسانی اور ذہانت و فطانت کے جواہر سے پوری طرح آراستہ کیا تھا۔ منطق میں مہارت کا اعتراف تشکر کے طور پر ان الفاظ میں فرمایا کرتے تھے۔ الحمدُللہ مجھے منطق میں مہارت حاصل ہے۔ اور میں سچی بات کیوں نہ کہہ دوں۔ کیونکہ نہ تو میں متواضع ہوں۔ نہ متکبر، جو چیز حق تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اسکا کیوں انکار کروں۔ اللہ کی دین ہے میرا کوئی کمال نہیں۔ اور میں اسکو درحقیقت کوئی کمال بھی نہیں سمجھتا۔[4]

مولانا تھانویؒ کا اساتذہ کرام سے محبت و تعلق اور ادب:۔

مولانا تھانویؒ کو اپنے اساتذہ سے اتنا شدید تعلق تھا کہ دوسروں کو نہ تھا، بس یوں کہا جائے کہ عشق تھا۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے " میں نے پڑھنے میں کبھی محنت نہیں کی جو کچھ اللہ نے عطا فرمایا وہ اساتذہ اور بزرگوں کے ساتھ محبت وادب کا تعلق رکھنے کی بدولت عطاء فرمایا ہے اور الحمدللہ میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے کسی بزرگ کو ایک منٹ کیلئے بھی ناراض نہیں کیا

---

[1] سیرتِ اشرف، 1/75

[2] متاعِ وقت اور کاروانِ علم، ص:250

[3] بیس بڑے مسلمان، ص:311

[4] سیرتِ اشرف، 1/69

toobaafoundation.com

اور جتنا میرے قلب میں بزرگانِ دین کا ادب ہے آج کل شاید ہی کسی کے دل میں اتنا ہو۔[1]

مولانا تھانویؒ کے اساتذہ:۔

ذیل میں مولانا تھانویؒ کے اساتذہ کا تذکرہ کیا جائے گا۔

آخون جیؒ:۔

مولاناؒ کی تعلیم کا آغاز قرآن پاک سے ہوا اور ابتدائی طور پر قرآنِ پاک کے چند پارے حافظ آخون جیؒ سے پڑھے، جو ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے۔[2]

حافظ حسین علیؒ:۔

حفظ حسین علیؒ سے کیا۔ حافظ حسین علیؒ بقول مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ دہلی کے رہنے والے تھے۔ اور جب مولاناؒ نے حفظ کیا تو ان کا قیام میرٹھ میں تھا۔[3]

مولانا فتح محمد تھانویؒ:

قرآنِ کریم حفظ کرنے کے بعد فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم مولانا نے فتح محمدؒ تھانوی سے حاصل کی۔ 'سیرتِ اشرف' کے مصنف ان کے بارے میں لکھتے ہیں۔

'ایک بہت جید عالم، کامل درویش، سراپا دین، بہت ہی بابرکت اور صاحبِ نسبت بزرگ تھے۔ مولانا فتح محمد تھانویؒ پہلے حضرت نواب قطب الدین خان دہلوی سے بیعت ہوئے انکے انتقال کے بعد تکمیلِ سلوک کیلئے حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت ہوئے اور پھر مشرف بہ خلافت بھی ہوئے۔ یہ مولانا تھانویؒ کے استادِ اول تھے، جن سے مولاناؒ نے ابتدائی کتب فارسی و عربی پڑھی تھیں۔ یہ مولاناؒ کی خوش قسمتی تھی یا قدرت کا حسنِ انتظام تھا کہ بالکل نوعمری میں جبکہ مولاناؒ کا قلب عام آلودگیوں سے پاک تھا۔ آپکو ایسے کامل اساتذہ ملے جن کی تعلیم و تربیت مولاناؒ کیلئے مفتاح برکات و سادات اور کلید خیرات و حسنات ثابت ہوئی اور جنکے فیض صحبت سے دل میں دین کی محبت پیدا ہو گئی'۔[4]

---

[1] اشرف السوانح، 1/70

[2] حیاتِ اشرف، ص:34

[3] اشرف المقالات، 1/171

[4] سیرتِ اشرف، 1/80

toobaafoundation.com

مولانا تھانویؒ انکے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔" دین کی محبت تو مولانا فتح محمدؒ کی خدمت میں رہ کر ہوئی، انکی مورت دیکھ کر اللہ کی محبت پیدا ہوتی تھی۔[1]

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ:۔

اچھے استاد کا کوئی متبادل نہیں ہوتا اور اچھے استاد کا مل جانا انتہائی خوش قسمتی ہوتی ہے۔ مولانا تھانویؒ نے جب دارالعلوم دیوبند داخلہ لیا تو اسکے ایک سال بعد مولانا نانوتویؒ انتقال کر گئے۔ لہٰذا ان سے مولانا تھانویؒ نے اپنے نصاب کی تو کوئی خاص تعلیم حاصل نہ کی تھی البتہ انکے درس جلالین میں ازراہ عقیدت و شوق تحصیل علم گاہے گاہے شرکت کرتے تھے۔[2]

مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ:۔

دارالعوم دیوبند میں قیام کے دوران مولانا تھانویؒ کو جس استاد سے بہت تعلق خاطر رہا اور جن کے ہاں وقتاً فوقتاً حاضر ہوتے رہتے تھے وہ مولانا یعقوب نانوتویؒ تھے۔ مولانا نانوتوی بڑے صاحب باطن اور صاحب کشف و کرامات تھے اور اولیاء کاملین میں شمار ہوتے تھے[3] ان کے بارے میں مولانا تھانویؒ فرماتے تھے،" ان کا حلقۂ درس کیا ہوتا تھا یہ حال تھا کہ تفسیر کا سبق ہو رہا ہے۔ آیات کا مطلب بیان فرما رہے ہیں اور آنکھوں سے زار و قطار آنسو جاری ہیں۔"[4]

مولانا سید احمد دہلویؒ:۔

مولانا سید احمد دہلویؒ کا شمار بھی آپ کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔ مولانا دہلویؒ نے ریاضی کسی استاد سے نہیں پڑھی تھی صرف اپنی خداداد فہم و فراست سے خود ہی مطالعہ کر کے اس فن کو خود ہی حاصل کیا تھا۔ اور اس فن میں بدرجہ کمال ماہر ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ مولانا یعقوب نانوتویؒ ان کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ۔

" خود اقلیدس بھی اگر ذہین ہو گا تو بس اتنا ہی ہو گا ان سے زیادہ نہ ہو گا"۔[5]

---

[1] تھانوی، اشرف،، مولانا، ارواح ثلاثہ، دارالاشاعت، کراچی، س۔ن، ص: 262

[2] سیرتِ اشرف، 1/81

[3] ایضاً، 1/85

[4] اشرف السوانح، 1/68

[5] سیرتِ اشرف، 1/90

toobaafoundation.com

قاری محمد عبد اللہ مہاجر مکیؒ:۔

مولانا تھانویؒ نے قرأت کا علم اور مشق قاری محمد عبد اللہ مہاجر مکیؒ سے بمقام مکہ معظمہ فرمائی تھی جو قراءِ عرب کے نزدیک بھی نہایت جید اور مسلم ماہر فن قاری تھے اس زمانہ میں قرأت کی مشق کرتے کرتے لہجہ میں اپنے یگانہ فن استاد سے اس قدر مشابہت پیدا ہوگئی تھی کہ جب قاری صاحب مولانا کو مدرسہ صولتیہ کی بالائی منزل پر قراءت کی مشق کرواتے تو نیچے سے جو لوگ سنتے ان کے لئے استاد اور شاگرد کی آوازوں میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتا کہ استاد پڑھ رہا ہے یا شاگرد۔[1] مولانا تھانویؒ کس قدر خوش الحان تھے۔ مولانا کی آواز میں کس قدر تاثیر اور سوز تھا وہ مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کے الفاظ میں سنیئے۔ جب مولانا دریابادیؒ پہلی بار تھانہ بھون میں حاضر ہوئے اور مولانا تھانویؒ کی اقتداء میں نماز ادا کی تو اپنی قلبی اور روحانی واردات کو ان الفاظ میں جامہ پہنایا۔

” صورت کی دلکشی کا تجربہ ابھی ہو چکا تھا صوت کی دلکشی کا اندازہ اب ہوا اور غالب کے دیوان سے ندا آئی۔[2]۔۔۔ وہ جنت نگاہ یہ فردوس گوش ہے۔“

مولانا محمود حسنؒ:۔

مولانا تھانویؒ کے اساتذہ میں ایک اور نمایاں نام مولانا محمود حسنؒ کا بھی ہے جو اسیر مالٹا کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں۔ مولانا محمود حسن ۱۸۵۱ء کو مولانا ذوالفقار علیؒ کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ دار العلوم دیوبند کے پہلے طالبعلم تھے۔ مولانا تھانویؒ جب دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے تو اس وقت مولانا محمود حسن مدرس چہارم تھے بعد میں مدرس اول بھی ہوگئے۔ مولانا تھانویؒ نے اپنے دورِ طالب علمی میں بہت سی کتب انہی سے پڑھیں، مولانا محمد حسن، مولانا قاسم نانوتویؒ کے شاگرد اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خلیفہِ خاص بھی تھے۔[3]

مولانا تھانویؒ کو ان سے بہت عقیدت و محبت تھی اکثر انکا ذکرِ خیر فرماتے رہتے تھے۔ اور انکے کمالات علمیہ اور عملیہ پر ایک رسالہ ’ ذکر محمود‘ کے نام سے بھی تصنیف فرما کر شائع کیا تھا۔

مولانا تھانوی کی درس و تدریس:۔

مولانا تھانوی ایک کامیاب مدرس تھے۔ مولانا جب علوم درسیہ سے فارغ ہوئے۔ انہی دنوں میں کانپور کے مدرسہ ”فیض عام“ میں ایک مدرس کی ضرورت تھی۔ چنانچہ مولانا تھانویؒ کئی سال تک وہاں درس و تدریس کے فرائض سرانجام

---

[1] اشرف السوانح، 1/68

[2] دریابادی، عبد الماجد، مولانا، حکیم الامت نقوش و تاثرات، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ (یوپی)، 2011ء، ص: 19

[3] دار العلوم دیوبند کا پہلا طالبعلم، ص: 654

toobaafoundation.com

دیتے رہے۔ ازاں بعد کچھ ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ مدرسہ ہذا سے علیحدگی اختیار کرلی۔ اور کانپور کی ہی جامع مسجد میں مدرسہ جامع العلوم سے منسلک ہوگئے۔ تدریسی مشاغل کی وجہ سے مولانا تھانویؒ کو تصنیف و تالیف کیلئے وقت نہیں ملتا تھا۔ لہٰذا ۱۳۱۵ھ میں مدرسہ سے سبکدوشی اختیار کرلی اور تھانہ بھون واپس چلے گئے۔ اسکے بعد مولانا بقیہ زندگی خانقاہ امدادیہ سے منسلک رہے۔[1]

مولانا تھانویؒ کے تلامذہ:۔

مولانا تھانویؒ سے کسبِ فیض کرنے والوں کی تعداد خاصی زیادہ ہے۔ تشنگانِ علم کی ایک کثیر تعداد نے اس چشمہ صافی سے اپنی پیاس بجھائی۔ انکی صحیح تعداد کا علم اور تعین کرنا دشوار ہے۔ البتہ صاحب اشرف السوانح نے ایسے ۵۴ طلبہ کے نام درج کئے ہیں جو فارغ التحصیل ہونے کے بعد اس سلسلہ تعلیم و تعلم سے منسلک رہے۔ اور علم کی روشنی پھیلاتے رہے ان میں سے جو زیادہ مشہور ہوئے انکے نام صرف یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔

مولانا محمد رشید کانپوریؒ، مولانا محمد اسحٰق بردوانیؒ، مولانا احمد علی فتح پوریؒ، مولانا صادق الیقین کرسویؒ، مولانا فضل حق بارہ بنکیؒ، مولانا شاہ لطف الرسول بارہ بنکیؒ، مولانا حکیم محمد مصطفٰی مجنوریؒ، مولانا سید اسحاق علی کانپوریؒ اور مولانا سعید احمد اٹاویؒ۔۔۔ وغیرہ[2]

تلامذہ سے محبت و شفقت:۔

مولانا تھانویؒ کو اپنے تلامذہ سے خاص انس اور محبت و شفقت تھی۔ وہ اپنے تلامذہ کے بارے میں اکثر فرمایا کرتے تھے:" اتنا تعلق مجھے اپنے معتقدین سے نہیں جتنا شاگردوں سے ہے کیونکہ معتقدین سے اتنی طبیعت کھلی ہوئی نہیں ہوتی جتنی شاگردوں سے طبیعت کھلی ہوئی اور بے تکلف ہے۔[3]

مولانا تھانویؒ کا صوفیانہ مسلک:۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کا روحانی تعلق حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے تھا۔ جو انکے شیخ، مربی اور مصلح تھے۔ ذیل میں حاجی امداد اللہ کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

---

[1] اشرف المقالات، 1/ 71 ۔ 82 ملخصاً

[2] اشرف السوانح، 1/ 94

[3] ایضاً، 1/ 101

toobaafoundation.com

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ:۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ بروز پیر ۲۲ صفر ۱۲۳۳ھ کو نانوتہ میں پیدا ہوئے۔[1] ان کا آبائی وطن تھانہ بھون ضلع مظفر نگر کا مشہور قصبہ ہے۔ ان کے والد کا نام حافظ محمد امین اور والدہ کا نام حسینی بی بی تھا۔ پہلے انکا نام امداد حسین رکھا گیا۔ جو بعد میں شاہ عبد الحق محدث دہلویؒ نے بدل کر امداد اللہ رکھا جو بعد میں زبان زدِ خاص وعام ہوا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں حاجی امداد اللہ نے خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا لیکن جب جنگِ آزادی ناکام ہوئی تو انگریزوں نے علماءِ حق کے خلاف انتقامی کاروائیاں شروع کردیں جس سے حاجی امداد اللہ ۱۲۷۶ھ میں مکہ مکرمہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اور وہاں تقریباً چالیس سال قیام فرمایا اور ہزاروں بندگانِ خدا کو فیض یاب فرماتے رہے۔ بڑے بڑے معتبر اور نابغہ روزگار علمائے کرام نے ان سے روحانی استفادہ کیا اور آخر میں سلسلہِ طریقت اور تصوف میں حاجی امداد اللہ کی طرف سے خلافت واجازت سے نوازے گئے۔ انکے خلفاء میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اسماء گرامی سرِ فہرست ہیں۔[2]

حاجی امداد اللہ کی مشہور کتب:۔

مہاجر مکیؒ کی چند عمدہ تصانیف بھی ہیں جو سب کی سب محبتِ الٰہی، معرفت اور تصوف کے بارے میں ہیں۔ ان کتب میں 'ضیاء القلوب' فارسی زبان میں اور ارشادِ مرشد گلزارِ معرفت تحفۃ العشاق، جہادِ اکبر، غذاءِ روح اور دردنامہِ غمناک سب کی سب اردو زبان میں ہیں اور ان میں اکثر نظم میں ہیں۔[3]

مہاجر مکیؒ کی رحلت:۔

ان کا وصال ۱۴ جمادی الآخر ۱۳۱۷ھ کو مکہ معظمہ میں ہوا۔ اور جنت المعلیٰ میں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی آخری آرام گاہ کے ساتھ انکو سپردِ خاک کیا گیا۔[4]

---

[1] پاک وھند کے علماء ومشائخ، ص: 35؛ حاجی امداد اللہ مھاجر مکیؒ اور انکے خلفاء، ص:10؛ تھانوی، اشرف علی، مولانا، امداد المشتاق اِلی اشرف الاخلاق، ص:7

[2] پاک وھند کے نامور علماء ومشائخ، ص:35۔36

[3] حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور انکے خلفاء، ص: ۱۲؛ عبد الحیؒ، مولانا، لکھنوی، نزھۃ الخواطر و بھجۃ المسامع والنواظر، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، 1993ء، 8/81

[4] حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور انکے خلفاء، ص:12؛ امداد المشتاق اِلی اشرف الاخلاق، ص:213

toobaafoundation.com

مولانا تھانویؒ کی حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ہاتھ پر بیعت سلوک:۔

ویسے تو مولانا تھانویؒ روحانی تربیت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور مولانا شاہ فضل الرحمٰن مراد آبادیؒ سے بھی لیتے رہے اور انکی دعائیں بھی لیتے رہے۔[1] لیکن باضابطہ طور پر انھوں نے مولانا رشید احمد گنگوہی کے ہاتھ (جب وہ حج کرنے گئے) حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے نام ایک عریضہ لکھا جس میں ان سے بیعت ہونے کی درخواست تھی جسکو مہاجر مکیؒ نے قبول کر لیا اور مولانا تھانویؒ کو غائبانہ بیعت کر لیا۔ لیکن ساتھ ہی انہیں مکہ مکرمہ آنے کی دعوت بھی دی۔ پھر دورانِ قیام کانپور شوال ۱۳۰۱ھ میں ایسے اسباب و وسائل رونما ہوئے کہ مولانا تھانویؒ اپنے والد کے ساتھ حج کیلئے تشریف لے گئے۔ تو جب حاجی صاحبؒ سے ملاقات ہوئی تو ان سے دست بدست بیعت ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حاجی امداد اللہ نے انہیں کچھ دن اپنے پاس رہنے کیلئے روکنا چاہا لیکن مولانا تھانویؒ کے والد نے انکی مفارقت کو گوارا نہ فرمایا اور انہیں اپنے ساتھ واپس لے آئے۔ تو مولانا مہاجر مکیؒ نے مولانا تھانویؒ سے فرمایا کہ اب کی بار حج کو آؤ تو کم از کم چھ ماہ کے قیام کے ارادے سے آنا۔ تو اس حکم کے پیشِ نظر مولانا تھانویؒ ۱۳۱۰ھ میں دوسری بار حج کیلئے تشریف لے گئے اور اپنی طلبِ صادق اور حضرت شیخ کی منشاء اور خواہش کے مطابق وہاں چھے ماہ تک قیام کا ارادہ کر لیا۔

مولانا تھانویؒ کے اپنے شیخ کے پاس قیام کے بارے میں ڈاکٹر عبد الحی عارفی لکھتے ہیں:

" حضرت حاجی صاحبؒ اسی موقع کے منتظر تھے چنانچہ نہایت محبت اور شفقت کے ساتھ اپنے مریدِ صادق کی تربیتِ باطنی کی طرف متوجہ ہوگئے اور اپنے نو خیز طالب و سالک طریق کی فطری صلاحیت اور استعداد اور جوہر قابل کا اندازہ کرتے رہے۔ اور وہ تمام علومِ باطنی اور اسرار و رموزِ روحانی جو اللہ نے انکے قلب مبارک پر وارد و القاء فرمائے تھے حضرت کے قلب مصفّٰی میں منتقل فرماتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس قلیل عرصہ میں حضرت کی توجہاتِ خاص سے مولانا تھانویؒ کا سینہ مبارک دولت معارف و حقائقِ باطنی کا خزینہ اور انوار و تجلیات روحانی کا آئینہ بن گیا اور محبتِ حق تعالٰی شانہُ اور محبت نبی ﷺ کا سوز و گداز رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ حضرت حاجی صاحبؒ اپنے مریدِ سعید کی ترقیِ باطنی کا اندازہ فرما کر بہت مطمئن اور مسرور تھے۔ بعض دفعہ جوشِ محبت میں فرماتے۔" اللہ تعالٰی نے جو الہامی علوم مجھ کو عطا فرمائے ہیں وہ انکی زبان پر جاری فرما دیئے ہیں۔ یہ اللہ کا فضلِ عظیم ہے انشاءاللہ یہ ہونہار ایک دن رہبر طریق بنے گا۔ اور امت مسلمہ کیلئے رشد و ہدایت کا علمبردار ہوگا۔[2]

---

[1] حکیم الامت، مولانا اشرف علی تھانویؒ اور انکے خلفاء، ص: 35

[2] عارفی، محمد عبد الحیی، ڈاکٹر، بصائر حکیم الامت، ادارۃ المعارف، کراچی، 2006ء، ص: 42-43

toobaafoundation.com

مولانا تھانویؒ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ:۔

مولانا تھانویؒ نے چھے ماہ مکہ مکرمہ میں اپنے شیخ کے پاس قیام کیا تو اس اثناء میں ان کے شیخ نے انکی خاص طور پر روحانی تربیت کی۔ جب حاجی امداد اللہ نے ان میں اپنے ذوق و مسلک سے تمام تر ہم آہنگی کے آثارِ نمایاں دیکھے تو انکو اپنا جانشین بنالیا۔ اور باذن اللہ تعالیٰ خلعتِ خلافت اور منصبِ ارشاد و ہدایت سے سرفراز فرمایا۔ اور خلق اللہ کی رہنمائی کیلئے تعلیم و تلقین کی اجازت مرحمت فرمائی۔ جب مولانا تھانویؒ مکہ مکرمہ سے اپنے وطن واپس آنے لگے تو شیخ نے باکمال محبت و شفقت سے گلے لگا کر فرمایا۔

"میاں اشرف علی میں دیکھتا ہوں کہ اس زمانے میں اللہ نے تم کو تمام معاصرین پر خاص فضیلت عطا فرمائی ہے۔" ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء "[1]

پھر ان دو وصیتوں کے ساتھ رخصت فرمایا۔" دیکھو وطن پہنچ کر تم کو باطنی کیفیات میں ایک حالت شدید پیش آئے گی، گھبرانا نہیں مجھ کو مطلع کرتے رہنا۔ دوسرے یہ کہ جب مدرسہ کی ملازمت سے دلبرداشتہ ہو جاؤ تو پھر وطن پہنچ کر ہماری خانقاہ میں اور مدرسہ میں توکلاً علی اللہ مقیم ہو جانا تم سے انشاء اللہ خلقِ کثیر کو نفع پہنچے گا۔[2]

مولانا تھانویؒ کا خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں قیام:۔

مولانا تھانویؒ نے دورانِ قیام کانپور درس و تدریس کے سلسلے میں چودہ سال بسر کئے۔ لیکن مولانا تھانویؒ کو مستقبل میں پیشِ نظر مقاصد کے حصول کیلئے فراغتِ قلب و یکسوئی درکار تھی۔ چنانچہ انھوں نے مدرسہ کی ملازمت ترک کرنے کا ارادہ کرلیا اور چند وجوہات و معذورات پیش کر کے آخر کار ۱۳۱۵ھ میں سبکدوشی حاصل کرلی اور اپنے وطن تھانہ بھون تشریف لے گئے۔ اور اس کی اطلاع اپنے پیر و مرشد کو کر دی۔ وہاں سے جواب آیا" بہتر ہوا آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے۔ امید ہے کہ آپ سے خلائق کثیر کو فائدہ ظاہری و باطنی ہو گا اور آپ ہمارے مدرسہ اور خانقاہ کو از سرنو آباد کریں۔ میں ہر وقت آپ کے حال میں دعا کرتا ہوں اور آپ کا مجھے خیال رہتا ہے"۔[3]

مولانا تھانویؒ کے خلفاء:۔

مولانا تھانویؒ کے خلفاء دو قسم کے ہیں:

---

[1] بصائر حکیم الامت، ص: 43

[2] اشرف السوانح، 1/323؛ بصائر حکیم الامت، ص: 43

[3] اشرف السوخ، 1/277

toobaafoundation.com

ا۔ مجازینِ بیعت ۲۔ مجازینِ صحبت

مجازین بیعت سے مراد وہ خلفاء ہیں جنکو مولانا تھانویؒ نے بیعت اور تعلیم و تلقین دونوں کی اجازت دی تھی اور مجازینِ صحبت سے مراد وہ خلفاء ہیں جنکو مولانا تھانویؒ نے صرف تعلیم و تلقین کی اجازت دی تھی اور لوگوں سے بیعت لینے کی اجازت نہیں دی تھی۔ ان خلفاء کے ناموں کی فہرست اشرف السوانح کی جلد سوئم اور چہارم میں دی گئی ہے۔ اس طرح ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمان نے اپنی کتاب ' حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور انکے خلفائے کرام ' میں ذکر کی ہے۔ اور قاری فیوض الرحمان کی کتاب میں کچھ نام فہرست میں زیادہ ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے سارے خلفاء کے نام شامل کئے ہیں جبکہ اشرف السوانح کے مرتبین نے خلفاء کے وہ نام شامل نہیں کئے جو مولانا تھانویؒ کی وفات سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ یا جن کی اجازت مولانا تھانویؒ نے خود منسوخ کر دی تھی۔

ذیل میں چند خلفاء مجازینِ بیعت اور مجازین صحبت کے نام ذکر کئے جاتے ہیں۔

مولانا تھانویؒ کے مجازینِ بیعت:۔

خلفاءِ مجازین بیعت کی تعداد ڈاکٹر فیوض الرحمٰن نے 101 ذکر کی ہے۔

مولانا محمد عیسٰیؒ بنارس، مولانا عبد الحیؒ سہارنپوری، خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ، مولانا خیر محمد جالندھریؒ، مولانا قاری محمد طیبؒ، مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مولانا رسول خان ہزارویؒ، ڈاکٹر عبد الحیی عارفیؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا عبد الباری ندویؒ، مولانا ابرار الحق ہردوئیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔۔۔وغیرھم[1]

مولانا تھانویؒ کے مجازینِ صحبت:۔

ان خلفاء کی تعداد اشرف السوانح میں ۵۹ اور ڈاکٹر فیوض الرحمٰن کی کتاب میں ٦٦ ہے۔ ماسٹر حافظ مظہر احمد تھانویؒ، مولانا لقا اللہ پانی پتیؒ، مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ، حکیم محمد سعید گنگوہیؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا مفتی محمد سعید احمد لکھنوی، مولانا مفتی عبد الکریم گمتھلویؒ۔۔۔[2]

مولانا تھانوی اور تصنیف و تالیف:۔

مولانا تھانویؒ عدیم الفرصت آدمی تھے۔ اسلیئے کہ جب ان کے شب و روز کو دیکھا جاتا ہے تو انکی مصروفیت اس طرح ہمارے سامنے آتی ہے۔ کہ کبھی خانقاہ میں واردین سے ملاقاتیں ہو رہی ہیں، بیعت و اصلاح کا سلسلہ چل رہا ہے،

---

[1] حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور انکے خلفاء، ص: 44۔49 ؛ اشرف السوانح، 4/174-178

[2] ایضاً، ص:50۔53 ؛ ایضاً، 4/178-180

toobaafoundation.com

سالکین کے خطوط وصول ہو رہے ہیں، انکے سوالات کے جواب دیئے جا رہے ہیں۔ اسطرح عبادات و اذکار و اشغال کا اہتمام ہو رہا ہے۔ لیکن یہ ساری مصروفیات ہونے کے باوجود مولانا تھانویؒ کثیر التصانیف تھے۔ اس سلسلے میں مورخ اسلام سید سلیمان ندویؒ کی رائے یہ ہے:

"مولانا تھانویؒ کی تصنیفات ہندوستان کے پورے طول و عرض میں پھیلیں اور ہزاروں مسلمانوں کی صلاح و فلاح کا باعث ہوئیں، اردو اور عربی کے علاوہ مسلمانوں نے اپنے ذوق سے انکی متعدد تصانیف کا ترجمہ غیر زبانوں میں بھی کیا ہے۔ چنانچہ انکی کتابوں کے ترجمے انگریزی، بنگالی، سندھی اور گجراتی میں شائع ہوئے۔ انکی تصانیف کی تعداد جن میں چھوٹے بڑے رسائل، ضخیم تصانیف سب داخل ہیں آٹھ سو کے قریب ہیں۔۔۔ کہا جاتا ہے کہ ہر صدی کا مجدد اپنی صدی کے کمالات کا اعلیٰ نمونہ ہوتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو جو صدی مطبوعات و منشورات کے کمالات سے مملوء ہے اور جسکا اہم کارنامہ خواہ حق کے اثبات اظہار میں ہو یا باطل کی نشر و اشاعت میں پریس اور مطبع کے ہی برکات ہیں۔ زبان و قلم اس صدی کے مبلغ ہیں اور وسائل ہیں اور رسائل منشورات کے صحیفے ہیں۔ اس بناء پر مناسب تھا کہ اس صدی کے مجدد کی کرامت بھی انہی کمالات میں جلوہ گر ہو۔ علمائے اسلام میں ایسے بزرگوں کی کمی نہیں جن کی تصانیف کے اوراق ان کی زندگی کے ایام پر بانٹ دیے جائیں تو اوراق کی تعداد زندگی کے ایام پر فوقیت لے جائے گی۔ امام ابن جریر طبریؒ، حافظ خطیب بغدادیؒ، امام فخر الدین رازیؒ، حافظ ابنِ جوزیؒ، حافظ جلال الدین سیوطیؒ وغیرہ متعدد نام اس سلسلے میں لیے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں اس سلسلہ کا اخیر نام مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ہے۔[1]

مولانا تھانویؒ نے اپنی کتب کی فہرست کی اشاعت کا خود انتظام کیا تاکہ بعد میں کوئی کتاب ان کی طرف غلط منسوب نہ کی جائے۔ اشرف السوانح کی چہارم جلد کا اٹھارواں باب آپ کی تصنیف و تالیف کے متعلق ہے۔ اس طرح مولانا تھانویؒ کے خلیفہ مجاز ڈاکٹر عبدالحیی عارفی نے فہرست تالیفِ حکیم الامت کے نام سے مرتب کی ہے۔ جو مکتبہ دارالعلوم کراچی نے ۶۲۹ صفحات پر شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں مولانا تھانویؒ کے مواعظ، ملفوظات، تالیفات اور مضامین کی فہرست ہے۔

یہاں مولانا تھانویؒ کی چند مشہور کتب کے نام درج کیئے جاتے ہیں۔ تفسیر بیان القرآن، جمال القرآن، جامع الآثار، مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، التشرف بمعرفہ عن احادیث التصوف، التکشف عن مھمات التصوف، تربیت السالک وتنجیۃ الھالک، اصلاح انقلاب امت، نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیبؐ، امداد الفتاوٰی، بہشتی زیور، بوادر النوادر۔۔۔ وغیرہ[2]

---

[1] مجدد الملت کے آثار علمیہ، ص: 102

[2] عارفی، محمد عبدالحی، ڈاکٹر، فہرست تالیفاتِ حکیم الامت، مکتبہ دارالعلوم، کراچی، 1428ھ، ص: 277-288

toobaafoundation.com

مولانا تھانویؒ کا اپنی تصانیف کا حقِ طبع عام کرنا:۔

مولانا تھانویؒ کی اپنی کتب کے بارے میں عام اجازت ہے کہ جس تصنیف کو جو چاہے جتنی تعداد میں چاہے چھاپ سکتا ہے۔ چنانچہ مولانا تھانویؒ نے اطلاعِ عام کیلئے ایک اعلان بھی شائع کیا تھا۔وہ اعلان یہ ہے۔

"چونکہ یہاں کی تصانیف پر کسی سے کچھ حقِ تصنیف وغیرہ نہیں لیاجاتا اس لئے ان کی رجسٹری کروانے کا کسی کو حق حاصل نہیں۔فقط یکم جمادی الاول ۱۳۳۵ھ"[1]

مولانا تھانویؒ کی رحلت:۔

مولانا تھانویؒ بیسویں صدی کے ایک نابغہ روزگار شخصیت تھے۔ انکی رحلت سے عالمِ اسلام ایک بہت بڑے صدمے اور نقصان سے دوچار ہوا۔ لیکن چونکہ یہ باری تعالیٰ کا ابدی اور اٹل اصول ہے کہ جو بھی اس دنیا میں آتا ہے اسے ایک نہ ایک دن اس عالمِ دنیا سے عالمِ آخرت کا ضرور سفر کرنا ہے،لہذا بالآخر دین حسین کا یہ آفتابِ عالمتاب نصف صدی سے زائد زمانے تک عالمِ اسلام کی فضاؤں میں اپنی ایمان افروزاور غیر فانی شعائیں چھوڑ کر ۸۲ سال کی عمر میں ۱۵ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ بمطابق ۱۹جولائی ۱۹۴۳ءکی سہ شنبہ کی شام کو غروب ہو گیا۔[2]

اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا تھانویؒ کو تھانہ بھون میں حافظ ضامن شہید کے مزار کے قریب انہی کے باغ میں جسے انہوں نے خانقاہ امدادیہ کے نام وقف کردیا تھا،دفن کیا گیا۔انکی نمازِ جنازہ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے پڑھائی۔[3]

غرض مولانا تھانویؒ دانائے راز گوہر یک دانہ تھے۔ بڑی مشکل سے صدیوں میں ایسے دیدہ ور پیدا ہوتے ہیں، جن کے ذہن اور ضمیر کی روشنی سے خلقِ خدا فیض یاب ہو۔

بقول شاعر یہ ہی کہا جاسکتا ہے

ے کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ   بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ مے خانہ

---

[1] اشرف السوانح، 3/91، رضوی، سید محمد، تاریخ دارالعلوم دیوبند، دیوبند علمی مرکز، س۔ن، 2/52

[2] بصائر حکیم الامت، ص: 53 ؛مناظر امام، مولانا اشرف علی تھانوی بیسوی کے مذہبی مصلح، حسن تدبیر (سہ ماہی، دہلی)، (حکیم الامت نمبر)، جلد:۱، شمارہ:30، مئی۔اکتوبر 2007ء، ص: 286؛ تھانوی، خلیل احمد، مولانا، حضرت تھانوی ماہ وسال کے آئینہ میں، ماہنامہ الحسن (اشاعت خاص بیاد مولانا اشرف علی تھانوی)، جامعہ اشرفیہ، لاہور، جلد:2، شمارہ، نومبر۔دسمبر، 1987ء، ص:29

[3] حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور انکے خلفائے کرام، ص: 39

toobaafoundation.com

خلاصہ بحث:۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ 19 ستمبر 1863ء کو پیدا ہوئے۔ مولانا تھانویؒ نے دینی تعلیم دارالعلوم دیوبند سے حاصل کی۔ مولانا تھانویؒ کے اساتذہ میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا محمد یعقوب اور مولانا محمود حسن قابل ذکر ہیں۔ مولانا تھانویؒ کے شیخ طریقت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ ہیں۔ مولانا تھانویؒ کا انتقال 19 جولائی 1943ء کو ہوا۔

toobaafoundation.com

فصل پنجم

مولانا تھانویؒ کی تصنیفات و تالیفات کی فہرست

toobaafoundation.com

فصل پنجم: مولانا تھانویؒ کی تصنیفات و تالیفات کی فہرست

مولانا محمد اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ نے تقریر و تحریر کے ذریعے اس امت کی اصلاح و تزکیہ کا کام کیا۔اس امت کے بے شمار لوگوں کو شریعت و سنت کے روشن راستے پر گامزن فرمایا،اور شیطانی راستے کی گمراہیوں سے دور فرمایا۔مولانا تھانویؒ کی اکثر تقاریر و تحاریر آپؒ کی زندگی میں ہی زیورِ طبع ہو چکی تھیں۔اور آپؒ کی اکثر تقاریر و تحاریر میں اللہ تعالیٰ نے ایسی تاثیر رکھی تھی کہ پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مولانا تھانویؒ کی بہت سی تالیفات اور تصانیف کی تفصیلی و تعارفی فہرست حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ صاحب نے اپنی کتاب بعنوان "فہرست تالیفات حکیم الامتؒ" میں ذکر کی ہے۔اس کتاب میں فاضل مصنف نے مولانا تھانویؒ کی تالیفات و تصانیف سے متعلق حسبِ ذیل مضامین بیان کیے ہیں:

1. **مواعظِ اشرفیہ:**(مولانا تھانویؒ کے تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مواعظ کی مفصل فہرست مع مختصر تعارف)
2. **تالیفاتِ اشرفیہ:**(مولانا تھانویؒ کی تمام مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصانیف و تالیفات کی مکمل فہرست مع مختصر تعارف)
3. **ملفوظاتِ اشرفیہ:**(مولانا تھانویؒ کے تمام مطبوعہ و غیر مطبوعہ ملفوظات کی فہرست مع مختصر تعارف واسم جامع)
4. **مضامینِ اشرف:**(مولانا تھانویؒ کی مختلف موضوعات پر بعض اہم اور خاص تصانیف کے مضامین کی فہرست)
5. **ضمیمہ:** جو مندرجہ ذیل فہرستوں پر مشتمل ہے:

الف)۔ تالیفاتِ اشرفیہ سے منتخب مضامین کے مجموعے۔

ب)۔ تالیفاتِ اشرفیہ کے دیگر زبانوں میں تراجم۔

ج)۔ تالیفاتِ اشرفیہ کی تسہیلات۔

د)۔ ھدایاتِ اشرفیہ کے تحت تالیف ہونے والی کتابیں۔

ہ)۔ احوالِ اشرفیہ سے متعلق تالیفات۔

toobaafoundation.com

اس کتاب میں بڑی حد تک مولانا تھانویؒ کی تالیفات و تصانیف کا ذکر آ گیا ہے لیکن محمد عبد اللہ میمن صاحب نے مذکورہ کتاب میں پانچ مختلف نوعیت کے ایسے کام کا ذکر کیا ہے جو کہ اس فہرست میں شامل کیے جانے چاہئیں، ذیل میں ان کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

1) حضرت تھانویؒ کے مواعظ اور تصانیف سے منتخب کیے جانے والے مضامین کے مجموعوں کی فہرست۔
2) حضرت تھانویؒ کے مواعظ اور تصانیف کے دیگر زبانوں میں تراجم کی فہرست۔
3) حضرت تھانویؒ کی ان تصانیف کی فہرست جن کو بعض حضرات نے دقیق اور خالص علمی ہونے کی وجہ سے آسان انداز میں تحریر کیا ہے۔
4) ان کتابوں کی فہرست جو حضرت تھانویؒ کے زیر نگرانی دوسرے حضرات نے لکھیں۔
5) ان کتابوں کی فہرست جو حضرت تھانویؒ کے حالات زندگی پر لکھی گئیں۔" [1]

اس فصل میں مولانا تھانویؒ کی چند ایک تالیفات اور تصانیف کی فہرست کا ذکر کیا جا رہا ہے، جو کہ حسبِ ذیل ہے:

تفسیر و علوم القرآن

(۱) ترجمہ قرآن کریم	تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی
(۲) تفسیر بیان القرآن مکمل (۱۲ حصے)	تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی
(۳) خلاصہ بیان القرآن	ادارۃ القرآن کراچی
(۴) تسہیل بیان القرآن (۲ جلد)	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
(۵) اشرف التفاسیر (تفسیری نکات کا مجموعہ)	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان (۴ جلد)
(۶) پارہ عمہ مترجم	تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی
(۷) تفسیر پارہ عمہ	تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی

[1] عارفی، محمد عبد الحی، ڈاکٹر، مولانا، فہرست تالیفاتِ حکیم الامتؒ، مکتبہ دار العلوم، کراچی، 1428ء، ص:10

toobaafoundation.com

(۸)سورۃ یٰسین مترجم — ادارہ اسلامیات لاہور

(۹)جمال القرآن — نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

(۱۰)تجوید القرآن — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

(۱۱)تنشیط الطبع فی اجراء السبع — راشد کمپنی دیوبند یوپی

(۱۲)الہادی للحیران فی وادی تفصیل البیان — مطبع مجتبائی دہلی / مطبع قیومی کانپور

(۱۳)التواجہ فی مایتعلق بالتشابہ — علمی پرنٹنگ پریس، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، 1963ء

(۱۴)الترقیق الجلی فی تحقیق النون الخفی — مطبع مجتبائی دہلی / مطبع قیومی کانپور

(۱۵)الترتیب اللطیف فی قصۃ الکلیم والحنیف — در مطبع مجتبائی واقع دہلی ۱۳۴۴ھ

(۱۶)تقدیس القرآن المیز عن تدنیس التصاویر — علی پرنٹنگ پریس لاہور

(۱۷)رسالۃ ملاحۃ البیان فی فصاحۃ القرآن — مطبع مجتبائی دہلی / مطبع قیومی کانپور

(۱۸)تشابہات القرآن لتراویح القرآن رمضان — (۱۹)سبق الغایات فی نسق الآیات

(۲۰)رفع البناء فی نفع السماء — (۲۱)زیادات علی کتب الروایات

(۲۲)ذنابات لما فی الزیادات — (۲۳)تقریر بعض البنات فی تفسیر بعض الآیات

(۲۴)احسن الاثاث فی النظر الثانی فی تفسیر المقامات الثلٰث — (۲۵)تبصیر الزجاج

(۲۶)آداب القرآن — (۲۷)یادگار حق القرآن

(۲۸)اصلاح ترجمہ دہلوی — (۲۹)اصلاح ترجمہ حیرت

(۳۰)التقصیر فی التفسیر — (۳۱)رفع الخلاف فی حکم الاوقاف

(۳۲)دلائل القرآن علی مسائل النعمان — (۳۳)تصویر المقطعات لتیسیر بعض العبارات

toobaafoundation.com

(۳۴) وجوہ المثانی مع توجیہ الکلمات والمعانی (عربی)
(۳۵) ظہور القرآن من صدور الصبیان
(۳۶) اشرف البیان لمافی علوم الحدیث والقرآن
(۳۷) العنوان فی آیتی سورۃ الامتحان
(۳۸) تمہید الفرش فی تحدید العرش
(۳۹) دفع الاعتساب عن آیۃ الاستخلاف
(۴۰) نورالناظرین یعنی تقریرات متعلقہ جلالین شریف
(۴۱) القاء السکینہ فی تحقیق ابداء الزینہ

علوم حدیث

1۔ اعلاء السنن (۲۱ جلد)[1]	ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ کراچی
2۔ المسک الذکی یعنی تقریر ترمذی	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
3۔ الادراک والتوصل الی حقیقۃ اشتراک والتوسل	علمی پرنٹنگ پریس لاہور
4۔ موخرۃ الظنون عن مقدمہ ابن خلدون	مطبع مجتبائی دہلی / مطبع قیومی کانپور
5۔ انتخاب بخاری (۲ جلد)	ادارہ اسلامیات لاہور
6۔ چہل حدیث	ادارۃ المعارف کراچی
7۔ اشرف الکلام فی احادیث خیر الانامؐ	ادارہ اسلامیات لاہور

8۔ جامع الآثار
9۔ تابع الآثار
10۔ الثواب الجلی
11۔ اطفاء الفتن ترجمہ احیاء السنن
12۔ حفظ اربعین
13۔ فوائد موطا امام مالکؒ
14۔ تکمیل التصرف فی تسہیل التشرف
15۔ ازالۃ للوسن بالف من السنن
16۔ حقیقۃ الطریقہ من السنۃ الانیقہ
17۔ احیاء السنن
18۔ الاستدراک الحسن

[1] احادیث کا یہ مجموعہ مولانا تھانویؒ نے اپنی زیر نگرانی مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے تیار کروایا۔ جس میں ان احادیث کو جمع کیا گیا جن سے امام ابو حنیفہؒ نے استدلال کیا ہے۔

toobaafoundation.com

عقائد

1۔ تعلیم الدین	تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی
2۔ فروع الایمان (ایمانی اعمال)	ادارۃ المعارف کراچی
3۔ جزاء الاعمال (یعنی گناہوں کا بدلہ دنیا میں)	تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی
4۔ مائتہ دروس (ایک سو اہم اسباق)	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
5۔ احکام اسلام عقل کی نظر میں	دارالاشاعت کراچی
6۔ اکسیر فی اثبات التقدیر	مکتبہ اشرفیہ العلوم شعبہ دارالاشاعت دیوبند
7۔ مسئلہ تقدیر (اردو ترجمہ)	ادارہ اشرفیہ لاہور
8۔ حفظ الایمان	مکتبہ اسعدیہ کراچی
9۔ بسط البنان و تغیر العنوان	کتب خانہ مجیدیہ کراچی
10۔ اسلام کے بنیادی احکام	قدیمی کتب خانہ کراچی
11۔ شوق آخرت	ادارہ اسلامیات لاہور
12۔ شوق وطن	کتب خانہ مظہری کراچی
13۔ احکام التجلی من التعلی والتدلی	ادارہ اسلامیات لاہور
14۔ اقامۃ الطامہ علی زاعم ادامۃ النبوۃ الحقیقیۃ العامۃ	علمی پرنٹنگ پریس لاہور
15۔ حفظ الایمان عن الزیغ والطغیان	دارالکتاب لاہور
16۔ الخطاب الملیح فی تحقیق المہدی والمسیح	17۔ تذئیل شرح عقائد
18۔ شق الحبیب فی حق الغیب	19۔ الحکم الحقانی فی حزب الآغاخانی
20۔ تغیر العنوان فی بعض عبارات حفظ الایمان	21۔ الفتوح فیما یتعلق بالروح

toobaafoundation.com

22۔ ظہور العدم بنور القدم
23۔ الحق
24۔ تدویر الفلک فی تطہیر الملک
25۔ طلوع البدر فی سطوح القدر
26۔ النعیم فی الجحیم
27۔ بسط البنان الکف اللسان عن کاتب حفظ الایمان
28۔ الخطاب الملیح فی تحقیق المھدی والمسیح

فقہ و فتاویٰ

1۔ بہشتی زیور مکمل (11 حصے) — دارالاشاعت کراچی
2۔ بہشتی زیور (مکمل ومدلل) — مکتبہ مدنیہ لاہور
3۔ مسائل بہشتی زیور — مکتبہ رحمانیہ لاہور
4۔ بہشتی گوہر — کتب خانہ اشرفیہ کراچی
5۔ بہشتی گوہر (مدلل) — نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
6۔ اشرف الاحکام یعنی تتمہ امداد الفتاوی
7۔ فتاوی اشرفیہ
8۔ احکام القرآن (اول تا پنجم)
9۔ امداد الفتاوی (مکمل) (6 جلد)
10۔ تقلید و اجتہاد
11۔ حیلۃ الناجزۃ للحلیۃ العاجزہ
12۔ القول الصواب فی مسئلۃ الحجاب
13۔ امداد الاحکام
14۔ ترجیح الراجح
15۔ حق السماع
16۔ تحذیر الاخوان عن الربوا فی الہندوستان

سلوک و تصوف

1۔ التکشف عن مہمات التصوف
2۔ التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف

toobaafoundation.com

3۔ تربیت السالک (2 جلد)
4۔ کلید مثنوی معنوی شرح مثنوی مولانا رومؒ (24 جلد)
5۔ قصد السبیل الی المولی الجلیل
6۔ بوادر النوادر
7۔ عرفانِ حافظ
8۔ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک (مسائل تصوف قرآن کی روشنی میں)

شریعت و طریقت

1۔ مقالات صوفیہ
2۔ جواہر حکیم الامتؒ
3۔ معارف اشرفیہ (8 جلد) تائید الحقیقہ بالآیات العتیقہ
4۔ مثنوی زیر و بم (فارسی) تکمیل التصرف فی تسہیل التشرف
5۔ النکت الدقیقہ
6۔ انوار الوجود فی اطوار الشہود (عربی)
7۔ حق السماع
8۔ الدر المنضود
9۔ خصوص الکلم فی حل فصوص الحکم
10۔ جہاد اکبر
11۔ الجلاء والشوف فی الرضاء والخوف
12۔ حسن العلاج لسوء المزاج
13۔ البصائر فی الدوائر
14۔ رفع الضیق عن اہل الطریق
15۔ شمس الفضائل لطمس الرزائل
16۔ القول الفصل فی بعض آثار الوصل
17۔ الاعتدال فی متابعۃ الرجال
18۔ روح التصوف
19۔ عبور البراری فی سرور الذراری
20۔ ظہور العدم بنور القدم
21۔ شیخ ابن عربی کا مسلک
22۔ آداب الشیخ والمرید

منطق

1۔ تلخیص المرقات
2۔ تسہیل المعانی

toobaafoundation.com

3۔ تلخیص البدایہ

4۔ درایۃ العصمہ

5۔ تلخیص الشریفیہ

6۔ تلخیص المنار

7۔ المدار

8۔ تیسر المنطق

9۔ تلخیص ہدایۃ الحکمۃ

علم الکلام

1۔ اشرف الجواب (کامل 3 حصے)

2۔ المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ (مکمل)

3۔ الانتباہات المفیدہ عن الاشتباہات الجدیدہ

4۔ تعلیم الدین مع تکمیل الیقین

5۔ قائد قادیان

6۔ القول الفاصل بین الحق والباطل

7۔ التادیب لمن لیس لہ فی العلم والادب نصیب

8۔ نہایۃ الادراک فی اقسام الاشراک

9۔ بلوغ الغایۃ فی تحقیق الاخاتم الولایۃ

اصلاحیات

1۔ آداب المعاشرت

2۔ حیات المسلمین

3۔ اصلاح المسلمین

4۔ اصلاح خواتین

5۔ اصلاح الرسوم

6۔ حقوق العباد

7۔ حقوق الاسلام

8۔ اغلاط العوام (عوام کے غلط مسائل)

9۔ التنبیہ الطربی فی تنزیہ ابن عربی

10۔ الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد

11۔ سجادہ نشینی

12۔ بناء القبہ علی بناء الجبہ

toobaafoundation.com

سیرت وسوانح

1۔ نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ﷺ

2۔ کثرۃ الازواج لصاحب المعراج

3۔ امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق

4۔ معارف امدادیہؒ

5۔ معارف نانوتویؒ

6۔ ارواح ثلاثہ یعنی حکایات اولیاء

7۔ قصص الاولیاء یعنی نزہۃ البساتین

8۔ سیرت ابن منصور حلاجؒ

9۔ السنۃ الجلیہ فی الچشتیہ العلیہ

10۔ تنویر السراج فی لیلۃ المعراج

دعاء، اذکار، عملیات، وظائف

1۔ اعمال قرآنی

2۔ قرآنی علاج

3۔ عملیات و تعویزات کے شرعی احکام

4۔ ایصال ثواب اور اس کے احکام و مسائل

5۔ مناجات مقبول (عربی)

6۔ حزب البحر مترجم (مشہور الہامی دعا)

7۔ زاد السعید (مجموعہ درود شریف)

خطبات الاحکام

1۔ مجموعہ خطبات ماثورہ

2۔ جمعہ کے احکام و فضائل

3۔ التقی فی احکام الرقی

ملفوظات

1۔ ملفوظات حکیم الامت (کامل 32 جلدیں)

2۔ الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ (ملفوظات حکیم الامت) (10 جلدیں)

toobaafoundation.com

3۔حسن العزیز(ملفوظات حکیم الامت)(5 جلدیں)

4۔الکلام الحسن

5۔ملفوظات کمالات اشرفیہ

6۔مجالس حکیم الامت

7۔انفاس عیسیٰ(اول،دوم)

8۔الرفیق فی سواء الطریق(اول،دوم)

9۔مقالات حکمت (اول ودوم) 10۔شرف مصطفیٰ ﷺ

11۔القول الجلیل

12۔مکتوبات اشرفیہؒ

13۔تربیت النساء

14۔مکاتیب حکیم الامتؒ

15۔اشرف المکتوبات

مولانا تھانویؒ کی تصانیف اور مواعظ سے منتخب مضامین کے مجموعے

1۔اصلاح اعمال

2۔اصلاح ظاہری

3۔اصلاح باطن

4۔اصلاح النساء

5۔اشرف العملیات

6۔اشرف اللطائف

7۔اشرف المقالات

8۔اسلام میں پردہ کی حقیقت

9۔اسلامی زندگی کے چار اصول

10۔بصائر حکیم الامتؒ

11۔پردے کے شرعی احکام

12۔پیری مریدی کا بیان

13۔تجدید تعلیم و تبلیغ

14۔تجدید تصوف وسلوک

15۔تجدید معاشیات

16۔تحفۂ زوجین

17۔تاریخ اسلام کی خواتین

18۔تسہیل المواعظ(2 جلدیں)

19۔تہذیب الاخلاق(کامل)

20۔تربیت اولاد

21۔جامع المجددین

22۔جہاد

toobaafoundation.com

23۔جواہر اشرفیہ

24۔حقیقت تصوف وتقوی

25۔حقیقت مال وجاہ

26۔حقوق زوجین

27۔خلافت راشدہ

28۔خطبات میلاد النبی صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

29۔دینی دعوت وتبلیغ کے اصول واحکام

30۔داڑھی منڈوانا گناہ کبیرہ ہے

31۔رسالہ حقیقت تصوف

32۔سلوک وتصوف کی حقیقت

33۔صدقۃ الفطر، قربانی اور عقیقہ

34۔عدت اور سوگ کا بیان

35۔عاشورہ اور تعزیہ کی شرعی حیثیت

36۔عشرۂ اعتکاف اور شب قدر

37۔غلط مسئلے 125 (اغلاط العوام)

38۔معارف حکیم الامت

39۔مآثر حکیم الامت

40۔مفاسد چند

41۔مستورات کے خصوصی مسائل

42۔مقالات تصوف

43۔نظام شریعت

toobaafoundation.com

باب دوم

برصغیر میں علم تصوف کے معتقدات اور عملی اظہار میں انحرافات اور اس کا پس منظر

toobaafoundation.com

فصل اول

برصغیر میں تحریک وحدت ادیان اور متصوفین

فصل دوم

تصور رحمت وشفاعت کا بگاڑ اور استمداد غیر اللہ کی متعدد اشکال

فصل سوم

غیر شرعی متصوفانہ اشغال کی اشاعت واسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش

toobaafoundation.com

فصل اول

برصغیر میں تحریک وحدت ادیان اور متصوفین

toobaafoundation.com

فصل اول: برصغیر میں تحریک وحدت ادیان اور متصوفین

برصغیر میں تحریکِ وحدتِ ادیان:۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اور زندگی گزارنے کے ہر موڑ اور قدم پر اپنے ماننے والوں کے لیے اصول وضوابط فراہم کرتا ہے۔ مزید یہ کہ اسلام میں اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے اور اس اجتہادی عمل کو عمل میں لاتے ہوئے فقہائے اسلام نے تاریخ کے ہر دور میں نئے پیش آنے والے مسائل میں فرزندانِ اسلام کی رہنمائی زمانہ ماضی میں کی بھی ہے اور اس وقت بھی اس خدمت کو سرانجام دے رہے ہیں اور مستقبل میں بھی ان شاء اللہ یہ اجتہادی عمل جاری رہے گا اس لیے کہ اللہ کے نزدیک دینِ اسلام ہی قابلِ قبول اور سچا دین ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ تا قیامت اپنے دین کی حفاظت کرتا رہے گا۔

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر دور میں ایسی تحریکیں اور فتنے پیدا ہوتے رہے ہیں جنھوں نے دینِ اسلام اور اس دین کے پیروکاروں کی راہ میں روڑے اٹکانے کی کوشش کی اور لوگوں کو دینِ اسلام سے منحرف کرنے کی کوشش بھی مختلف ادوار میں کی گئی ہے۔ ان ملحدانہ تحریکوں میں ایک تحریک مغلیہ دور کے اکبر بادشاہ کے زمانے میں "دینِ الٰہی" کے نام سے شروع کی گئی۔ جس کا سرپرست تو خود اکبر بادشاہ تھا۔ لیکن اس کو پروان چڑھانے میں ملّا بدایونی اور مبارک ناگوری کے دونوں بیٹوں ابوالفضل اور فیضی نے خوب کردار ادا کیا۔ جب کہ اس ملحدانہ تحریک کی بیخ کنی کا سہرا مجدد الف ثانیؒ (شیخ احمد سرہندی) کے سر پر ہے۔

ذیل میں اس تحریک (دینِ الٰہی) کا تعارف، اس کے اثرات اور اس کے خاتمے کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

اکبر کا ابتداء میں دین اسلام کی طرف میلان:۔

"اکبر سلیم چشتیؒ کا بڑا معتقد تھا اور جب جہانگیر پیدا ہونے والا تھا تو حصول برکت کے لیے اس کی والدہ کو شیخ کے حجرے میں بھیج دیا اور انہی کی نسبت سے بیٹے کا نام سلیم رکھا۔ اس کے دو برس بعد اکبر نے فیصلہ کیا کہ جو جگہ اتنی روحانی برکتوں کا سرچشمہ ہے، وہاں ایک عظیم الشان شہر تعمیر ہونا چاہیے۔ چنانچہ 1571ء میں فتح پور سیکری کی شاندار عمارتیں بنی شروع ہوئیں اور یہ معمولی گاؤں شہنشاہِ ہند کا پایہ تخت ہو گیا۔

یہاں اکبر ایک پرانے حجرے میں اکثر اپنا وقت مراقبوں، دعاؤں اور عبادتوں میں گزارتا۔ مذہبی امور میں بالآخر اس کی دلچسپی اتنی بڑھی کہ 1578ء میں اس نے شیخ سلیم چشتی کی نئی خانقاہ کے پاس ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کرائی جس کا نام

toobaafoundation.com

عبادت خانہ رکھا گیا۔ ہر جمعہ کی نماز کے بعد شیخ کی خانقاہ سے آکر یہاں دربار خاص منعقد ہوتا تھا، جس میں مشائخ وقت، علماء و فضلاء اور چند مقرب درگاہ شریک ہوتے تھے اور خداشناسی اور حق پرستی کی حکائتیں اور روائتیں بیان ہوتی تھیں۔" [1]

اکبر جس واقعے سے اسلام سے متنفر ہوا:۔

"1579ء میں ایک ہندو برہمن نے بانی اسلام ﷺ کو گالیاں دیں اور اہل اسلام کی اہانت کی، لوگوں نے اس ہندو برہمن کو توہینِ رسالت کے ضمن میں سزا دینے کا مطالبہ کیا، اکبر نے اس کا فیصلہ علماء کے ذمے کر دیا اور اختیار دے دیا کہ وہ جو چاہیں سزا تجویز کر دیں، چنانچہ علماء نے اس ہندو برہمن کے قتل کا فتویٰ دیا اور نتیجتاً اس کو قتل کر دیا گیا، اس بات سے لوگ بڑے برہم ہوئے اور انہوں نے علماء کے اختیارات اور بادشاہ کی خوشی کا خیال نہ کرنے پر علماء کے خلاف طوفانِ بدتمیزی کھڑا کر دیا، بادشاہ اس واقعے پر بہت بگڑا۔

اکبر نے اپنے مجتہد ہونے کا اعلان کیا:۔

"اتفاق سے ان دنوں شیخ مبارک کسی تقریب سے حضور میں آئے۔ علماء کے اختیارات کی وجہ سے جو دقتیں پیش آئی تھیں، اکبر نے ان کے سامنے بیان کیں۔ شیخ نے کہا کہ بادشاہ عادل خود امام وقت اور مجتہد روز گار ہے۔ "احکام شرعی اور ملکی" کے اجراء میں وہ اس جماعت کا جنہیں علم سے جھوٹی شہرت کے سوا کوئی حصہ نہیں ملا۔ محتاج نہیں۔ شیخ مبارک نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ وہ اجتہاد کا دعویٰ کرے اور علماء سے محضر طلب کرے۔ چنانچہ شیخ نے جو برسوں پہلے بادشاہ کو ریاست دنیوی و دینی کے اجتماع کا مشورہ دے چکا تھا۔ آیتوں اور روائتوں کی اسناد سے اس مضمون کا ایک محضر مرتب کیا۔ علماء کا ایک جلسہ بلایا گیا، جس میں بحث و تمحیص کے بعد علماء کی مہریں ثبت ہوئیں، جن لوگوں نے مہریں لگائیں ان میں مخدوم الملک، شیخ عبدالنبی، قاضی جلال الدین، قاضی خاں بدخشی، میراں صدر جہاں تھے۔" [2]

اکبر کے دینی و مزاجی انحراف واختلال کا نقطہ عروج:۔

اس حوالے سے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنی کتاب "تاریخ دعوت وعزیمت" میں اکبر کے دینی و مزاجی انحراف کے سلسلے میں جو خرابیاں پیدا ہوئی تھیں ان کو یوں ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] محمد اکرم، شیخ، رودِ کوثر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، 2005ء، ص: 89

[2] ایضاً، ص: 102

toobaafoundation.com

1۔آتش پرستی 2۔آفتاب پرستی 3۔گنگا جل 4۔تصویر کشی 5۔اوقات عبادت 6۔سجدہ تعظیم 7۔بیعت وارشاد 8۔آداب ملاقات 9۔تاریخ ہجری سے تنفر 10۔غیر اسلامی تہوار اور عیدی 11۔فرمان ومنع زکوٰۃ 12۔ہندو موحّد ہیں 13۔گوشت خوری 14۔خنزیر 15۔شراب نوشی 16۔رسم ہندوانہ 17۔سنین الٰہی کا اجراء 18۔دین اسلام کی تحقیر 19۔اسراء ومعراج کا استہزاء 20۔مقام نبوت کی اہانت 21۔اسمائے نبوی سے وحشت وگرانی 22۔نماز کی عدم اجازت 23۔ارکان اسلام کی توہین واستہزاء

ذیل میں چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1۔آتش پرستی:۔

”کیہان فروز روشن دل، نور دوستی دا ایزد پرستی شمار، وستائش الٰہی اندیشد، نادان تیرہ خاطر اور افراموشی وآذر پرستی خیال کند۔ وچوں روشنی بخش جہاں، نور خویش برگیرو، خدمت گزاران سعادت گرائے دردوازدہ لگن ہائے زریں وسمیں کافوری شمعہا افروختہ در پیشگاہ حضور آورندو یکے از سرایند گان شیوہ زبان دردست، ایزدی سپاس بر گزاردوبگونا گوں نمط سرایدوپسیں دعائے دولت روز افزوں برخواند۔“[1]

ترجمہ:۔ جہاں پناہ اپنی روشن ضمیری سے روشنی کو بیحد عزیز رکھتے ہیں۔اور اس کی تعظیم وتکریم کو خدا پرستی اور ستائش الٰہی خیال فرماتے ہیں، نادان کور باطن اس کو خدا فراموشی وآتش پرستی کہتے ہیں۔آفتاب کے غروب ہونے کے بعد خدمت گزار بارہ کافوری شمعیں روشن کرتے ہیں۔اور ہر چراغ چاندی اور سونے کی لگن میں رکھ کر بادشاہ کے حضور میں لاتے ہیں اور ان میں سے ایک شیریں زبان، خوش گلو خادم شمع کو ہاتھ میں لیے مختلف دلکش سروں میں خدا کی حمد کے اشعار گاتا ہے اور آخر میں خود جہاں پناہ کے ازدیاد عمر ودولت کی دعا کرتا ہے۔

2۔سجدہ تعظیمی:۔

”بندگان ارادت گرائے سجود نیایش افزایند وآنرا سجدہ ایزدی برشمارند۔“[2]

ترجمہ:۔ بندگان عقیدتمند سجدہ تعظیمی کرتے اور اسے سجدہ ایزدی شمار کرتے ہیں۔

---

[1] تاریخ دعوت وعزیمت، 4/108-109

[2] ایضاً، 4/112

toobaafoundation.com

3۔شراب نوشی:۔

"در جشن ایں ماہ بادہ ہوش فزامی پیمودند میر صدر جہاں مفتی، میر عدل، میر عبد الحی، نیز ساغرے در کشید گیتی خدیورا ایں بیت بر زبان رفتہ۔"

ترجمہ:۔ اس ماہ کے جشن میں بادہ ہوش افزانوش فرماتے تھے، میر صدر جہاں مفتی، میر عدل اور میر عبد الحی نے بھی بادہ پیمائی کی اور بادشاہ کی زبان پر یہ شعر آیا۔

در دور پادشاہ خطابخش وجرم پوش   قاضی قرابہ کش شد و مفتی پیالہ نوش "[1]

4۔ارکان اسلام کی توہین واستہزاء:۔

"پسر ملا مبارک شاگرد ابو الفضل رسائل در باب قدح و تمسخر ایں عبادات بہ دلائل نوشتہ و مقبول افتادہ باعث تربیت گشت۔"[2]

ترجمہ:۔ ملا مبارک کے ایک بیٹے نے جو ابو الفضل کا شاگرد تھا، اسلامی عبادات کے متعلق اعتراض اور تمسخر کے پیرایہ میں چند رسالے تصنیف کیے (شاہی جناب) میں اس کے ان رسالوں نے بڑی مقبولیت حاصل کی اور اس کی سرپرستی کا ذریعہ یہی رسالے بن گئے۔

ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا سنگین اور خطرناک موڑ:۔

سید ابو الحسن علی ندویؒ اکبر کے اس ملحدانہ دور پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"غرض یہ کہ اس وقت ہندوستان جس میں دین فطرت کے شجرہ طیبہ کے نصب اور بار آور کرنے کے لیے چار سو برس تک مسلسل بہترین انسانی توانائیاں، دماغی صلاحیتیں اور اہل قلوب اور اصحاب صفا کی روحانیتیں صرف ہوئی تھیں، ایک ہمہ جہتی، دینی، ذہنی اور تہذیبی ارتداد کے راستہ پر پڑ رہا تھا، جس کی پشت پر اس عہد کی ایک عظیم ترین سلطنت اور فوجی طاقت تھی، جس کو اپنے زمانہ کے متعدد ذہین و فاضل انسانوں کی علمی و ذہنی کمک بھی حاصل تھی، اس وقت اگر حالات کی رفتار یہی رہتی اور اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو جانے والی کوئی طاقتور شخصیت یا کوئی انقلاب انگیز واقعہ پیش نہ آتا تو اس ملک

[1] تاریخ دعوت وعزیمت،120/4

[2] ایضاً،125/4

toobaafoundation.com

کا انجام گیارہویں صدی ہجری میں بظاہر وہی ہوتا جو نویں صدی ہجری میں اسلامی اندلس کا (جس کو دنیا اب صرف اسپین کے نام سے جانتی ہے) یا چودھویں صدی ہجری میں (انقلاب روس کے بعد) ترکستان کا ہوا۔"[1]

پندرھویں اور سولہویں صدی عیسوی میں انتہاء پسندانہ صوفیانہ حلقے:۔

"چنانچہ پندرہویں اور سولہویں صدی عیسوی میں ان افکار کو کافی فروغ حاصل ہوا اور صورتحال اس حد تک پہنچ گئی کہ انتہاپسندانہ صوفیانہ حلقوں میں مومن وکافر کا امتیاز مٹنے لگا، ویدوں کو الہامی کتب کا درجہ حاصل ہوا، مذہب کی ظاہری رسوم نظر انداز ہونے لگیں اور شریعت وطریقت کے راستے جدا ہونے لگے، اور ایک مسلم سکالر کے الفاظ میں اس نظریہ نے یہ خطرناک صورت اختیار کرلی کہ:

ہر چیز خدا ہے، مذہب کی ظاہری حیثیت یعنی دیر وحرم کی تفریق کا خاتمہ، مندر اور مسجد کا فرق جاتا رہا، سماجی زندگی میں اتنی بے اعتدالی پیدا ہوئی کہ یہ کہا جانے لگا کہ انسان بھی خدا ہے تو پھر یہ مضحکہ خیز بات ہے کہ خدا خدا کی عبادت کرے، ایسی صورت میں کوئی گناہ گناہ نہیں رہتا، کیوں کہ گناہ کا مرتکب خود خدا ہے، جب خدا ہی مرتکب ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ خدا خود اپنی ذات کو سزا دے، اس نظریہ نے حرم اور میکدہ کا فرق ختم کر دیا، عوام اپنے نفس اور خدا دونوں کو بیک وقت خوش رکھنے کی کوشش کرتے۔"[2]

مغل حکمران اکبر کی صلح کل پالیسی اور اس کا وضع کردہ "دینِ الٰہی":۔

"مغل حکمران اکبر کی صلح کل پالیسی اور اس کا وضع کردہ "دینِ الٰہی" درحقیقت آزاد خیال صوفیاء اور بھگتی تحریک کے پھیلائے ہوئے افکار سے اخذ شدہ تھا جس کا بنیادی مقصد "متحدہ قومیت" اور وحدۃ ادیان" کے تصور کی عملی تشکیل تھا جس نے اسلامی تہذیب اور مسلم قومیت کے زوال کو دوچند کر دیا۔K.M.P (کے۔ایم۔پانیکر) نے اس کی پالیسیوں اور خود ساختہ دین کے پس پردہ جن مقاصد کی نشاندہی کی ہے وہ تین ہیں۔(1) قومی حکومت کا قیام(2)ہندوؤں سے مفاہمت(3)متحدہ ہندوستان۔"[3]

---

[1] تاریخ دعوت وعزیمت 4/125-126

[2] خلیق انجم، مرزا محمد رفیع سودا، علی گڑھ، 1966ء، ص: 47(ملخصًا) بحوالہ دہلوی، غلام علی، شاہ، مقامات مظہری، ترجمہ و تحقیق: محمد اقبال مجددی، اردو سائنس بورڈ، لاہور، 1983ء، ص: 127-128

[3] Panekar. K.M. A SUERVEY OF INDIAN HISTORY, BOMBAY, 1947, P-155

toobaafoundation.com

برصغیر میں اسلام مخالف دو تحریکیں:۔

اس حوالے سے ڈاکٹر ازکیا ہاشمی لکھتے ہیں کہ:

"تاریخی تجزیہ سے یہ امر محقق ہو چکا ہے کہ اسلام اور مسلم قومیت کو جن دو تحریکوں نے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ وہ "بھگتی تحریک" اور "دینِ الٰہی" کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ دونوں تحریکیں وجودی فلسفہ اور افکار سے متاثر تھیں۔ اول الذکر نے انسان دوستی اور مذہبی رواداری کے لبادے میں تمام تر تقویت ہندو مذہب کو پہنچائی جس سے ہندوؤں کے قبولِ اسلام کی رفتار میں کمی واقع ہوئی اور ہندو مسلم ترکیبی ثقافت کو فروغ دے کر مسلم تشخص کو نقصان پہنچایا۔ جب کہ ثانی الذکر نے متحدہ ہندوستانی قومیت کے پس پردہ ہندو دھرم کے احیاء کے لیے فضا ہموار کی اور مسلم قومیت کو ختم کرنے کی سازش کی۔

ان حالات میں جس شخصیت نے احیاء اسلام، تجدید دین اور متحدہ قومی نظریہ کے خلاف مسلمانوں کے ملی تشخص کو برقرار رکھنے اور اسے غیر مسلم معاشرے میں جذب ہونے سے بچانے کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں، شیخ احمد فاروقی سرہندی ہیں جو مجدد الف ثانی کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان کا حقیقی فکری کارنامہ تصور وحدت الوجود کے بالمقابل وحدت الشہود کا تصور پیش کرنا ہے۔"[1]

مجدد الف ثانیؒ (شیخ احمد سرہندی) کی تحریک دعوت اصلاح و تجدید کا آغاز:۔

علی میاںؒ نے اکبر کے اس پر فتن دور کا تذکرہ کرنے کے بعد "سیرت سید احمد شہید" از مولانا سید سلیمان ندویؒ سے ایک عبارت نقل کی ہے جو انہوں نے ہندوستان کے غربت کدہ میں "مسافر اسلام" کی داستان سفر سناتے ہوئے لکھی ہے:

"اس غفلت کی نیند پر چار سو برس گزر گئے اور مسافر کے آغاز سفر پر ہزارواں برس گزر رہا تھا، یہ اکبر کا دور تھا جب عجم کے ایک جادوگر نے آکر بادشاہ کے کان میں یہ منتر پھونکا کہ دین عربی کی ہزار سالہ عمر پوری ہوگئی، اب وقت ہے کہ ایک شاہنشاہ امی کے ذریعہ نبی امی علیہ الصلاۃ والسلام کا دین منسوخ ہو کر دین الٰہی کا ظہور ہو، مجوسیوں نے آتش کدے گرمائے، عیسائیوں نے ناقوس بجائے، برہمنوں نے بت آراستہ کیے، اور جوگ اور تصوف نے مل کر کعبہ اور بت خانہ کو ایک ہی چراغ سے روشن کرنے پر اصرار کیا، اس بیچ میل تحریک کا جو اثر ہوا اس کی تصویر اگر کوئی دیکھنا چاہے تو "دبستان مذاہب" کا مطالعہ کرے، کتنے زناداروں کے ہاتھوں میں تسبیح اور کتنے تسبیح خوانوں

---

[1] ہاشمی، ازکیا، ڈاکٹر، برصغیر پاک و ہند میں مسلم قومیت کے احیاء میں وحدت الشہود کا کردار، فکر و نظر، اسلام آباد، جلد:34، شمارہ:4، 2007ء، ص:37-38

toobaafoundation.com

کے گلوں میں زنار نظر آئیں گے، بادشاہی آستانہ پر کتنے امیروں کے سر سجدہ میں پڑے اور شہنشاہ کے دربار میں کتنے دستار بند کھڑے دکھائی دیں گے، اور مسجدوں کے منبر سے یہ صدا سنائی دے گی: تعالیٰ شانہ۔ اللہ اکبر!

یہ ہو ہی رہا تھا کہ سرہند کی سمت سے ایک پکارنے والے کی آواز آئی "راستہ صاف کرو کہ راستہ کا چلنے والا آتا ہے" ایک فاروقی مجدد، فاروقی شان سے ظاہر ہوا، یہ احمد سرہندی تھے۔"[1]

ذیل میں مجدد الف ثانیؒ کی تجدید دین کے حوالے سے خدمات کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

مجدد الف ثانیؒ کی نفاذِ شریعت کے لیے جدوجہد:۔

مجدد الف ثانی کے دور میں "شریعت و طریقت" کی ابحاث زوروں پر تھیں، جاہلانہ تصوف نے ان دونوں میں تفریق پیدا کر دی تھی۔ یہ خیال عام ہونے لگا تھا کہ شریعت کی اتباع 'سلوک و طریقت' کے ہر پیرو کے لیے ضروری نہیں۔ حضرت مجدد نے اس گمراہ کن نظریہ پر کاری ضرب لگائی اور اس خیال کا خلافِ شرع ہونا ثابت کیا۔ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"مرشد یا پیر طریقت وہ ہے جو مرید کو انابت الیٰ اللہ کی ترغیب دے اور اس تک پہنچنے کا راستہ دکھائے۔ شریعت کا مقصود یہ ہے کہ نفسِ امارہ کی خواہشات مغلوب ہو جائیں۔ لہٰذا جو شخص اپنے نفس کو مغلوب کرنے کا خواہاں ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ شریعت کی پابندی کرے، جو شخص جس قدر شریعت کی پابندی کرے گا اس قدر خواہشاتِ نفس سے دور ہوتا جائے گا، کیوں کہ نفس پر اتباعِ شریعت سے بڑھ کر کوئی چیز گراں نہیں ہوتی۔ جو ریاضتیں اور مجاہدے اتباعِ شریعت کے مطابق نہیں ہیں وہ نہ قابلِ اعتبار اور نہ مفید ہیں۔"[2]

مجدد الف ثانیؒ کے تجدیدی کارنامے:۔

مولانا ابوالحسن ندویؒ، مجدد الف ثانیؒ کے تجدیدی کارناموں کے حوالے سے لوگوں کے تین گروہوں کا ذکر کرتے ہیں جن کے نزدیک وہ اپنے تجدیدی کارناموں کی بناء پر مجدد کہلانے کے مستحق ہیں۔

"ایک گروہ کہتا ہے کہ وہ اس لیے مجدد الف ثانیؒ کہلانے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ہندوستان کو اسلام کے لیے دوبارہ بازیاب کیا۔ اور اس کو برہمنیت اور وحدتِ ادیان کی گود میں جانے سے دوبارہ محمد ﷺ اور دینِ حجازی کی

---

[1] تاریخ دعوت وعزیمت، 126/4

[2] آباد شاہ پوری، حضرت مجدد کے سیاسی مکتوبات، مکتبہ چراغِ اسلام، لاہور، 1977، ص: 147

toobaafoundation.com

تولیت و نگرانی میں دیا۔ دوسرے گروہ کے نزدیک ان کا اصلی تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے طریقت پر شریعت کی فوقیت وبالا دستی کو ایسے پر اعتماد، مبصرانہ و تجربہ کارانہ اور اس قوت ووضاحت کے ساتھ بیان کیا جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا اور اس سے طریقت کا شریعت کے تابع بلکہ خادم ہونا روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا، تیسرا گروہ وہ ہے جو ان کا اصل تجدیدی کارنامہ یہ سمجھتا ہے کہ انہوں نے وحدت الوجود کے عقیدہ و نظریہ پر کاری ضرب لگائی جو اس سے پہلے کسی نے نہیں لگائی تھی اور پھر اس کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا۔"[1]

ان گروہوں کا تجزیہ کرنے کے بعد مولانا ندویؒ نے ان کے تمام تجدیدی کارناموں کا ایک مرکزی نقطہ تلاش کیا ہے۔ اور اسی کے اندر تمام کارناموں کو سمو دیا ہے، لکھتے ہیں:

"حقیقت میں ان کا اصل کارنامہ جس کے جلو میں ان کے تمام تجدیدی کارنامے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں اور ان کی تجدید کا اصل سرچشمہ جس میں ان کے تمام انقلابی و اصلاحی کاموں کے چشمے پھوٹتے ہیں اور دریا بن کر سارے عالم اسلام میں رواں دواں ہو جاتے ہیں وہ نبوتِ محمدیؐ اور اس کی ہدایت اور ضرورت پر امت کا اعتماد بحال کرنے اور مستحکم کرنے کا وہ تجدیدی اور انقلابی کارنامہ ہے جو ان سے پہلے اس تفصیل ووضاحت و قوت کے ساتھ ہمارے نزدیک کسی مجدد نے انجام نہیں دیا۔"[2]

متصوفین کا تعارف:۔

تصوف ویسے تو شریعت پر عمل کا نام ہے لیکن بعض لوگوں نے تصوف کو شریعت سے ایک الگ چیز سمجھا، ایسے لوگوں کے نزدیک شریعت پر عمل کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے خیال میں کسی پیر کی خالی نسبت وبیعت، آخرت میں نجات کے لیے کافی ہے، اور بخشش کروانا پیر کا کام ہے۔ اور نہ ہی ان کے نزدیک پیر یا شیخ کا شریعت کا پابند ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ برصغیر میں خاص طور پر اولیاء اللہ کے مزارات ہیں، ان کے گدی نشین زیادہ تر شریعت سے دور اور دینی علم سے نابلد ہیں۔ جس طرح پاکستان میں بھی بہت سارے ایسے لوگ ہیں جو سیاست میں کامیابی صرف گدی نشین ہونے کی وجہ سے حاصل کرتے ہیں۔ برصغیر میں خلافت وراثت میں چلتی ہے، یعنی گدی نشین ہونے کے لیے کسی پیر کا صرف بیٹا ہونا ہی کافی ہے۔ مولانا تھانویؒ نے اپنی کتب، ملفوظات اور مواعظ میں جگہ جگہ ایسے لوگوں پر نقد کیا ہے، اور ایسے لوگوں کو جاہل صوفیاء کے زمرے میں شمار کیا ہے۔ ایسی درویشی کے بارے میں مولانا تھانویؒ اپنے ملفوظات میں یوں فرماتے ہیں کہ:

---

[1] تاریخ دعوت وعزیمت، 4/187-188 ملخصاً

[2] ایضاً، 4/190-192 ملخصاً

toobaafoundation.com

"آجکل بزرگ اس کو سمجھتے ہیں کہ اس کے کپڑے گیروی ہوں لٹیں ناف تک ہوں۔چوغہ گٹوں تک ہو۔بڑے بڑے دانوں کی تسبیح ہاتھ میں ہو بس درویش ہیں۔شاہ صاحب ہیں ولی کامل ہیں کیا خرافات ہے۔غالباً ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آجکل درویشی دو پیسہ میں ملتی ہے ایک پیسہ کا گیرو خرید لیا کپڑے رنگ لیے ایک پیسہ کی تسبیح خرید لی اور درویش ہو گئے۔ہمارے بزرگوں کے طریق کو تو ظاہر بیں مولویت سمجھتے ہیں کہ اسے درویشی سے کیا تعلق؟ایسے لوگوں میں تو جس قدر خلاف شریعت ہو وہ زیادہ کامل سمجھا جاتا ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

کار شیطاں میکنی نامت ولی گر ولی این ست لعنت بر ولی

(شیطانی کام کرتے ہو اور تمہارا نام ولی ہے اگر ولی یہی ہے تو ولی پر لعنت)"[1]

گدی نشینی:۔

مولانا تھانویؒ گدی پر قابض متصوفین کی بے عملی کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"آج کل امامت کی طرح گدی نشینی بھی میراث ہو گئی اور بعض لوگ ایسی گدی کی تعظیم کرتے ہیں،بس یوں سمجھتے ہیں کہ اسی میں سب کچھ ہے،یہ سب رسم پرستی ہے،ان لوگوں میں ایک اور رسم دیکھی گئی ہے کہ گدی نشینی کے بعد خانقاہ سے باہر نہیں نکلتے،میں بہاولپور گیا تو ایک سجادہ نشین کی بابت سنا کہ وہ چالیس سال سے خانقاہ سے علیحدہ نہیں ہوئے اور ان کے مرید اس بات کو فخر کے طور پر بیان کرتے تھے۔میں نے کہا کہ کیا وہ مستورات ہیں؟مرد تو وہ ہے جو شمشیر برہنہ لے،پھر ایک جگہ جم کر بیٹھ جانا مردانگی نہیں البتہ کوئی معذور ہو،یا کوئی ضرورت مصلحت مقتضی ہو تو اور بات ہے۔پھر اس التزامی کے بعد اگر سجادہ نشین صاحب کو کبھی حاضری عدالت میں طلبی ہو گئی تو اس کی کوشش کی جاتی ہے کہ کسی طرح سجادہ صاحب کو حاضری عدالت سے مستثنیٰ کرایا جائے،کیونکہ آج کل کے مشائخ عدالت کی حاضری کو بھی عیب سمجھتے ہیں،ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں عیب وذلت کی کیا بات ہے؟"[2]

مولانا تھانویؒ نے اپنے ایک وعظ "اصلاح ذات البین" میں اسی گدی نشینی میں حاصل ہونے والی ناجائز آمدنی کے بارے میں ایک حکایت میں بیان کیا کہ ایک امام صاحب ہندو بنیے کے مقروض ہو گئے تو وہ ہندوان کی عید کی آمدنی بھی قرض میں لیتا تھا۔چنانچہ اس موروثی گدی نشینی کے بارے میں مولانا تھانویؒ بیان کرتے ہیں:

---

[1] ملفوظات حکیم الامت،1/57

[2] اشرف الجواب،ص:158

toobaafoundation.com

"ایک خرابی اس موروثیت میں یہ ہے کہ بزرگوں کے نام کی آمدنی رنڈی بھڑووں میں صرف ہوتی ہیں، ہزاروں اوقاف آج کل برباد ہورہے ہیں، کیوں کہ بزرگوں کی خانقاہوں کے لیے جو آمدنی وقف تھی اس گدی نشینی کی وجہ سے ان کی اولاد ہی اس کی متولی ہوتی ہے، خواہ وہ لائق ہوں یا نالائق، پھر تولیت سے گزر کر ملکیت کا دعویٰ ہونے لگا، اسی طرح ہزاروں اوقاف برباد ہوگئے۔"[1]

سجادہ نشینی محل میراث نہیں، بلکہ محض رسم ہے:۔

مولانا تھانویؒ اس ناخلف گدی نشینی کی حقیقت یوں عیاں کرتے ہیں:۔

"آج کل سجادہ نشینی بھی میراث ہوگئی ہے، چاہے گدی پر گدھے ہی بیٹھیں اور تماشا یہ ہے کہ کبھی تو مشائخ مریدوں کے سر پر خلافت کی پگڑی باندھتے تھے، آج کل مرید مشائخ کو خلافت کی پگڑی دیتے ہیں کہ جہاں پیر کا انتقال ہوا، مریدوں نے اس کے بیٹے کو گدی پر بٹھا کر خلافت کی دستار دے دی، بس! اب وہ سب کے پیر ہوگئے، ہمارے حاجی صاحب رحمہ اللہ نے اس گدی نشینی کی رسم کو بالکل مٹا دیا، چنانچہ حاجی صاحب رحمہ اللہ کی گدی پر کوئی نہیں ہے، بلکہ ان کی گدی ایک گنگوہ میں تھی، ایک دیوبند میں تھی (یعنی مولانا قاسم رحمہ اللہ) اور ایک کہیں، ایک کہیں، میں کہتا ہوں کہ اس میں زیادہ شان ہے کہ ایک شخص کی گدیاں جابجا ہوں یہ کچھ نہیں کہ ایک ہی گدی ہو، سو خوب سمجھ لو کہ یہ چیزیں میراث کا محل نہیں۔"[2]

متصوفین کا حال:۔

مولانا تھانویؒ کے بقول متصوفین کے نزدیک کافر بھی صوفی اور درویش ہوسکتے ہیں، چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

"یورپ میں ایک پیر تھے، وہ عورتوں کے پاس جاکر ٹھہر جاتے تھے، خدا ایسے پیروں کو غارت کرے اس کے ساتھ وہ بڑے بزرگ اور قطب اعظم مشہور تھے اور کئی لاکھ آدمی ان سے مرید ہیں، ہندو بھی ان سے مرید ہیں، اسلام اور درویشی میں پہلے عموم خصوص مطلق کی نسبت تھی، مگر اب اس زمانہ میں من وجہ کی نسبت ہوگئی، یعنی پہلے درویشی کے لیے مسلمان ہونا ضروری تھا، اب کافر بھی صوفی اور درویش ہوسکتے ہیں۔ یہ ان رہزنوں کی بدولت ہے، ان کے نزدیک کافر بھی مرید ہوسکتا ہے، یہ لوگ دجال پر ضرور ایمان لے آئیں گے، کیوں کہ وہ تو بڑا صاحب تصرف ہوگا اور چونکہ ان کے نزدیک صوفی کا مسلمان ہونا ضروری نہیں، اس لیے دجال کو تو بے تکلف پیشوا بنالیں گے اور جس کا یہ عقیدہ ہے کہ جہاں شریعت

---

[1] اشرف الجواب، ص:160

[2] ایضاً، ص:157

toobaafoundation.com

نہیں، وہاں کچھ نہیں، اس کے نزدیک کرامات وغیرہ کی کوئی وقعت نہیں، وہ سب سے پہلے اتباع شریعت کو دیکھے گا اور چونکہ دجال کافر ہوگا، اس لیے یہ شخص اس کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔"[1]

اعمال سے بیزاری:۔

مولانا تھانویؒ نے اپنے ایک وعظ "طریق القلندر" میں بے عمل متصوفین پر تنقید کرتے ہوئے جنید بغدادیؒ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ:

"حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کسی نے کہا کہ ایک قوم ہے جو یہ کہتی ہے "نحن وصلنا فلا حاجة لنا الی الصلوة والصیام" "ہم واصل ہو گئے ہیں لہٰذا ہمیں حاجت نہیں رہی نماز کی اور نہ روزہ کی۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے جواب میں فرمایا" صدقوا فی الوصول ولکن الی سقر "یہ تو وہ سچ کہتے ہیں کہ واصل ہو گئے ہیں لیکن جہنم واصل ہوئے ہیں۔ خدا واصل نہیں ہوئے، پھر ارشاد فرمایا" ولو عشت الف عام لما ترکت من اورادی شیئاً الا بعذر شرعی "یعنی اگر ہزار برس بھی میں زندہ ہوں تب بھی نماز تو بڑی چیز ہے کیونکہ فرض ہے۔ وظیفے جو محض مستحب ہیں بلکہ مستحب کے درجہ کے بھی نہیں یہ بھی کبھی نہ چھوڑو۔ " الا بعذر شرعی "ہاں کوئی عذر شرعی لاحق ہو جاوے تو مجبوری ہے ورنہ کوئی وظیفہ تک بھی کبھی نہ چھوڑوں۔"[2]

متصوفین کی علمی پس ماندگی:۔

مولانا تھانویؒ جاہل صوفیہ کی علمی حالت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"قل الروح من امر ربی"[3] میں جہلاء صوفیہ نے عجب گڑبڑ کی ہے جب ہی تو ابن تیمیہؒ وغیرہ صوفیہ پر خفا ہوتے ہیں۔ ایک اصطلاح ہے کہ عالم دو ہیں عالم امر یعنی مجردات اور عالم خلق یعنی مادیات اس اصطلاح پر آیت کی تفسیر کر لی کہ روح عالم امر سے ہے یعنی مجرد ہے تو اس کا تجرد قرآن سے ثابت کیا مگر یہ استدلال محض لغو ہے کیونکہ اصطلاح خود مقرر کی اور پھر قرآن کو اس کا تابع بنایا۔ قل الروح من امر ربي سے تو مقصود یہ ہے کہ تم روح کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے اتنا سمجھ لو کہ روح اللہ تعالیٰ کے امر سے پیدا ہوئی بس اس سے آگے کسی تفسیر کا دعویٰ محض گھڑت ہے۔"

---

[1] اشرف الجواب، ص:219

[2] تھانوی، اشرف علی، مولانا، خطبات حکیم الامت، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، 1428ھ، 11/240

[3] بنی اسرائیل 85:17

toobaafoundation.com

اسی طرح مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

"ایک صاحب نے لکھا تھا کہ کافر کو سود لینا کیوں حرام ہے میں نے لکھا کہ کافر عورت سے زنا کرنا کیوں حرام ہے؟اس کا تو کوئی جواب نہیں شکایت کا خط آیا۔لکھا تھا کہ علماء کو اتنی خشکی نہ چاہیے۔جواب کے لیے ٹکٹ نہ تھا اس لیے جواب نہیں دیا گیا اگر ٹکٹ ہوتا تو یہ جواب دیتا کہ جہلاء کو بھی اتنی تری نہ چاہیے کہ اس میں ڈوب ہی جائیں۔" [1]

جاہل صوفیاء کا جنت سے استغناء:۔

جاہل صوفیہ کا جنت سے استغناء اور ان کی نصوص سے بے خبری کس طرح ان کے لیے مضر ہوگی؟ایک مولوی صاحب نے مولانا تھانویؒ سے اس بارے میں عرض کیا کہ:

"حضرت آجکل جاہل صوفی کہا کرتے ہیں کہ نہ ہم کو جنت کی خواہش نہ دوزخ سے ڈر۔فرمایا کہ حقیقت سے بے خبری اس کا سبب ہے اور صریح مخالفت ہے نصوص کے احکام کی یہ یہیں باتیں بگھارتے ہیں مر جانے کے بعد اگر جنت نہ ملے تب حقیقت معلوم ہوگی باقی مغلوبین کے کلام میں اگر ایسا مضمون پایا جائے اس کا منشاء دوسرا ہے۔" [2]

جاہل صوفیوں کی باتیں:۔

مولانا تھانویؒ جاہل صوفیوں کے علوم ومعارف کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"جاہل صوفیوں کے علوم بھی عجیب وغریب ہیں جو جی میں آیا کر لیا جو منہ میں آیا بک دیا چناں چہ نفس کی نسبت اکثر کہتے ہیں کہ نفس کافر ہے مگر معلوم بھی ہے کہ نفس کون ہے تم ہی تو ہو۔اگر وہ کافر ہے تو تم کافر ہوئے اسی طرح بہت سی باتیں واہی تباہی گھڑ رکھی ہیں جن کے سر ہے نہ پیر ہے یہ علوم ہیں یہ اسرار ہیں۔لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔" [3]

جاہل صوفیاء اور دنیادار پیروں کی حالت:۔

مولانا تھانویؒ جاہل صوفیوں کے شریعت سے الگ جاہلیت سے لتھڑے علوم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

[1] ملفوظات حکیم الامت،1/206

[2] ایضاً،1/263

[3] ایضاً،3/45

toobaafoundation.com

"بے جا حمایت کا میرے اندر مادہ ہی نہیں شریعت میری فطرت ہے اسی لیے جہلاء صوفیہ پر ردو نکیر بھی زوروشور سے کرتا ہوں چنانچہ بعضوں کی یہ حالت ہے کہ انہوں نے بالکل شریعت کے مقابلہ میں ایک مخترع طریق اختیار کر رکھا ہے ان کے یہاں کوئی چیز ایسی نہیں جس میں کچھ نہ کچھ جہل شامل نہ کر دیا گیا ہو۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جاہل صوفی کا قول اس کی توجیہ میں بیان کیا کہ حضرت غوث اعظم کا لقب دستگیر کیوں ہے سو توجیہ یہ کی کہ ایک مرتبہ اللہ میاں اور غوث پاک ہاتھ میں ہاتھ ڈالے جا رہے تھے اللہ میاں کا پیر پھسلا نعوذ باللہ۔ حضرت غوث پاک نے تھام لیا اس وقت اللہ میاں نے فرمایا کہ دستگیر۔ اس قدر جہل بڑھا ہوا ہے۔"[1]

متصوفین کی دکانداری:۔

متصوفین اپنی دکان داری پر دھیان دیتے ہیں اور اپنے مریدین کو سلسلہ بیعت میں داخل کر لینے کو ہی کافی خیال کرتے ہیں، چناں چہ اپنے حلقہ کاروبار کو وسعت دینے کی خاطر ان کے پاس بڑی تدابیر ہوتی ہیں، چناں چہ ایک ملفوظ میں ذکر ہے۔

"ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ تو دکاندار پیروں کی من گھڑت ہے کہ بدون بیعت کے خاص اسرار نہ بتائیں گے وہ اسرار ہی کون سے ہیں جس کو وہ نہ بتائیں گے اجی جن اسرار کی ضرورت تھی ان کو تو حضور ﷺ نے پہاڑوں پر منبروں پر چڑھ کر علی الاعلان بیان کر دیا، باقی ان سے الگ وہ اسرار ہی کب ہیں جن کو وہ بدون بیعت کے نہیں بتلاتے، ہاں اشرار ہیں جن کی بدولت لوگوں کو جال میں پھنسانا چاہتے ہیں۔ ان کو بے شک نہیں بتلا سکتے مگر وہ ایسی چیزیں ہیں کہ وہ ان کو بعد بیعت بھی نہیں بتلا سکتے کیونکہ اپنے عیوب پر دوسروں کو کون مطلع کیا کرتا ہے تو آج کل کے رسمی پیر اور مشائخ اسی لیے خفا ہیں کہ میں نے ان کے یہ اسرار کھول دیئے کہ یہ لوگ ایسی ہی باتیں بناتے رہتے ہیں باقی کوئی تعلیم نہیں تلقین نہیں اور تعلیم اور تلقین ہو کہاں سے اکثر جاہل ہوتے ہیں، یوں ہی اڑنگ بڑنگ ہانکتے رہتے ہیں۔ بس ان کے یہاں تو داخلِ سلسلہ ہو جانا کافی ہے آگے بے فکری۔ ہاں لوگوں کو پھندے میں پھانسنے کی تدبیریں بہت خوب یاد ہیں۔ ایک پیر کا واقعہ ہے کہ ایک ریاست میں جا کر یہ حرکت کی کہ اپنے ایجنٹوں کی سازش سے ایک زندہ شخص کا مصنوعی جنازہ بنا کر اور اس کو ایک شاہراہ پر رکھ کر نماز کے بہانہ سے بلوائے گئے جنازہ پر کھڑے ہو کر کہا کہ "قم باذن اللہ" وہ کھڑا ہو گیا، بس پھر کیا تھا شہرت ہو گئی، بزرگی کا ڈنکا بج گیا، راجہ اس ریاست کا بڑا ہوشیار تھا، اس نے کہا کہ پیر صاحب کو یہاں لاؤ، پیر صاحب سمجھے کہ راجہ معتقد ہو گیا، اس کے لیے تو یہ تدبیر کی تھی، پہنچے خوش ہوتے ہوئے اس نے کہا کہ فوج میں لوگ مرتے ہیں جس کی وجہ سے ریاست کو نقصان پہنچتا ہے کیونکہ پھر ایسے مشاق نہیں ملتے آپ یہیں رہیں ان کو زندہ کیا کریں، میں آپ کے تمام اخراجات کا

---

[1] ملفوظات حکیم الامت، 3/92-93

toobaafoundation.com

کفیل ہوں گا، تب تو پیر صاحب کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔"[1]

متصوفین اپنے خالق کی نظروں سے چاہے کتنا ہی گر جائیں لیکن مخلوق کی نظروں سے گرنا اور اپنے کمالات میں کمی لانا بالکل پسند نہیں کرتے چناں چہ ایسے مشائخ کے بارے میں مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

"ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل ساری خرابیاں اس وجہ سے ہو رہی ہیں کہ جو مصلح اور مشائخ کہلاتے ہیں ان کو بھی طالبوں کے حال پر توجہ نہیں۔ چاہتے ہیں کہ لوگوں کی نظر میں کمالات میں کوئی کمی نہ آجائے، میرے نزدیک وہ شیخ خائن ہے رہزن ہے جو اللہ کی مخلوق کی راہ مارے اور اپنے اغراض اور مصالح کی بناء پر طالبین کی اصلاح و تربیت نہ کرے ان لوگوں نے دکانیں جمار کھی ہیں، ہر وقت اس کی فکر ہے کہ کوئی ہم کو برا نہ کہے کوئی غیر معتقد نہ ہو جائے، اچھی خاصی دین فروشی اور مخلوق پرستی ہے سو ایسے لوگ خود ہی گمراہ ہیں، دوسروں کو کیا راہ بتائیں گے۔ میں پوچھتا ہوں کہ جب آنے والوں کی بری عادت پر روک ٹوک نہ کرو گے ان کی اصلاح نہ کرو گے تو پھر تم ہو کس مرض کی دوا، غرض بے فکری کے مرض سے اس وقت مشائخ بھی خالی نہیں۔ الا ماشاء اللہ یہ سب فساد بے فکری کی بدولت ہو رہا ہے۔ اگر اپنی عاقبت کی اور دین کی فکر ہو تو ایسا ہرگز نہ کریں اور اسی پر بس نہیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر خلاف شرع بکواس لگاتے ہیں بڑیں ہانکتے ہیں اور وہ رموز واسرار سمجھے جاتے ہیں اشرار کا نام اسرار رکھا ہے۔ احکام شرعیہ میں تحریف کرتے ہیں اور فن تصوف کی تو وہ گت بنائی ہے کہ الامان والحفیظ مگر اب تو کچھ آنکھیں کھل گئیں، اللہ کا شکر ہے اب بہت کم لوگ ان کے جال میں پھنستے ہیں۔"[2]

بدعات، رسمی پیرزادگی اور متصوفین:۔

صوفیہ جب شریعت کی اتباع سے ہٹے تو بڑے بڑے سلسلوں میں بدعات کا دور دورہ ہو گیا، اور ہر ایک نے اپنے کو اچھا اور دوسرے کو برا کہنا شروع کر دیا حالانکہ یہ طریقہ صوفیہ کے شایان شان نہیں، چناں چہ مولانا تھانویؒ نے نقشبندیہ میں بدعات کے رواج کے متعلق کچھ یوں ذکر فرمایا کہ:

"ایک صاحب نے سوال کیا کہ نقشبندی سلسلہ میں بھی بدعات ہیں اور مروج پیرزادگی کا سلسلہ ہے۔ فرمایا کہ ہاں بہت لوگ بدعات میں مبتلا ہیں، ان لوگوں نے چشتیوں کے بدنام کرنے کو بدعت کو صرف سماع میں منحصر کر دیا ہے ورنہ آج کل نقشبندیوں میں کثرت سے بدعات ہوتی ہیں، میں نے خود دیکھا ہے ایک شخص کو مجدد صاحب کے مزار پر سجدہ کرتے

---

[1] ملفوظات حکیم الامت، 60/2

[2] ایضاً، 2/162-163

toobaafoundation.com

ہوئے بس ان کے نزدیک صرف ایک سماع ہی بدعت ہے اور کوئی چیز بدعت نہیں۔"[1]

رسومات کا غلبہ:۔

مولانا تھانویؒ رسمی پیروں اور متصوفین کی بیخ کنی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"آج کل رسمی پیروں کی بدولت لوگوں کے قلب میں طریق کی عظمت وقدر نہیں رہی بلکہ رسم کا غلبہ ہو گیا۔ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں سادات کی عظمت بھی رسم کے ماتحت ہے بلکہ قرآن کی عظمت بھی وہی رسمی ہے اگر حقیقتاً عظمت ہوتی تو اس کی تعلیم پر تو عمل ہوتا حالاں کہ دونوں چیزوں کے جمع کرنے کی ضرورت ہے یعنی عظمت بھی ہونی چاہیے اور عمل بھی۔اسی طرح بزرگی کا معیار بھی رسمی رہ گیا جہاں ایک دو کرامت ظاہر ہوئیں خواہ حقیقی یا خیالی اور بزرگی کی رجسٹری ہوئی کیا خرافات اور اگر کہیں کسی بزرگ نے لڑکے لڑکی بیوی نوکر سے کنارہ کر لیا پھر تو تارک دنیا ہی ہو گئے۔اگر غلبہ سے ایسا ہو تب بھی کمال نہیں،سالک تو وہ ہے کہ اس کے مقام کو غلبہ ہو اور اس کا حال مغلوب ہو۔"[2]

محبتِ امرد اعاذنا اللہ منہ:۔

جاہل صوفیوں کی بدعملی اور ہوس پرستی بیان کرتے ہوئے مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

"بعضے بعضے جاہل صوفی اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ مخلوق کا جمال مظہر جمال الٰہی ہے اس لیے حسین جمیل آدمی کو گھورنے سے مقامات میں ترقی ہوتی ہے۔استغفر اللہ۔ایک درویش کا قصہ سنا ہے کہ ایک مقام پر ٹھہرے،ان کے ہمراہ ایک لڑکا تھا جو ان کا محبوب تھا،سردی کا زمانہ تھا،لوگوں نے پوچھا کہ اس کی چارپائی کہاں بچھے گی کہا کہ ہماری چارپائی کے پاس،لوگوں کو شبہ ہوا،رات کو جھانک کر دیکھا تو وہ درویش رات بھر اسے گھورتے رہے کیا ٹھکانا ہے اس جہل کا۔"[3]

آج کل کے پیر جیوں کی حالت:۔

"آج کل عجیب جہالت کا زمانہ ہے ایک مرتبہ پیر جی کی شہرت ہو جائے پھر تو رجسٹری ہو جاتی ہے چاہے زنا کرے جھوٹ بولے دھوکے دے مگر پھر بھی پیر جی ہی رہتے ہیں کہ ہم کوئی ڈوکڑے (چھوٹے حوض) تھوڑا ہی ہیں کہ ناپاک ہو جائیں ہم تو سمندر ہیں جس میں اگر ناپاکی بھی آتی ہے وہ بھی پاک ہو جاتی ہے جیسے سمندر میں گنگا جمنا آکر بھی سمندر ہی ہو جاتا ہے اسی

---

[1] ملفوظات حکیم الامت،2/191

[2] ایضاً،2/264

[3] ایضاً،2/291

toobaafoundation.com

طرح ہمارے اندر معصیت آکر بھی نیکی ہو جاتی ہے یہ مذہب ہے ان جاہل بددین لوگوں کا۔" [1]

نتائج بحث:۔

برصغیر میں وحدت ادیان کی تحریک کا بانی مغل بادشاہ اکبر اعظم تھا۔اکبر نے علماء اسلام سے جان چھڑانے کے لیے آخرکار اپنے مجتہد ہونے کا دعویٰ کر دیا۔اکبر کے دور میں "آتش پرستی، آفتاب پرستی، دین اسلام کی تحقیر اور مقام نبوت کی اہانت کا عمل ہوا۔علی میاںؒ کے نزدیک اکبر کا دور ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا سنگین اور خطرناک دور تھا۔اکبر کے "دین الٰہی" کی اشاعت کو شیخ احمد سرہندیؒ، مجدد الف ثانیؒ نے روکا اور اس کے علاوہ معاشرے کے اندر پائی جانے والی بدعات ورسومات کا خاتمہ کیا۔

جو لوگ تصوف کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کے مطابق زندگی گزارنے سے راہ فرار چاہتے ہیں ان کو متصوفین کہتے ہیں۔مولانا تھانویؒ نے برصغیر کے اندر گدی نشینی، اعمال بیزاری اور متصوفین کی علمی پس ماندگی کا ذکر کیا ہے۔برصغیر میں متصوفین نے تصوف کے نام پر دکانداری، بدعات اور غیر شرعی رسومات شروع کی ہوئی ہیں۔

---

[1] ملفوظات حکیم الامت، 3/276

toobaafoundation.com

فصل دوم

تصور رحمت و شفاعت کا بگاڑ اور استمداد غیر اللہ کی متعدد اشکال

toobaafoundation.com

فصل دوم : تصور رحمت وشفاعت کا بگاڑ اور استمداد غیر اللہ کی متعدد اشکال

اس فصل کے بنیادی طور پر دو حصے بنتے ہیں۔(ا)۔تصور رحمت وشفاعت کا بگاڑ

(۲)۔استمداد غیر اللہ کی متعدد اشکال۔ سب سے پہلے اول الذکر حصے پر بحث کی جائے گی۔

تصور رحمت وشفاعت کا بگاڑ:۔

رحمت کا مفہوم:۔

علامہ جرجانی نے اپنی کتاب "التعریفات" میں "رحمت" کا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے۔

"الرحمة:الرحمة هی ارادة ایصال الخیر"[1] ترجمہ: رحمت سے مراد خیر پہنچانے کا ارادہ ہے۔

کتاب "معجم الفروق اللغویة" میں "رحمت" کا مفہوم اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"الفرق بین الرافة والرحمة:قیل:الرحمة آکثر من الرافة،والرافة اقوی منها فی الکیفیة،لانها عبارة عن ایصال النعم صافیة عن الالم ،والرحمة: ایصال النعم مطلقاً وقد یکون مع الکراهة والالم للمصلحة کقطع العضو المجذوم "[2]

ترجمہ: رافت اور رحمت میں فرق کے بارے میں کہا گیا ہے کہ رحمت،رافت سے زیادہ ہے۔لیکن رافت کیفیت میں رحمت سے زیادہ قوی ہے اس لیے رافت نعمت کو تکلیف سے صاف شفاف کر کے پہنچانے کا نام ہے۔اور رحمت سے مراد مطلق طور پر نعمت کو پہنچانا ہے اور بسا اوقات مصلحت کے پیشِ نظر نعمت کراہت اور تکلیف کے ساتھ بھی ہوتی ہے۔جیسا کہ مجذوم(کوڑھ والے) عضو کو کاٹنا۔

شفاعت کا مفہوم:۔

محمد عبد الرؤف المناوی نے اس کا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے۔

"الشفاعة :السؤال فی التجاوز عن الذنوب ممن وقع منه جنایة وقال الحرالی الشفاعة : وصلة بین الشفیع

---

[1] الجرجانی، علی بن محمد بن علی، التعریفات، تحقیق:ابراھیم الابیاری، باب الراء، دار الکتاب العربی، بیروت،1405ھ،1/146

[2] بیات، بیت اللہ، الشیخ،، معجم الفروق اللغویة، مؤسسة النشر الاسلامی، قم المشرفة،1412ھ،1/246

toobaafoundation.com

والمشفوع عندہ وقال الراغب الشفع:ضم الشئ الیٰ مثلہ۔۔۔وشفعت شفاعة طالبت بوسیلة"[1]

ترجمہ: جس شخص سے کوئی جرم سرزد ہوا ہو اس کے گناہوں سے تجاوز کرنے کے سوال کا نام" شفاعت " ہے۔اور حرالیؔ نے کہا ہے کہ" شفاعت " سفارش کرنے والے اور جس کے پاس سفارش کی جائے ان کے درمیان تعلق کا نام ہے۔اور امام راغبؔ نے کہا ہے کہ "شفع" کا مطلب ایک شے کو اس کی مثل سے ملادینے کا نام ہے۔۔۔اس نے شفاعت کی یعنی وسیلہ کے ساتھ طلب کی۔

ابوالحسن علی بن اسماعیل بن صیدہ المرصی نے اپنی لغت کی کتاب"المحکم والمحیط الاعظم"میں "شفاعة" کا لغوی مفہوم اس طرح بیان کیا ہے:

"وشفع لی یشفع شفاعة وتشفع طلب،والشفیع الشافع والجمع شفعاء،واستشفع بفلان علی فلان وتشفع لہ الیہ وقال الفارسی:استشفعہ طلب منہ الشفاعة ای قال لہ کن لی شافعاً"[2]

ترجمہ: "شفع لی" (اس نے میرے لیے سفارش کی)اس کا مضارع"یشفع" اور مصدر"شفاعة" ہے شفیع اسم مفعول اور شافع اسم فاعل اور اس کی جمع"شفعاء" ہے اور اس نے فلاں سے فلاں کے خلاف سفارش طلب کی۔اور فارسی نے کہا:"استشفعہ" یعنی اس نے اس سے شفاعت طلب کی یعنی اس نے اس سے کہا کہ تو میرا سفارشی بن جا۔"

اور اسی سے ملتا جلتا مفہوم ابن منظور افریقی نے اپنی کتاب "لسان العرب" میں ذکر کیا ہے۔

رحمت وشفاعت کے بارے میں اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ:۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت بڑی وسیع ہے،جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"ورحمتی وسعت کل شیء"[3]

ترجمہ: اور میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دونوں جہانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا،جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

---

[1] المناوی، محمد عبدالرؤف، التوفیق علی مھمات التعریف، دار الفکر المعاصر، بیروت، 1410ھ، فصل الفاء، 1/432

[2] علی بن اسماعیل، ابوالحسن، المحکم والمحیط الاعظم، باب العین والشین والباء، تحقیق: عبدالحمید ھنداوی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2000ء، 1/379؛ لسان العرب، مادۃ: شفع، 8/183

[3] الاعراف، 7:156

toobaafoundation.com

"وما ارسلنک الا رحمة للعالمین"۔[1]

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو دونوں جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اسی طرح اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ کی شفاعت بھی برحق ہے۔اور اسلام میں کسی جائز اور اچھے کام کے لیے کسی کی سفارش کرنا نیکی کا کام ہے اور گناہ کی سفارش کرنا برا کام ہے۔جیسا کہ سورۃ النساء میں ہے کہ:

"من یشفع شفاعة حسنة یکن له نصیب منها ومن یشفع شفاعة سیئة یکن له کفل منها"۔[2]

ترجمہ: جس نے کوئی اچھی سفارش کی اس کے لیے اس میں سے حصہ ہے اور جس نے کوئی بری سفارش کی اس کے لیے اس میں سے حصہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی شفاعت اور دیگر صالحین کی شفاعت کے بارے میں "یحیٰ بن ابو الخیر العمرانی" اپنی کتاب "الانتصار فی الرد علی المعتزلة القدریة الاشرار" میں لکھتے ہیں:

"ان للنبی ﷺ شفاعة فی اهل الکبائر من امته یخرجون بشفاعة من النار،وله شفاعة فی جمیع الخلق فی فصل الحساب،وکذٰلک الشفاعة للملائکة والانبیاء ولسائر العلماء،ولکن شفاعة النبی ﷺ اعم واکبر۔وانکرت المعتزلة والقدریة اهل الزیغ الشفاعة،وهذا لاعتقادهم علی عقولهم الفاسدة واخذهم بالمتشابه من القرآن،وترکهم الاخبار المرویة الثابتة فی الصحاح"۔[3]

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کو اپنی امت کے اهل الکبائر کے لیے شفاعت کا حق ہے جو آپ ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے آگ سے نکلیں گے۔اسی طرح حساب کتاب کے شروع ہونے کے لیے بھی آپ ﷺ کو تمام مخلوقات میں شفاعت کا حق حاصل ہے۔اسی طرح فرشتوں،انبیاء اور تمام (حقیقی) علماء کو شفاعت کرنے کا حق ہو گا۔لیکن نبی ﷺ کی شفاعت زیادہ عام اور بڑی ہے۔اور معتزلہ،قدریہ اور کجی والوں نے شفاعت کا انکار کیا ہے۔اور اس کا سبب ان کا اپنی فاسد عقلوں پر اعتماد کی وجہ سے اور قرآن کی متشابہ آیات کو لینے کی وجہ سے ہے۔اور ان کے صحیح کتب حدیث میں مروی اخبار واحادیث کو چھوڑ دینے کی وجہ سے ہے۔

---

[1] الانبیاء،107:21

[2] النساء،85:4

[3] العمرانی، یحیٰ بن ابی الخیر،الانتصار فی الرد علی المعتزلة القدریة الاشرار، تحقیق:صعود بن عبد العزیز الخلف،اضواء السلف،الریاض،1999ء،688/3

toobaafoundation.com

تصور رحمت وشفاعت میں خرابی:۔

تصور رحمت وشفاعت میں خرابی اس طرح پیدا ہوئی کہ جاہل صوفیاء(متصوفین)اور جاہل عوام کا رسول اللہ ﷺ اور اپنے شیوخ کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا صرف امتی اور کسی پیر کا صرف مرید ہونا کافی ہے۔اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ایسے لوگوں کے نزدیک عبث اور اپنے آپ کو مشکل میں ڈالنے کے مترادف ہے۔اس لیے کہ گناہ گار لوگوں کی بخشش کروانے کی ذمہ داری تو رسول اللہ ﷺ اور اولیاء عظام کی ہے۔اسی طرح جب انہیں نماز،روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ اسلامی عبادات پر عمل کرنے کا کہا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے وہ محض اپنی رحمت سے بخشش کر دے گا۔لیکن وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ اسلام ایمان کے ساتھ ساتھ عمل کا نام ہے۔ذیل میں اس حوالے سے مولانا تھانویؒ کی علمی خدمات کو ذکر کیا جاتا ہے۔

کسی کو کامل بنا دینا پیر کے اختیار میں نہیں:۔

”فَاِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى وَلَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوۡا مُدۡبِرِيۡنَ ۝ وَمَاۤ اَنۡتَ بِهٰدِ الۡعُمۡىِ عَنۡ ضَلٰلَتِهِمۡ “[1]

ترجمہ: سو آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور بہروں کو آواز نہیں سنا سکتے جبکہ پیٹھ پھیر کر چل دیں اور آپ اندھوں کو ان کی بے راہی سے راہ پر نہیں لا سکتے۔

مولانا تھانویؒ اس آیت کی تفسیر میں بعض لوگوں کے اس نظریے کی تردید کرتے ہیں کہ پیر اور شیخ اپنے کسی بھی مرید کو پل بھر میں کامل بنا سکتے ہیں۔اس لیے اللہ کے علاوہ کسی کو اختیار نہیں۔

فیض رسانی صلحاء وشیوخ کے قبضہ میں نہیں:۔

حدیث: عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قولہ تعالیٰ ”انک لا تہدی من احببت“[2]

قال:نزلت فی رسول اللہ ﷺ حیث یراد عمہ ابا طالب علی الاسلام۔"[3]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت ”انک لا تھدی۔۔۔الخ“ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے معاملہ میں نازل ہوئی کہ آپ ﷺ اپنے چچا ابو طالب کو اسلام کی ترغیب دے رہے تھے(اور وہ نہ مانتے تھے)۔

---

[1] الروم:30:52تا53

[2] القصص،28:56

[3] صحیح مسلم،کتاب الایمان،باب الدلیل علی صحۃ اسلام من حضرہ الموت مالم یشرح فی النزع،رقم:41(25)؛سنن ترمذی،کتاب تفسیر القرآن،سورۃ القصص،رقم:3188

toobaafoundation.com

مولانا تھانویؒ نے اس حدیث کے ضمن میں ان لوگوں کا رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ ہمیں عمل کی ضرورت نہیں، ہمیں اپنے پیروں کا فیض پہنچتا ہے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں:

"بعض ناواقف غلطی سے یوں سمجھتے ہیں کہ فیض پہنچانا شیوخ کے قبضے واختیار میں ہوتا ہے اس حدیث سے اس غلطی کی پوری اصلاح ہوتی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اختیار نہ ہوا تو اوروں میں تو اس کا کب احتمال ہے اور جب نفع دینی جو اصل کام شیخ کا ہے مستقلاً خارج از اختیار ہے تو نفع دنیوی تو بدرجہ اولیٰ استقلالاً اختیار میں نہ ہو گا بہت سے جہلاء اس میں بھی گرفتار ہیں کہ نعوذ باللہ اہل اللہ کو ساری خدائی کا مالک سمجھتے ہیں بدلالۃ النص اس کی بھی اصلاح ہو گئی۔"[1]

مشائخ کی تصاویر کو رکھنا درست نہیں:۔

حدیث: "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنه فی قوله تعالیٰ: "ولا سواعاً ولا یغوث ویعوق ونسراً"[2] قال: وکلها اسماء رجال صالحین من قوم نوح علیه السلام ،فلما هلکوا اوحیٰ الشیطان الیٰ قومهم ان انصبوا الیٰ مجالسهم التی کانوا یجلسون فیها انصاباً وسموها باسمائهم، ففعلوا، فلم تعبد،حتیٰ اذا هلک اولئک ونسخ العلم عبدت۔"[3]

بعض جاہل لوگ برکت ورحمت کے لیے اپنے گھروں میں مشائخ کی تصویریں لگالیتے ہیں۔ جب کہ تصویروں کی اسلام میں مذمت کی گئی ہے۔ مولانا تھانویؒ نے اس حدیث سے اس مسئلہ کو بیان کیا ہے:

"بعض لوگوں کی عادت ہے کہ اپنے پیروں یا بزرگوں کی تصویر تبرکاً اپنے پاس رکھتے ہیں، اس حدیث سے ان کا موجب فساد ہونا ظاہر ہے اور وہ مفاسد مشاہد بھی ہیں اور چوں کہ شرائع سابقہ میں فی نفسہٖ تصویر مباح بھی تھی اور اس شریعت میں وہ فی نفسہٖ بھی حرام ہے اس لیے اب اس سے زیادہ مفسدہ ہے بالخصوص اس سے اور زیادہ مفسدہ قوی ہو جاتا ہے کہ شریعت میں تصویر واجب الاہانت ہے اور ایسی تصویروں کی خود تعظیم کی جاتی ہے تو شرع کا پورا مقابلہ ہے۔"[4]

حق تعالیٰ شانہ کے سوا کوئی مختار کامل نہیں:۔

آیت: "مالهم من دونه من ولی "[5]

---

[1] التکشف عن مھمات التصوف، ص: 482

[2] نوح، 23:71

[3] صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورۃ نوح، رقم:4920

[4] التکشف عن مھمات التصوف، ص:487

[5] الکھف، 26:18

toobaafoundation.com

ترجمہ: ان کا خدا کے سوا کوئی مدد گار نہیں۔

اکثر جاہل صوفیاء اپنے شیخ کے بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہماری بخشش کا ذمہ ہمارے شیخ کا ہے۔اسی وجہ سے ایسے لوگ اسلامی تعلیمات پر عمل سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔اس آیت کی روشنی میں مولانا تھانویؒ نے ایسے لوگوں کی اصلاح فرمائی ہے:

"دوسرے کے ولی(مختار کل)نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی(حقیقت)فاعلیت نہیں ہے۔" [1]

کسی کے گناہوں کا ذمہ کوئی بھی نہیں لے سکتا:۔

آیت: "وقال الذین کفروا للذین اٰمنوا اتبعوا سبیلنا ولنحمل خطٰیکم وما ھم بحاملین من خطٰیھم من شیء انھم لکٰذبون" [2]

ترجمہ: اور جو کافر ہیں وہ مومنوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے طریق کی پیروی کرو ہم تمہارے گناہ اُٹھا لیں گے۔حالانکہ وہ اُن کے گناہوں کا کچھ بھی بوجھ اُٹھانے والے نہیں۔کچھ شک نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں۔

اس آیت کے ضمن میں مولانا تھانویؒ نے ان لوگوں کے غلط دعوؤں کی تردید کی ہے جو یہ نعرہ لگاتے ہیں کہ ہم جو مرضی کریں ہمارے گناہوں کا بوجھ ہمارے شیوخ کے سر ہے،وہ ہماری شفاعت کر کے ہمیں بچالیں گے۔

"اس میں اس قول کی نفی ہے جو بعض مدعیان طریقت اہلِ ضلالت میں سے اپنے متبعین سے اپنا گروہ بڑھانے کے لیے کہا کرتے ہیں کہ تم ہمارے طریق میں آجاؤ اگر کوئی گناہ ہو تو ہمارے ذمہ۔" [3]

استمداد غیر اللہ کی متعدد اشکال:۔

علم میں شرک:۔

حقیقی علم اور غیب کا علم اللہ کی ذات کے پاس ہے۔برصغیر پاک وہند میں بکثرت ایسے جاہل لوگ پائے جاتے ہیں جو اللہ کے نبی،اپنے پیروں اور بہت سارے لوگوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ہمارے تمام احوال سے واقف ہیں۔

مولانا تھانویؒ نے "تعلیم الدین" کتاب میں ان لوگوں کی تردید ان الفاظ میں کی ہے۔

---

[1] تھانوی،اشرف علی،مولانا،مسائل السلوک من کلام ملک الملوک،ادارہ اسلامیات،لاہور، 1990ء،ص: 321

[2] العنکبوت،12:29

[3] مسائل السلوک من کلام ملک الملوک،ص: 423

toobaafoundation.com

قال اللہ تعالیٰ:" وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا إلا ھو "[1]

ترجمہ: اور اس (اللہ) کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، جن کا علم صرف اسی کو ہے۔

"کسی بزرگ یا پیر کے ساتھ یہ اعتقاد کرنا کہ ہمارے سب حال کی اس کو ہر وقت خبر ہے، نجومی، پنڈت سے غیب کی خبریں دریافت کرنا یا کسی بزرگ کے کلام سے، فال سے دیکھ کر اس کو یقینی سمجھنا یا کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اس کو خبر ہو گئی، کسی کے نام کا روزہ رکھنا"[2]

تصرف میں شرک:۔

بہت سارے جاہل لوگ اپنے پیروں کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ ہمارے کام کے لیے قوتِ تصرف رکھتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ:" قل من بیدہ ملکوت کل شیء وھو یجیر ولا یجار علیہ إن کنتم تعلمون سیقولون للہ قل فأنی تسحرون "[3]

ترجمہ: کہو کہ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا، فوراً کہہ دیں گے کہ (ایسی بادشاہی تو) خدا ہی کی ہے تو کہو پھر تم پر جادو کہاں سے پڑ جاتا ہے؟

"کسی کو نفع نقصان کا مختار سمجھنا، کسی سے مرادیں مانگنا، روزی اولاد مانگنا (یہ اشراک فی التصرف ہے۔)"[4]

عبادت میں شرک:۔

اسلام میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت جائز نہیں ہے۔ لیکن برصغیر میں جاہل لوگ اولیاء اللہ کو معبود بنالیتے ہیں اور ان کی قبروں پر سجدے کرتے ہیں، اسی طرح ان کے نام کی نذر وغیرہ مانتے ہیں۔

مولانا تھانویؒ نے ایسی تمام چیزوں سے منع کیا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ:" لا تعبدوا إلا اللہ "[5] ترجمہ: اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو۔

---

[1] الانعام:59:6

[2] تھانوی، اشرف علی، مولانا، تعلیم الدین (مکمل ومدلل)، دار الاشاعت، کراچی، س۔ن، ص:29

[3] المومنون:23:88تا89

[4] تعلیم الدین، ص:29

[5] ھود:26:11

toobaafoundation.com

"کسی کو سجدہ کرنا، کسی کے نام کا جانور چھوڑنا، چڑھاوا چڑھانا، کسی کے نام کی منت ماننا، کسی کی قبر یا مکان کا طواف کرنا، خدا کے حکم کے مقابلے میں کسی دوسرے قول یا رسم کو ترجیح دینا، کسی کے روبرو جھکنا، یا نقشِ دیوار کی طرح کھڑا رہنا، چھڑیں نکالنا، تعزیہ عَلَم وغیرہ رکھنا، توپ پر بکرا چڑھانا، کسی کے نام پر جانور ذبح کرنا، کسی کی دوہائی دینا، کسی جگہ کا کعبے کا سا ادب وعظمت کرنا۔" [1]

یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ کہنے کی اصل تحقیق:۔

قابلِ قبول اور اصل ذکر تو مسنون ذکر ہے۔ لیکن برصغیر میں جاہل لوگوں اور متصوفین نے اپنی طرف سے اذکار بنالیے ہیں انہی اذکار میں سے ایک مذکورہ بالا جملہ بھی ہے۔ مولانا تھانویؒ نے اپنے ایک ملفوظ میں اس کے حوالے سے فرمایا:

"ایک شخص یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ پڑھتے تھے فرمایا کہ میں نے ان سے کہا کہ جب شیخ نہ تھے تو لوگ کیا پڑھتے ہوں گے اور خود حضرت شیخ کیا پڑھتے تھے۔ وہ چیز تو یقیناً بڑھ کر ہو گی اس سے جس کی بدولت حضرت غوث اعظم اس مرتبہ کو پہنچے تو وہی کیوں نہ پڑھو۔ درۃ المعارف میں لکھا ہے کہ میں ایک بار پڑھ رہا تھا یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ آواز آئی کہ کہہ یا ارحم الراحمین شیئاً للہ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلمہ کسی نے غلبہ حال میں کہا ہو گا اصل تو اس کی یہ ہے اور اب وہ رائج ہو گیا بعض باتیں رسم ہو گئیں اگرچہ ابتداء میں غلبہ حال میں صادر ہوئی تھیں جیسے قیام مولود اس کی اصل بھی یہ معلوم ہوتی ہے کہ کسی مجلس میں اتفاقاً ذکر شریف میں کسی کو وجد ہوا اور وہ اسی حالت میں کھڑا ہو گیا اور اس کے ساتھ دوسرے لوگ کھڑے ہو گئے جیسا امام غزالی نے لکھا ہے کہ اگر کسی کو وجد ہو اور وہ کھڑا ہو جاوے تو سب کو کھڑا ہو جانا چاہیے تاکہ اس کو انقباض نہ ہو اب وہ رسم ہو گئی۔" [2]

صوفیاء ومشائخ سے دنیا کا سوال کرنا:۔

مولانا تھانویؒ نے صوفیاء سے دنیا کا سوال اور دنیا کے حوائج کے لیے سوال کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ہاں ان سے صرف دعا کروائی جا سکتی ہے۔

"فرمایا مولویوں (علماء) سے صرف اللہ تعالیٰ کے احکام پوچھیئے اور اہل طریقت (صوفیاء مشائخ) سے اللہ تعالیٰ کا نام پوچھیئے۔ دنیا کی فرمائش کسی سے نہ کیجیے ہاں دنیا کے لیے دعا کرانے کا مضائقہ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے کاموں میں کسی قسم کا ان کا دخل سمجھنا سخت غلطی ہے۔" [3]

---

[1] تعلیم الدین، ص:29

[2] کمالات اشرفیہ، ص: 196-197

[3] تھانوی، اشرف علی، مولانا، معارفِ اشرفیہ (مجموعہ ملفوظات)، مرتب: محمد اقبال قریشی، ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، بہاول نگر، س۔ن، ص: 126

toobaafoundation.com

مزاراتِ اولیاء پر فسق وفجور:۔

اولیاء اللہ اپنی ساری زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق گزارتے ہیں۔جب کہ ان کی وفات کے بعد لوگ ان کے مقدس مزارات پر ایسے ایسے کام کرتے ہیں جن کا اسلامی تعلیمات سے دور دور کا تعلق نہیں ہوتا اور نہ ہی اسلام میں ایسے افعال کی اجازت ہے۔جیسا کہ برصغیر میں اولیاء کے مزارات پر فسق وفجور عام ہے۔مولانا تھانویؒ اس حوالے سے قرآنی آیت کی تفسیر کے ضمن میں لکھتے ہیں:

1. " فَلَا تَظۡلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمۡ "[1]

ترجمہ:سو تم ان سب مہینوں کے بارے میں اپنا نقصان مت کرنا

یہ آیت اگرچہ حرمت والے مہینوں کے تقدس کے بارے میں ہے لیکن مولانا تھانویؒ نے اس ایک آیت پر مقدس مقامات کو قیاس کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان مقامات پر گناہوں اور بدعات کا صُدور باقی مقامات کی نسبت زیادہ برا ہے۔

اولیاء کے مزارات پر فجور اور بدعات کا صدور قبح میں اشد ہے:۔

ای فی الشھر الحرم (یعنی حرمت والے مہینے میں) اس سے معلوم ہوا کہ ازمنہ مبارکہ (بابرکت اوقات) میں۔اور اسی پر امکنہ مبارکہ (مقدس مقامات) کو قیاس کیا جاتا ہے۔کہ یہاں پر معصیت کرنا قبح میں اشد ہے۔تو ان لوگوں کا کیا حال ہے کہ اولیاء کے مزارات پر فجور اور بدعات کرتے ہیں جن کا عُرس کے موقع پر زیادہ صدور ہوتا ہے۔[2]

قبروں کو سجدہ کرنا حرام ہے:۔

برصغیر پاک وہند میں جاہل عوام اور جاہل صوفیاء اولیاء اللہ کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیتے ہیں۔اور ان قبروں کو بھی اس طرح سجدہ کرتے ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کے سامنے سجدہ کیا جاتا ہے۔

مولانا تھانویؒ نے ایسی تمام قبیح رسومات کی اصلاح کی ہے اور لوگوں کو صحیح معنوں میں شریعت وطریقت دی ہے۔ذیل میں ایک حدیث ذکر کی جاتی ہے جس سے مولانا تھانویؒ نے "التکشف عن مہمات التصوف" میں ایسے جاہل صوفیاء پر رد کیا ہے۔

"عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال:قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: لعن الله اليهود

والنصاری اتخذوا قبور انبياءهم مساجداً"[3]

---

[1] التوبہ:36:9

[2] بیان القرآن،2/130؛مسائل السلوک من کلام ملک الملوک ص: 229

[3] صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما، رقم: 1390؛ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب: النھی عن بناء المسجد علی القبور، رقم:20(530)؛سنن ابی داوٗد، کتاب الجنائز، باب البناء علی القبر، رقم:3227؛سنن نسائی، کتاب المساجد، باب النھی عن اتخاذ القبور مساجد، رقم:704

toobaafoundation.com

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:"اللہ تعالیٰ لعنت کرے یہود ونصاریٰ پر کہ اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا"یعنی قبروں کو سجدہ کرتے ہیں۔

مولانا تھانویؒ اس حدیث کی روشنی میں لکھتے ہیں:

"اس حدیث میں اصلاح ہے اس فعل کی جو اس وقت جہلاء صوفیاء میں شائع ہے کہ بزرگوں کی قبور کو سجدہ کرتے ہیں خواہ وہ سجدہ عبادت ہو کہ کفر وشرک ہے، خواہ وہ سجدہ تحیۃ ہو کہ سخت کبیرہ گناہ قریب بکفر ہے۔"[1]

عوام کا اہلِ قبور سے مدد مانگنا شرک سے خالی نہیں:۔

مولانا تھانویؒ کے اصلاح تصوف کا تجدیدی پہلو ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے استمداد غیر اللہ کی نفی کی اور ایسی تمام بدعات ورسومات کا قلع قمع کیا جو استمداد غیر اللہ کے زمرے میں آتی ہیں۔ چناں چہ اس حوالے سے مولانا تھانویؒ نے کہا ہے کہ:

"شرک جس کی نسبت وعید ہے:"اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَن یشرک به"[2]یلاشبہ اللہ تعالیٰ شرک کرنے والے کو بخشتا نہیں ہے۔اس کی تعریف یہ ہے کہ کسی کو مستحق عبادت سمجھنا،اور عبادت کہتے ہیں کسی کے سامنے نہایت تضرع وتذلل سے پیش آنے کو۔چونکہ حق تعالیٰ قادر مطلق وخالق ورازق ہیں،ان کو غیرت آتی ہے کہ سوا ان کے کسی دوسرے کے سامنے غایت تضرع وتذلل سے پیش آئے،مثلاً دو شخص ہوں،ایک ان میں بڑے مرتبے کا ہے اور اس مرتبے والے نے کسی سائل کو کچھ دیا اور سائل بجائے معطی کے دوسرے کی ایسی ہی تعریف وتوصیف کرنے لگے جو اس کے لیے چاہیے تھی،تو طبعی بات ہے کہ معطی کس قدر غضب ناک ہو گا،اسی طرح حق تعالیٰ کو بھی غیرت آتی ہے جو لوگ مزارات پر اولیاء اللہ سے سوال کرتے ہیں،اب دیکھنا چاہیے آیا محض وسیلہ سمجھ کر سوال کرتے ہیں یا کوئی امر اس سے زائد ہے؟ سو مشرکین عرب بھی بتوں کی عبادت وسیلہ قرب الٰہی سمجھ کر کرتے تھے،چنانچہ مذکور ہے:"مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰهِ زُلۡفٰی"[3]نہ خدا سمجھ کر،مگر پھر بھی وہ مشرک قرار دیے گئے۔"[4]

قبروں سے مدد چاہنا:۔

اہلِ قبور کے بارے میں عام لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جو چیز ان سے مانگی جائے وہ خود دیتے ہیں۔ مولانا تھانویؒ جاہل صوفیاء و عوام کی اس سوچ کی تردید ان الفاظ میں کرتے ہیں:

---

[1] التکشف عن مہمات التصوف، ص:538

[2] النسآء4:48

[3] الزمر3:39

[4] اشرف الجواب، ص: 112

toobaafoundation.com

"لوگ قبروں پر جا کر ان سے دنیا کے کاموں میں مدد واعانت چاہتے ہیں اور قبروں پر جانے میں بالکل یہی اعتقاد ہوتا ہے کہ وہ ہمارے ممد ومعاون ہو جائیں گے، سو یہ اور بھی بے ادبی ہے، اس لیے کہ وہ حضرات مقرب ہیں، جب دنیا میں زندہ رہ کر دنیوی تذکروں اور جھگڑوں کو پسند نہیں فرماتے تھے، تو اب عالمِ آخرت میں جا کر کیسے پسند کریں گے؟ جب کہ امور آخرت میں مستغرق(ڈوبے ہوئے) بھی ہوں اور ایسی حالت میں ان سے دنیوی قصوں میں مدد چاہنا دین کے خلاف تو ہے ہی وہ عقل کے بھی خلاف ہے، کیونکہ جب دنیا ان کے پاس نہیں رہی تو ان سے دنیا مانگنا یا دنیوی کاموں میں مدد یا اعانت کی خواہش کرنا کیسے تسلیم کر سکتی ہے؟ ہاں! ان سے وہ چیزیں مانگو جو ان کے پاس ہوں، تو اب بھی صاحبِ نسبت ان سے فیض حاصل کر سکتا ہے اور روپیہ اور بیٹا تو ان کے پاس ہے بھی نہیں، پس وہ تم لوگوں کو کیسے دیں گے؟ کوئی قبر کھول کر دیکھے تو وہاں ایک روپیہ بھی نہ ہو گا، تو پھر ایسی چیزیں ان سے مانگنا جو ان کے پاس بھی نہیں ، کیسی بے عقلی کی بات ہے؟ رہا خیال کہ وہ دعا کر دیں گے، تو ایسا کون خیال کرتا ہے؟ کوئی بڑا ہی خوش عقیدہ ہو گا کہ اس خیال سے قبروں پر جاتا ہو گا، ورنہ عام عقیدہ تو یہی ہے کہ وہ خود دیتے ہیں۔"[1]

خلاصہ بحث:۔

اہل سنت والجماعت کے نزدیک انبیاء اور صالحین کی شفاعت برحق ہے۔ برصغیر میں جاہل صوفیاء اور عوام نے تصور رحمت وشفاعت کا غلط مفہوم لے لیا جس کے نتیجے میں وہ عملی زندگی سے عاری ہو گئے۔ اسلام میں فیض رسانی صلحاء وشیوخ کے قبضہ میں نہیں ہے۔ کسی کو کامل بنا دینا بھی صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ لوگوں نے تبرک اور مدد کے لیے صلحاء ومشائخ کی تصاویر رکھ لیں۔ برصغیر میں استمداد غیر اللہ کی متعدد اشکال مثلاً علم میں شرک، تصرف میں شرک، اور عبادت میں شرک کی سامنے آگئیں۔

یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ کی طرح مختلف شرکیہ اقوال لوگوں نے بنا لیے تھے۔ اسی طرح برصغیر میں مزارات اولیاء پر اعراس اور رقص کے نام سے فسق وفجور کا آغاز ہو گیا۔ جاہل عوام نے نہ صرف اہل قبور سے مدد مانگنا شروع کر دی بلکہ ان کو سجدہ کرنا بھی شروع کر دیا۔

---

[1] اشرف الجواب، ص: 113

toobaafoundation.com

فصل سوم

غیر شرعی متصوفانہ اشغال کی اشاعت و اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش

toobaafoundation.com

فصل سوم: غیر شرعی متصوفانہ اشغال کی اشاعت واسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش

غیر شرعی متصوفانہ اشغال کی اشاعت:۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ ءحیات ہے۔اسلام میں اگر بہت ساری چیزوں پر ایمان لانے کا حکم ہے تو دوسری طرف اسلام عبادات کا ایک مکمل نظام دیتا ہے۔اگر ایک شخص صدق دل سے ایمانیات پر ایمان رکھتا ہے اور حقوق اللہ و حقوق العباد ادا کرتا ہے تو وہ نہ صرف لوگوں کی نظر میں اچھا مسلمان ہے بلکہ اللہ کی ذات بھی ہم سے اسی بات کا تقاضا کرتی ہے۔

اسلامی تصوف بھی ظاہر اور باطن کی تعمیر (تعمیر الظاھر والباطن) کا نام ہے۔صوفیاء کے نزدیک بھی وہ اچھا مسلمان ہے جو اسلامی تعلیمات پر عمل کرتا ہے۔لیکن تصوف میں صوفیاء نے اپنے مریدوں کو سلوک کی منازل طے کرانے کے لیے کچھ ایسے اشغال شروع کیے ہیں جن کا اسلامی تعلیمات میں واضح حکم تو نہیں ہے لیکن انجام کے اعتبار سے وہ اشغال ایک سالک کی تربیت کے لیے مفید ثابت ہوتے ہیں اور اسلامی تعلیمات سے متصادم بھی نہیں ہیں۔اس لیے صوفیاء نے ایسے اشغال کو بوقتِ ضرورت جائز قرار دیا ہے۔

دوسری طرف اسلامی تصوف میں کچھ ایسے اشغال بھی در آئے ہیں جو اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں اور اسلام میں ایسا شغل جائز نہیں ہے۔اسی طرح صوفیاء کے نزدیک کچھ ایسے اشغال بھی پائے جاتے ہیں جو ابتداء میں تو کسی جائز مقصد کے حصول کے لیے شروع کیے گئے لیکن بعد میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہوتے گئے ان عقائد اور ان نظریات کی وجہ سے جو ان اشغال پر عمل کرنے والے رکھتے ہیں۔

مولانا تھانویؒ نے اسلامی تصوف میں در آنے والے غیر شرعی اشغال کا رد کیا ہے اور اپنی کتب، خطبات و مواعظ اور ملفوظات میں جگہ جگہ ان کی اصلاح کرنے کی کوشش کی ہے۔اس حوالے سے مولانا تھانویؒ کی درج ذیل کتب ورسائل قابلِ ذکر ہیں:۔

1. اصلاح الرسوم
2. حق السماع
3. تعلیم الدین (حصہ پنجم)
4. حفظ الایمان

toobaafoundation.com

5. بہشتی زیور (متعلقہ حصے) وغیرہ کتب ورسائل میں مولانا تھانویؒ نے غیر شرعی رسوم واشغال کی اصلاح کی ہے۔

ذیل میں غیر شرعی اشغال میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

توجہ وتصرف کی تعریف:۔

"توجہ و تصرف نفس وخیال کی ایک قوت ہے جو خیال وتوجہ میں صوفیوں کی اصطلاح میں توجہ وتصرف یا ہمت ہے۔" [1]

مولانا تھانویؒ نے توجہ وتصرف کی تحقیق وحقیقت کے بارے میں ایک رسالہ "التعرف فی تحقیق التصرف"تحریر کیا ہے۔یہ رسالہ بھی مولانا تھانویؒ کے مجموعہ رسائل "بوادر النوادر"میں شامل ہے۔ذیل میں اس رسالہ کی روشنی میں توجہ وتصرف کی حقیقت کو بیان کیا جاتا ہے۔

توجہ وتصرف کوئی کمال نہیں:۔

"یہ قوت کوئی دینی کمال بہر حال نہیں،نہ مقبول ومقرب ہونے کی علامت ہے ہر فاسق وفاجر بھی مشق سے اپنے اندر یہ قوت پیدا کر سکتا ہے،بس جیسے ہاتھ پاؤں وغیرہ دوسری بدنی قوتوں کے استعمال کا حکم وحال ہے،وہی اس کا بھی ہے۔" [2]

توجہ وتصرف میں دینی ودنیوی مضرتیں:۔

"دنیوی مضرت تو اس میں یہ ہے کہ اس کے استعمال کی کثرت سے عامل کے دماغی وقلبی قویٰ ضعیف و مضمحل ہو جاتے ہیں،جس کی وجہ سے بہت سے امراض پیدا ہونے کا خطرہ رہتا ہے اور دینی مضرت یہ ہے کہ عوام اس کو ولایت وبزرگی کی علامت سمجھتے ہیں۔جو اعتقادی ضرر ہے،اور مریدوں کا ضرر یہ ہے کہ وہ اکثر اسی پر قناعت کر بیٹھتے ہیں،اور اصلاح کا اہتمام چھوڑ دیتے ہیں،جو عملی ضرر ہے۔

ان ہی مضرتوں کی وجہ سے محققین نے اس کا استعمال چھوڑ دیا ہے،سلف کے زمانہ میں یہ مضرتیں قویٰ کی مضبوطی،فطرت کی سلامتی اور خوش فہمی کے سبب موجود نہ تھیں۔" [3]

---

[1] ندوی،عبد الباری،مولانا،تجدید تصوف وسلوک،ادارہ اسلامیات،لاہور،س۔ن،ص:92

[2] بوادر النوادر،ص:324

[3] ایضاً،ص:324

toobaafoundation.com

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے نزدیک توجہ:-

مولانا تھانویؒ اس ضمن میں ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:

"حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ جب بمبئی تشریف لے گئے تو ایک سوداگر نے عرض کیا، کہ حضور دعا فرمائیں کہ خدا تعالیٰ مجھے حج نصیب کرے، فرمایا کہ ایک شرط سے دعا کروں گا کہ جس دن جہاز چلے اس دن مجھے اپنے اوپر پورا اختیار دے دو، کہ میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر جہاز میں بٹھلا دوں گا، اور وہ تم کو لے کر روانہ ہو جائے، جب تک یہ نہ ہو صرف میری دعا سے کیا کام چل سکتا ہے۔" [1]

جاہل صوفیاء کے ہاں "تصرف" بزرگی کا معیار:-

"چنانچہ بزرگی کا معیار لوگوں نے یہ تصرف بھی تراش رکھا ہے کہ جو شخص آنکھیں چار ہوتے ہی مدہوش کر دے، اٹھا کر زمین پر پٹک دے وہ بڑا بزرگ ہے، حالانکہ یہ بالکل غلو ہے، اگر یہ بزرگی ہے تو حضور ﷺ کو تو ضرور اس کو برتنا چاہیے تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ جب کفار نے آپ کو قتل کرنا چاہا تو آپ اس کے منتظر رہے کہ یہ لوگ غافل ہو جائیں، تو میں نکل جاؤں، کیوں نہ آپ نے ایک ہی نگاہ میں سب کو مدہوش کر دیا۔" [2]

صوفیاء کے ہاں "توجہ" متعارف اصلاح کا مسنون طریقہ نہیں:-

صوفیاء کے نزدیک ایک طریقہ یہ بھی مروج ہے کہ شیخ اپنے دل کو سب خطرات سے خالی کر کے اپنی توجہ مرید پر ڈالتا ہے۔ اس شغل کا مقصد مرید / سالک کی اصلاح ہوتا ہے۔ مولانا تھانویؒ کے نزدیک یہ طریقہ اصلاح مسنون نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کی وجہ سے سالک کام چھوڑ دیتا ہے اور اس "توجہ" کو ہی اپنی اصلاح کے لیے کافی سمجھتا ہے۔ مولانا تھانویؒ ایک ملفوظ میں اس مروجہ "توجہ" کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"فرمایا کہ توجہ کے دو درجے ہیں ایک درجہ تو غیر اختیاری ہے وہ یہ کہ دل چاہتا ہے کہ فلاں شخص میں ذوق و شوق

محبت حق خوف وغیرہ پیدا ہو جاوے۔ اس کے واسطے دعا کر دے اس کا تو کچھ مضائقہ نہیں۔ دوسرا درجہ توجہ کا متعارف مصطلحہ ہے وہ یہ کہ شیخ اپنے قلب کو سب خطرات سے خالی کر کے خاص توجہ کرتا ہے اس میں تصور بقصد تصرف ہوتا ہے یہ گو جائز ہے مگر ذوقاً پسند نہیں۔ اور اس میں فاعل قوت برقیہ ہوتی ہے۔ جو انسان کے اندر ودیعت کی گئی ہے۔ جیسا کہ زمین میں بھی یہ قوت برقیہ ہوتی بہت ہے سنا ہے کہ بے تار کے جو خبر پہنچتی ہے وہ اسی کے ذریعہ سے پہنچائی جاتی ہے۔ نظر لگنے میں بھی

---

[1] تجدید تصوف و سلوک، ص:94

[2] ایضاً، ص:96

toobaafoundation.com

اسی کا اثر ہوتا ہے۔ مسمریزم اور توجہ متعارف کا منشاء ماخذ ایک ہے۔ ایک بری جگہ صرف ہوتا ہے اور ایک اچھی جگہ صرف ہوتی ہے۔ صرف اتنا ہی فرق ہے۔ ایک یہ مشق پر موقوف ہے اس لیے مشق کی جاتی ہے کہ دوسروں پر نسبت کا القاء کریں گے۔ بعض مشائخ کے یہاں اس سے بہت کام لیا جاتا ہے مگر اس کا نفع باقی نہیں رہتا۔ طالب کیفیت کو نفع سمجھ کر اس کو کافی سمجھتا ہے اس لیے کام چھوڑ دیتا ہے۔

اس میں چند خلجان ہیں اول تو سنت میں منقول نہیں۔ دوسرے اس سے اکثر کو کام میں سستی ہونے لگتی ہے۔ پھر فرمایا کہ خود اثر پڑے دوسرے پر اس کا مضائقہ نہیں۔ باقی خود توجہ کرنے میں تو اس وقت قلب میں خدا کی طرف توجہ مطلق نہیں رہتی اگر یہ کہا جاوے کہ یوں تو معمولی بات چیت میں بھی توجہ الی اللہ نہیں ہوتی تو جواب یہ ہے کہ اس سے اشد ہے کیونکہ اس میں قلب کو قصداً خالی کیا جاتا ہے اور خدا کی طرف سے توجہ ہٹانا غیرت کی بات معلوم ہوتی ہے حلقہ متعارف میں یہی ہوتا ہے بس مسنون طریقہ اصلاح کا وعظ نصیحت ہے۔ دعا ہے اور توجہ حق تعالیٰ کا حق ہے۔"[1]

برصغیر کے مزاراتِ اولیاء پر بدعات اور غیر شرعی اشغال:۔

موجودہ دور میں جب اولیاء کے مزارات کی حالت کو دیکھتے ہیں تو عجیب صورتِ حال ہمارے سامنے آتی ہے۔ وہ اولیاء جو اپنی پوری زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق گزارتے ہیں اور لوگوں کو بدعات سے روکتے ہیں۔ ان کی وفات کے بعد ان کے مزارات کو لوگ بدعات، شرک اور فسق وفجور کی آماجگاہ بنالیتے ہیں۔ برصغیر میں مجدد الف ثانیؒ سے لے کر مولانا تھانویؒ تک ہر مجدد نے ان رسومات قبیحہ کی بیخ کنی کی اور ان کے خاتمہ کے لیے اپنی تمام دعوتی سرگرمیوں کو مصروف عمل میں لائے۔

ڈاکٹر خالد محمود "آثار الاحسان فی سیر السلوک والعرفان" میں لکھتے ہیں:

"آج کل کے بزرگوں کے درباروں میں جو کچھ ہو رہا ہے یہ ہرگز طریقت نہیں یہ افراط کی راہ ہے۔ گیارھویں بارھویں اور تیرھویں صدیوں کے مجددین کرام نے اس پر برابر تنقید کی ہے۔ اور ان بدعات کی کھلی تردید کی ہے۔ کیا یہ بات مذاق نہیں کہ جن بزرگوں نے جن جن بدعات اور خرافات سے روکا آج انہیں کے مزارات پر انہیں کے نام سے ان بدعات کی آگ سلگائی جاتی ہے۔ اور پھر ان میں بدعات کی ایک ایک لکڑی ڈالی جاتی ہے۔ حضرات مجددین کرام نے امت مسلمہ کو بدعات کی آلائش سے بچانے کی ہر راہ اختیار کی۔ ان تین صدیوں کے مجددین نقشبندی نسبت رکھتے تھے حضرت امام ربانی

---

[1] کمالاتِ اشرفیہ، ص: 223

toobaafoundation.com

مجدد الف ثانیؒ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور حضرت امام سید احمد شہید سر مو شریعت سے نکلنے کی اجازت نہ دیتے تھے اور اہلِ بدعت کے خلاف تیغ براں بن کر کھڑے رہتے۔"[1]

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نزدیک مزارات پر ہونے والی بدعات کا حال و نقشہ:۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ان مزاروں پر ہونے والی بدعات کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

"موازنۃ بین النصاری و بین المبتدعۃ من المسلمین و ان شئت ان تری انموذجاً لھذا الفریق فانظر الیوم الیٰ اولاد المشائخ الاولیاء ماذا یظنون باآئھم ؟فتجدھم قد افرطوا فی اجلالھم کل الافراط وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔"[2]

اور جو لوگ ان مزاروں کے گرد بدعات کے دائرے باندھتے ہیں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ان کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں:

"کل من ذھب الی بلدۃ اجمیر او الی قبر سالار مسعود او ماضاھا لاجل حاجۃ یطلبھا فانہ آثما آکبر من القتل والزنا لیس مثلہ الامثل من کان یعبد المصنوعات او مثل من کان یدعواللات والعزی"[3]

ترجمہ: ہر شخص جو اجمیر جاتا ہے یا سالار مسعود کی قبر کا رخ کرتا ہے اور ان جیسے دوسرے مقامات پر حاجت طلبی میں جاتا ہے وہ اس درجے کا گناہ گار ہے کہ قتل و زنا کے گناہ سے بھی بڑے گناہ کا مرتکب ہے وہ اسی طرح ہے جیسے کوئی بتوں کی عبادت کر رہا ہو یا لات و عزی کو مصیبت میں پکار رہا ہو۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ مزید اولیاء کی قبروں پر خرافات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"کہ (۱۱۴۴ھ) میں جب مجھے مدینہ منورہ میں قیام کی سعادت ملی تو اس دوران مجھ پر جو فیوض اترے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میں دیکھ رہا تھا کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں لا تجعلوا زیارۃ قبری عیداً"[4]

---

[1] خالد محمود، ڈاکٹر، علامہ، آثار الاحسان فی سیر السلوک والعرفان، محمود پبلیکیشنز اسلامک ٹرسٹ، لاہور، 2006ء، 1/70

[2] دہلوی، ولی اللہ، شاہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، دار الصحوۃ، القاھرۃ، 1407ھ، 1/56

[3] تفہیمات الھیہ، 2/49 بحوالہ آثار الاحسان فی سیر السلوک والعرفان، 1/70

[4] علاؤ الدین علی بن حسام الدین، المتقی الھندی، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، المحقق: بکری حیانی، صفوۃ السقا، مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الخامسۃ، 1401ھ/1981ء، 15/391؛ احمد بن حسین، ابو بکر، البیھقی، السنن، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1410ھ، 3/491

toobaafoundation.com

اس فیض کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"ھذا اشارۃ الی سد مدخل التحریف کما فعل الیھود والنصاری بقبور الانبیاء علیھم السلام وجعلوھا عیدا وموسما بمنزلۃ الحج"[1]۔

ترجمہ: یہ اشارہ ہے کہ دین کی تحریف کے آگے بند باندھ دیا جائے جس طرح کہ یہود و نصاریٰ انبیاء کرام کی قبور پر جا کے اپنے دین کی تحریف کر چکے اور ان پر حاضری کو اس طرح بتایا کہ گویا عید ہو یا حج کے طور پر موسم بنا ہو میلہ لگا ہو۔

قبروں کے گرد گھومنا اور اولیاء کے مزارات پر غلاف ڈالنا۔

جو رسوم مشائخ کے ہاں مروج ہیں، مولانا تھانویؒ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان میں سے بعض رسوم تو خلاف شرع ہیں اور بعض رسوم اپنی اصل کے اعتبار سے اور ابتداءً جائز ہوتی ہیں لیکن جب ان کے ساتھ لوگوں کے غلط عقائد وابستہ ہو جاتے ہیں تو یہ بھی اس وقت جائز نہیں رہتی ہیں۔ مولانا تھانویؒ اس حوالے سے "قصد السبیل" میں لکھتے ہیں:

"آج کل اکثر درویشوں میں بعض رسمیں رائج ہو گئی ہیں، سو بعض رسمیں تو محض خلافِ شرع ہیں، جیسے قبر کے گرد گھومنا یا قبر کو بوسہ دینا یا اس پر غلاف ڈالنا یا بزرگوں کی منّت ماننا یا اُن سے کچھ مانگنا۔ اور بعض رسمیں خود جائز تھیں مگر اُن کے ساتھ ناجائز باتیں مل کر ناجائز ہو گئی ہیں، جیسے عرس یا گانا سننا یا قل پنج آیت یا مجلس درود شریف کی، کہ عام لوگ اُن باتوں کے منع کرنے یا خود نہ کرنے کو درویشی کے خلاف سمجھتے ہیں، ان رسموں میں جو خرابیاں ہیں ان کو پورے طور سے احقر نے "اصلاح الرسوم" و "حق السماع" و "تعلیم الدین" کے حصہ پنجم و "حفظ الایمان" میں لکھ دیا ہے۔

اور بعض اس میں ایسی ہیں کہ اگر ان کو داخلِ بزرگی سمجھا جاوے اور یہ سمجھا جاوے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل ہوتی ہے تو یہ نہایت بُری بدعت ہے، اور اگر اعتقاد میں کوئی خرابی نہ ہو تب بھی محض دُنیا ہے جیسے عمل پڑھنا اور حلال جانوروں کا گوشت چھوڑ دینا۔ اور بعض رسمیں اچھی ہیں اگر ان میں عقیدے کی خرابی نہ ہو، مثلاً شجرہ پڑھنا کہ اس میں مقبول بندوں کے ناموں کو واسطہ دُعا میں قرار دیا جاتا ہے جس کا جواز حدیثوں سے ثابت ہے، لیکن اگر شجرہ پڑھنے میں یہ سمجھا جاوے کہ ان حضرات کے نام پڑھنے سے یہ فائدہ ہو گا کہ وہ ہمارے حال پر متوجہ رہیں گے تو بالکل غلط اور بے سند عقیدہ ہے، جس کی ممانعت اس آیت سے ثابت ہے: ولا تقف ما لیس لک بہ علم[2] یعنی جو بات تجھ کو معلوم نہ ہو اس پر عمل درآمد نہ کر۔"[3]

[1] دہلوی، ولی اللہ، شاہ، حجۃ اللہ البالغۃ، دار الکتب الحدیثۃ، القاہرہ، س۔ن، 1/583

[2] بنی اسرائیل 36:15

[3] تھانوی، اشرف علی، مولانا، قصد السبیل، تلخیص و تشریح: مفتی محمد شفیع، ادارۃ المعارف، کراچی، 2010ء، ص:56-57

toobaafoundation.com

اولیاء اللہ کی قبروں کی مٹی بطور سرمہ استعمال کرنا:۔

مولانا تھانویؒ نے ایک ملفوظ میں فرمایا کہ لوگوں کے اس حوالے سے عقائد کس قدر غلو پر مبنی ہیں:

"فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں آنکھوں کا مریض ہوں مولانا فضل الرحمن صاحب کے مرید نے کہا ہے کہ مولانا کی قبر کی مٹی بجائے سرمہ کے آنکھوں میں ڈلوا، میں نے لکھ دیا کہ کہیں رہی سہی بینائی بھی نہ جاتی رہے، اس پر فرمایا کہ لوگوں میں کس قدر غلو ہے۔" [1]

سماع، ڈھولک سارنگی سے کھلم کھلا حرام اور معصیت ہے:۔

"برصغیر میں متصوفین سماع کی آڑ لے کر گانا بجاتے اور دھمال ڈالتے ہیں اور اس میں موسیقی کے سارے آلات استعمال میں لاتے ہیں اور حد اس کی یہ ہے کہ ایسے سماع کو بھی باعث ثواب اور برکت سمجھتے ہیں۔ مولانا تھانویؒ ایک ملفوظ میں ایسے سماع کے بارے میں فرماتے ہیں:

"ایک صاحب نے سماع کے متعلق ذکر کیا فرمایا کہ آج کل سماع کہاں ہے لہو ولعب ہے، میرا اس کے متعلق ایک مستقل رسالہ ہے "حق السماع" اس کا نام ہے اس کا دیکھ لینا ان شاء اللہ تعالیٰ کافی ہے، ایک بزرگ ہیں حضرت شاہ نجات اللہ صاحب کرسی ایک مقام ہے وہاں ان کا مزار ہے کسی نے ان کے سامنے تخت پر زور سے لکڑی ماردی اس پر فرمایا یہ بھی باجا ہے اس قدر احتیاط تھی اور آج کل ڈھولک سارنگی ستار ہارمونیم گراموفون لوگوں میں شیر وشکر کی طرح رائج ہو رہے ہیں یہ کوئی سماع ہے جو بعض اہل حال سے منقول ہے یہ تو کھلم کھلا معصیت ہے اور قطعاً حرام ہے، خواہ مخواہ بزرگوں کو بدنام کرتے ہیں بلکہ خود اصل سماع ہی کے متعلق بے حد شرائط ہیں رسالہ مذکورہ دیکھنے سے اس کی حقیقت کا انکشاف ہو جائے گا اس کو دیکھ لیا جائے پھر کسی سوال کی ان شاء اللہ حاجت نہ رہے گی۔" [2]

مروجہ سماع اور رقص کی حرمت:۔

حدیث: "عن علی رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: اذا فعلت امتی خمس عشرۃ خصلۃ حل بھا البلاء"۔ وفیہ واتخذت القیان والمعازف۔" [3]

---

[1] تھانوی، اشرف علی، مولانا، ملفوظات حکیم الامت، ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، 1433ھ، 4/32

[2] ملفوظات حکیم الامت، 4/88

[3] سنن الترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی علامۃ حلول المسخ والخسف، رقم: 2210 وقال حسن غریب، لانعرفہ من حدیث علی الا من ھذا الوجہ۔

toobaafoundation.com

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب میری امت پندرہ کام کرنا شروع کرے گی تو ان پر بلائیں نازل ہونے لگیں گی" اسی حدیث میں (ان پندرہ کاموں میں) یہ بھی ہے کہ "گانے والی عورتیں اور بجانے کا ساز و سامان کیا جائے گا۔"

مولانا تھانویؒ اس حدیث کی روشنی میں ان جہلاء صوفیہ کی تردید کرتے ہیں جو سماع میں اسلامی شریعت کے کسی اصول کو خاطر میں نہیں لاتے اور سماع کی آڑ لے کر اپنی ہوس کو پورا کرتے ہیں:

"بعض جہلاء صوفیاء نے سماع میں یہاں تک غلو کیا ہے کہ عورتوں کا آلات کے ساتھ گانا سنتے ہیں، حدیث سے دونوں طریق کی مذمت ظاہر ہے۔"[1]

اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش:۔

اسلامی تصوف دینِ اسلام کی روح اور اُس کی جان ہے۔ اسلامی تصوف کی بدولت خانقاہوں میں مسلمانوں کو خدا پرستی کا درس دیا جاتا ہے اور ہر طرف اتباعِ رسول ﷺ کے جلوے نظر آتے ہیں۔ لیکن آج کے اسلامی تصوف سے جدید تعلیم یافتہ طبقے کو وحشت ہوتی ہے اور اربابِ تصوف کی باتیں اسلام سے ہٹی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ آج کے اسلامی تصوف میں کچھ ایسے عقائد و نظریات کی آمیزش ہو چکی ہے جن کی وجہ سے خدا پرستی کی بجائے قبر پرستی اور شخصیت پرستی کا سبق ملتا ہے اور اطاعتِ رسول ﷺ کے انوار کی بجائے سماع اور قوالی کی محفلیں بپا نظر آتی ہیں۔

جس طرح باقی علوم و فنون مثلاً تاریخ، حدیث، فقہ، تفسیر، ادب اور فلسفہ وغیرہ میں چور دروازوں سے فتنوں کی بھرمار ہوئی اسی طرح اسلامی تصوف میں بھی چور دروازوں سے بہت سے ایسے فتنے داخل ہوئے جنہوں نے تصوف کے چشمہ صافی کو گدلا کر کے رکھ دیا۔ دینِ اسلام کے آغاز میں تمام مسلمان باہم یک جا اور یک جان تھے، ایک ہی فرقہ تھا اور فرقہ بندی اسلام کی ضد تھی، لیکن مسلمانوں کے ہاتھوں یہود کو جو ذلت اٹھانا پڑی اُن کے دل سے اُس کا اثر کبھی نہ مٹ سکا، چنانچہ یہود نے اس ذلت کا بدلہ لینے کے لیے یمن کے ایک یہودی عبد اللہ ابن سبا کو استعمال کرنا شروع کیا، یہ شخص منافقانہ طور پہ اسلام میں داخل ہوا۔ اس کی محنت سے مسلمانوں میں فرقہ بندی پیدا ہوئی، نتیجتاً مسلمانوں میں روافض، سبائیہ، امامیہ، باطنیہ اور اثنا عشریہ جیسے گروہ بنتے چلے گئے۔ اس شخص کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کروا دیا۔ لیکن اس کی وفات کے بعد اس کے بوئے ہوئے بیج تلف نہ ہو سکے بلکہ اس کی جماعت کو ایران میں قبولِ عام کی سند حاصل ہو گئی۔

---

[1] التکشف عن مہمات التصوف، 617

toobaafoundation.com

"ڈاکٹر کلین(KLEIN)، سر ولیم میور(MUIR)، پروفیسر نکلسن،ڈاکٹر جے این ہالسٹر، پروفیسر پی کے ہٹی ، پروفیسر عباس اقبال اور امام محمد بن عبد الکریم جیسے مصنفین نے عبد اللہ ابن سبا کی شخصیت، تحریکوں، فتنوں اور فرقہ بندیوں کی باقاعدہ اپنی تصانیف میں شہادت دی ہے۔ عبد اللہ ابن سباء نے جن عقائد (خصوصاً حلول کا عقیدہ) کی تلقین کی ان کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو سکتی ہے کہ اُس نے ایک تیر سے دو شکار کئے۔

1. اسلام کے بنیادی عقائد میں غیر اسلامی اور مشرکانہ عقائد داخل کر دیئے۔
2. مسلمانوں کی وحدتِ ملی اور یک جہتی و یک رنگی اور یک نگاہی کو پارہ پارہ کر دیا۔

بالفاظِ دِگر وہ اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہو گیا۔یعنی اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا بنا کر مسلمانوں میں انسان پرستی کا عقیدہ راسخ کر دیا اور تفرقہ پیدا کر کے مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف صف آراء کر دیا۔"[1]

اس فصل میں چند ایک عقائد و نظریات کا مختصراً ذکر کیا جائے گا جن کے دَر آنے سے اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی جھلکیاں دکھائی دینے لگیں۔

نظریہ باطنیت:۔

اسلامی تصوف میں جن جن غیر اسلامی نظریات کی آمیزش کرنے کی کوشش کی گئی ہے ان میں سے ایک نظریہ باطنیت بھی تھا۔ جس کے بارے میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"گمراہی کے دروازوں میں سے سب سے زیادہ خطرناک اور مضرت رساں دروازہ جو باطنیہ نے کھولا وہ یہ تھا کہ ہر لفظ کے ایک ظاہری معنی ہوتے ہیں اور ایک حقیقی یا باطنی۔ انہوں نے الفاظ کے اس باطنی پہلو پر اس قدر زور دیا کہ ان کا اصلی نام اسمٰعیلیہ غیر معروف ہو گیا اور وہ باطنیہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ بہر کیف انہوں نے کہا کہ اسی طرح قرآن وحدیث کے الفاظ کے بھی دو معنی ہیں ایک ظاہری دوسرے باطنی اور ان کو آپس میں وہی نسبت ہے جو پوست (ظاہر) کو مغز سے ہے۔ جہلاء صرف ظواہر (ظاہری معنی) سے آگاہ ہیں۔ حقائق یا باطنی معانی کو صرف اہل اسرار جانتے ہیں جو شخص ظواہر میں گرفتار ہے وہ شریعت کی پابندیوں میں جکڑا ہوا ہے اور دین کی نہایت نیچی سطح پر ہے جو شخص اہل باطن کی صحبت میں رہ کر حقائق سے آشنا ہو جاتا ہے وہ شریعت کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے، چناں چہ قرآن کی اس آیت کا یہی مفہوم ہے۔

[1] چشتی، یوسف سلیم، پروفیسر، اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، المحمود اکیڈمی، لاہور، 1997ء، ص:22-26 ملخصاً

toobaafoundation.com

" وَيَضَعُ عَنهُم اِصرَهُم وَالاَغلَالَ الَّتِي كَانَت عَلَيهِم۔ "[1] یعنی رسول اس بوجھ سے نجات دلاتا ہے جس کے تلے وہ (عوام) دبے ہوئے تھے اور وہ طوق اتارتا ہے جو ان کی گردنوں میں پڑے ہوئے تھے۔

باطنیہ نے اپنی اس بنیادی تعلیم کو عوام کے سامنے صوفی بن کر پیش کیا۔ رفتہ رفتہ جاہل صوفیوں نے پہلے ظاہر اور باطن کی تفریق کا اصول اختیار کیا پھر اس کے منطقی نتیجے کو بھی قبول کر لیا۔ یعنی انہوں نے شریعت اور طریقت میں تفریق کر دی اور کہنے لگے کہ شریعت کا حکم کچھ اور ہے اور طریقت کا حکم کچھ اور ہے۔ آخر کار انہوں نے باطنیہ کی اس تعلیم کو بھی تسلیم کر لیا کہ جب سالک کو معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ قید شریعت سے آزاد ہو جاتا ہے اور اپنے اس باطل عقیدے پر اس آیت سے استدلال کیا۔" واعبد ربک حتیٰ یاتیک الیقین۔ "[2] اور اس کا ترجمہ اس طرح کیا، صرف اس وقت تک اپنے رب کی عبادت کر جب تک تجھے یقین حاصل نہ ہو، جب معرفت یا یقین حاصل ہو جائے تو اتباع شریعت کی حاجت نہیں ہے۔

باطنیہ نے اس طرح لاکھوں مسلمانوں کو گمراہ کر دیا۔ عوام کے پاس کوئی آلہ یا معیار نہ اس وقت تک تھا نہ اب ہے نہ آئندہ ہو گا۔ جس کی مدد سے وہ یہ معلوم کر سکتے کہ یہ شخص جو ظاہر میں صوفیوں کا لباس پہنے ہوئے بیٹھا، تصوف کے اسرار و رموز بیان کر رہا ہے۔ باطن میں کیا ہے؟ اگر کسی عامی نے اعتراض بھی کیا کہ یہ قول قرآن یا حدیث کے خلاف ہے تو معتقدین نے اسے گستاخ قرار دے کر مجلس سے باہر نکال دیا۔ قصہ ختم شد۔

باطنیت۔ ایک باغیانہ تحریک:۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب باطنیت کے بارے میں اپنی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

بیس سال کے مطالعہ کے بعد میرا پختہ عقیدہ یہ ہے کہ سبائیت اور اس کی نکھری ہوئی یعنی باطنیت دراصل نبوت و رسالت محمدی ﷺ کے خلاف ایک بغاوت یا باغیانہ تحریک تھی۔ یعنی ولایت کے پردے میں نبوت کی تحقیر و تذلیل۔

پروفیسر مذکور نے اس کے بعد مذکورہ بالا بیان کے ثبوت کے سلسلے میں ولایت نامہ تالیف سلطان العارفین و برہان الواصلین مولا الشہید الحاج ملا سلطان محمد گنابادی، سلطان علی شاہ چاپ دوم، چاپخانہ دانش گاہ تہران 1385ء ص 35 سے ایک اقتباس پیش کیا ہے جو فارسی زبان میں ہے اور اس اقتباس کا فاضل پروفیسر نے مطلب بھی درج کیا ہے۔ جس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

---

[1] الاعراف، 157:7

[2] الحجر، 99:15

toobaafoundation.com

1۔ مصنف کی نقل کردہ پہلی آیت قرآن مجید میں یوں ہے "بَلِ اللّٰہ یَمُنُّ عَلَیکُم اَن ھَدَاکُم لِلاِیمَانِ۔" یعنی بلکہ اللہ احسان رکھتا ہے اوپر تمہارے یہ کہ ہدایت کی تم کو طرف ایمان کے۔[1]

2۔ قبولِ رسالت کا معنی ہے بیعت کرنا۔ احکام ظاہری کے قبول کرنے پر۔

3۔ قبولِ ولایت کا معنی ہے بیعت کرنا۔ احکام باطنی کے قبول کرنے پر۔

(یعنی رسالت کا تعلق احکام ظاہری سے ہے اور ولایت کا تعلق احکام باطنی سے ہے۔ یہی تعلیم باطنیہ نے دی تھی یعنی احکامِ ظاہری اور باطنی کی تفریق جس سے شریعت اور طریقت میں تفریق پیدا ہو گئی اور امت میں تفرقہ رونما ہو گیا۔)

4۔ رسالت محمدی کو قبول کرنا اسلام ہے۔ ولایت علی کو قبول کرنا ایمان ہے۔

5۔ "اے رسول اگر تو نے ایسا نہ کیا، پس نہ پہنچایا تو نے پیغام اُس (اللہ) کا۔"[2]

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد تیری رسالت، مقدمہ ہے ولایت علی کا۔ اگر تو نے ولایت کی تبلیغ نہیں کی اور ولایت کی بیعت نہیں لی تو رسالت کی تبلیغ بالکل نہیں کی۔ کیوں کہ مقدمہ اگر ذی المقدمہ کے بغیر ہو تو اس کا وجود اور عدم دونوں مساوی ہیں۔

6۔ رسالت اور ولایت کی حیثیت کو مد نظر رکھ کر اس حدیث سے نسبت دی گئی کہ اگر علی (پیدا) نہ ہوتا تو اے محمد میں تجھے (بھی) پیدا نہ کرتا۔

اس عبارت پر پروفیسر مذکور اپنا تبصرہ اور رائے دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ا۔ اس عبارت سے ثابت ہوا کہ ولایت، نبوت سے افضل ہوتی ہے کیوں کہ ایمان، بہر حال افضل ہے اسلام سے۔

ب۔ جب تک ایک شخص ولایتِ علی پر ایمان نہ لائے، مومن نہیں ہو سکتا۔

ج۔ رسالت محمدی کی بذات خویش کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور نہ مقصود بالذات ہے بلکہ وہ مقدمہ ہے ولایتِ علی کا اور اس لیے منطقی طور پر مقصود بالعرض ہے۔

---

[1] الحجرات، 17:49

[2] المائدۃ، 67:5

toobaafoundation.com

د۔ رسالت ذریعہ یاواسطہ ہے حصول مقصد کااور وہ مقصد ہے "گرفتن بیعت ولایت علی" اور یہ بات محتاج ثبوت نہیں ہے کہ ذی واسطہ یا مقصد،واسطے یا وسیلے سے افضل ہوتا ہے اس لیے ولایت افضل ہے،رسالت سے۔یعنی صاحب ولایت افضل ہے صاحب رسالت سے۔بالفاظ واضح تر حضرت علی افضل ہیں حضرت رسول اللہ ﷺ سے۔

ہ۔ قرآن سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعثتِ رسول کا مقصد یہ ہے کہ وہ دین الحق (اسلام) کو تمام ادیان عالم پر غالب کردے۔کما قال اللہ عزوجل۔"ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔"[1]

ترجمہ: اللہ وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ساتھ ہدایت اور دین حق کے تاکہ وہ اس کو غالب کردے سب دینوں پر۔

لیکن سلطان العارفین فرماتے ہیں کہ اللہ نے رسول کو اس لیے بھیجا کہ وہ حضرت علی کی ولایت پر لوگوں سے بیعت لے اور اگر ایسا نہیں کریگا تو اس کا وجود اور عدم دونوں برابر ہو جائیں گے۔

یہ وہ نکتہ ہے جس میں فہم سرگردان ہے اور عقل حیران ہے۔"[2]

بیکتاشی فرقہ:۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں کہ:

"صوفیوں کے اس فرقے کی تاریخ ڈاکٹر جے کے برج(BIRGE) نے اپنی کتاب "درویشوں کا بیکتاشی سلسلہ" میں مفصل طور پر لکھی ہے۔بخوف طوالت صرف چند اقتباسات پر اکتفا کرتا ہوں۔

اس سلسلے کا بانی حاجی بیکتاش ولی تھا جو 680ھ /1381ء میں خراسان (اسمٰعیلی دعاۃ کا مرکز) سے اناطولیا میں آیا تھا اس نے 738ھ /1337ء میں وفات پائی۔ترکوں میں اس کے سلسلے کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔اس سلسلے کے عقائد حسبِ ذیل ہیں:

1۔ اللہ حقیقتِ واحدہ ہے۔

2۔ محمد ﷺ اور علی رضی اللہ عنہ دونوں اللہ کے مظاہر خاص ہیں۔

3۔ اللہ، محمد ﷺ اور علی رضی اللہ عنہ تینوں میں عینیت کا علاقہ ہے۔

---

[1] الفتح،28:48

[2] اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش،ص:85-89،ملخصاً

toobaafoundation.com

4۔ محمد ﷺ اور علی رضی اللہ عنہ درحقیقت ایک ہیں یا ایک شخص کے دو نام ہیں۔

ان چار عقیدوں سے اس بات کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے کہ اس سلسلے کے صوفیوں کو اسلام سے کتنا تعلق تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس سلسلے کے صوفیوں کے جو عقائد ہیں اس کا اندازہ "خطبۃ البیان" سے ہو سکتا ہے جو اس سلسلے میں بہت معتبر کتاب ہے اس میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

1۔ میرے پاس مفاتیح الغیب ہیں جن کو محمدؐ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا، نیز عزرائیل (ملک الموت) میرا تابع فرمان ہے۔

2۔ میں لوح محفوظ ہوں، میں حجۃ اللہ ہوں، میں حجۃ الانبیاء ہوں۔

3۔ میں قسیم النار والجنت ہوں، میں اللہ کا دل ہوں، میں نوحِ اول ہوں۔

4۔ میں ذوالقرنین ہوں، میں عالم ماکان ومایکون ہوں، میں منشی السحاب ہوں، میں مظہر الانہار ہوں، میں قیوم السماء ہوں۔"[1]

نور بخشی سلسلہ:۔

اسی طرح ایک اور غیر اسلامی صوفیانہ سلسلہ ہے، جس نے اپنے اوپر تصوف کا لبادہ اوڑھا اور عوام کو گمراہ کیے رکھا۔ اس کے بارے میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب رقم طراز ہیں:

"نور بخشیہ سلسلے کا بانی سید محمد بن عبد اللہ تھا، جو 795ھ / 1293ء میں قائین (کوہستان) میں پیدا ہوا تھا۔ جوانی میں خواجہ اسحاق خطلانی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ خواجہ صاحب امیر کبیر سید علی ہمدانی کے خلیفہ تھے خواجہ اسحاق نے سید محمد کو، نور بخش کا لقب عطا کیا۔ نور بخش نے دعویٰ کیا کہ مجھے امام جعفر صادقؒ سے روحانی فیض حاصل ہوا ہے۔ اس کی تعلیمات میں شیعہ عقائد کا رنگ نمایاں ہے۔ اس سلسلے کے افراد خلفائے ثلاثہ کی شان میں گستاخی کرتے تھے۔ لیکن نور بخش نے امام مہدی المنتظر ہونے کا دعویٰ بھی کیا تھا۔ اس لیے شیعہ بھی اسے ناپسند کرتے تھے۔

کشمیر میں اس سلسلے کو شمس الدین نے شائع کیا۔ یہ شخص اپنے وطن شولغان (ایران) سے چل کر پہلے ملتان آیا پھر 1502ء میں کشمیر پہنچا۔ کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد بلتستان میں نور بخشی عقائد کی تبلیغ کی پھر کشمیر واپس آیا اور کشمیر کے

---

[1] اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، ص:33-34

toobaafoundation.com

چک حکمران خاندان کو شیعہ مسلک کا پیرو بنایا۔

ان تصریحات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ قرامطہ نے تصوف کے لباس میں اپنے مسلک کی تبلیغ کی اور تصوف میں ایسے عقائد داخل کر دیئے جو قرآنی تعلیمات کے خلاف ہیں۔۔۔ قرامطہ نے ہمیشہ اس اصول پر عمل کیا کہ "جیسا دیس ویسا بھیس" چنانچہ جب ان کے دعاۃ ہندوستان میں آئے تو انہوں نے ہندو صوفیوں اور جوگیوں اور پیروں کے طور طریقے اختیار کیے اور ہندوؤں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وشنو کے دسویں اوتار کے روپ میں پیش کیا۔ عوام میں ہر دلعزیزی حاصل کرنے کے لیے انہوں نے اپنے ناموں سے پہلے "پیر" کے لقب کا اضافہ کیا۔

۔۔۔ قرامطہ کا یہی طریقہ کار تھا کہ جس طرح ہو سکے خصوصاً تصوف کے پردے میں مسلمانوں کے اندر الحاد اور بے دینی کی اشاعت کی جائے اور اس مقصد میں وہ کامیاب ہو گئے، یعنی انہوں نے تصوف کے پردے میں مسلمانوں کے دلوں میں غیر اسلامی عقائد جاگزین کر دیئے۔"[1]

مذکورہ بالا غیر اسلامی نظریات کے حامل فرقوں میں ایک بات قدر مشترک یہ نظر آتی ہے کہ ان سب فرق ضالہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام اپنے مقاصد کے حصول کے لیے غلط انداز سے استعمال کیا۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسی ایسی باتیں پھیلائیں کہ آپ کے پاس خاص کوئی ایسے علوم ہیں جو اور کسی کے پاس نہیں بلکہ قرآن وحدیث میں بھی مذکور نہیں اور سینہ بہ سینہ چلتے چلے جا رہے ہیں۔ اس طریقے سے انہوں نے اسلام میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش کا ڈھنگ نہایت کامیابی سے استعمال کیا۔ اور ان نظریات کی ملاوٹ اسلامی تصوف میں بھی نظر آنے لگی۔ ذیل میں اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ آیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس قرآن وحدیث سے ہٹ کر ایسے علوم تھے جو سینہ بہ سینہ چل رہے ہوں، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"سئل هل خصكم رسول الله ﷺ بشيء دون الناس؟ قال لا إلا فهما اوتيه الرجل في القرآن او ما في هذه الصحيفة"[2]

ترجمہ: یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ حضرات (اہلِ بیت) کو رسول اللہ ﷺ نے کچھ خاص باتیں دوسروں سے الگ بتائی ہیں؟ فرمایا: "نہیں! مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو قرآن کا فہم (خاص درجہ میں) عطا فرما دیں (تو وہ دوسروں سے زیادہ صاحب علوم ہو جائے گا) یا وہ چند باتیں جو اس صحیفہ میں ہیں۔ (اس کو دیکھا گیا تو اس میں دیت وغیرہ کے

---

[1] اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، ص: 34-36 ملخصاً

[2] سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات، باب لا یقتل مسلم بکافر، رقم: 2648 ؛ مسند بزاز، مسند علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، رقم: 486

toobaafoundation.com

کچھ احکام تھے۔)

غیر اسلامی نظریاتی فرقوں کے متعلق مولانا تھانویؒ کا نقطہء نظر:۔

"بعض علوم سینہ بہ سینہ ہیں، یہ خیال کتاب اور حدیث میں نہیں، یہ خیال عبد اللہ ابن سبا بانی فرقہ سبائیہ نے ایجاد کیا ہے جس سے مقصود اس کا اسلام کا استیصال تھا، کیونکہ عبد اللہ بن سبا اول یہودی تھا، پھر بطور نفاق کے مسلمان ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کا دم بھرنے لگا اور ان کے متعلق مسلمانوں میں غلط اعتقادات پھیلانے لگا، کیونکہ وہ لوگ یہ سمجھ چکے تھے کہ تلوار سے اسلام کا خاتمہ نہیں ہو سکتا، تو اب انہوں نے یہ تدبیر نکالی کہ احکام اسلام کو خلط کرنا چاہیے اور اس کا ذریعہ یہ نکالا کہ بعض علوم کو سینہ بہ سینہ بتلایا، مگر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے "انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون" [1] اللہ تعالیٰ نے دین کی خود حفاظت کی ہے کہ احکام میں خلط نہیں ہو سکتا، گو فرق ضالہ (گمراہ فرقے) اسلام میں بہت ہوئے ہیں اور اب بھی ہیں، جن کے متعلق حدیث میں ہے کہ میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے اور یہ تہتر تو اصول کے اعتبار سے ہیں، ورنہ ہر فرقے کے اندر بہت سے فرقے ہو گئے ہیں۔

بلکہ آج کل تو ہر شخص ایک مستقل فرقہ ہے، کیونکہ ہر شخص دین کے متعلق اپنی الگ رائے قائم کرتا ہے اور اس میں بھی حکمت ہے، تاکہ اس تفرق سے پریشانی نہ ہو، کیونکہ اختلاف تو ناگزیر تھا، کسی قدر اختلاف تو ضرور ہوتا، اس عالم میں بنائے حکمت یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی امر میں اختلاف نہ ہو، اب اگر اختلاف کبھی کبھی ہوتا تو طالب حق کو تبعاً احتمال ہو سکتا تھا کہ نہ معلوم ان میں کون حق پر ہے؟ اور جب روزانہ نئے نئے فرقے نکلتے آتے ہیں تو اس کا اثر طبعاً کم ہو جائے گا اور دیکھئے گا کہ اختلاف کی تو کہیں انتہا ہی نہیں یہ تو روز کی دال روٹی ہو گی کہاں تک ہر چیز کی تحقیق کیا کریں پس وہ پرانا ہی طریقہ اسلم ہے، بہر حال یہ خیال غلط ہے کہ بعض علوم سینہ بہ سینہ ہیں، ہاں! یہ ضرور ہے کہ بعض علوم فہم عالی سے سمجھ میں آتے ہیں، عقل متوسط یا ادنیٰ ان کے لیے کافی نہیں۔" [2]

نتائج بحث:۔

مولانا تھانویؒ نے جب برصغیر میں متصوفین کے غیر شرعی اشغال کو دیکھا تو اس کی اصلاح کے لیے "اصلاح الرسوم، حق السماع، تعلیم الدین اور بہشتی زیور جیسی کتب تصنیف کیں۔ مولانا تھانویؒ کے بقول توجہ وتصرف کوئی کمال کی نہیں بلکہ

---

[1] الحجر 9:15

[2] اشرف الجواب، ص:95-96

toobaafoundation.com

کوئی فاسق وفاجر بھی اس کو اپنے اندر محنت سے پیدا کر سکتا ہے۔شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے مزارات پر ہونے والی بدعات کا بڑی شدومد سے رد کیا۔

متصوفین اولیاء کی قبور کے گرد چکر لگاتے،ان پر غلاف ڈالتے اور ان کو چومتے تھے،جو کہ شرعی طور پر حرام افعال ہیں۔ڈھولک یا سارنگی سے سماع متصوفین میں رواج پا گیا ہے۔اسی طرح انہوں نے "وجد" کی آڑ لے کر رقص بھی شروع کر دیا۔برصغیر میں بہت سے غیر اسلامی نظریات اسلامی تصوف میں شامل ہوگئے یا دانستہ طور پر شامل کر دیے گئے۔جس طرح تصوف میں نظریہ باطنیت عبداللہ بن سبا کی تحریک کا داخل کیا ہوا فتنہ ہے۔بیکتاشی اور نور بخشی فرقہ کے لوگ بھی اسلامی تصوف میں شیعت کے اثرات کی وجہ سے داخل ہو گئے جب کہ ان کی تعلیمات اسلام سے بالکل متصادم ہیں۔

toobaafoundation.com

باب سوم

تجدید تصوف وسلوک اور مولانا تھانویؒ کی مساعی کا علمی پہلو

toobaafoundation.com

فصل اول

لوازم تصوف کی تنقیح

فصل دوم

اشغال واحوال صوفیاء کی حقیقت اور ان کی حیثیت

فصل سوم

دفاع صوفیاء و شطحیات صوفیاء کے بارے میں مولانا تھانویؒ کی عادلانہ تنقیدات

فصل چہارم

محبت طبعی و عقلی اور اختیاری وغیر اختیاری میں فرق (مولانا تھانویؒ کی علمی واجتہادی کاوش)

toobaafoundation.com

فصل اول

لوازم تصوف کی تنقیح

toobaafoundation.com

فصل اول:لوازم تصوف کی تنقیح

مولانااشرف علی تھانویؒ "فن تصوف" میں کمال کا درجہ رکھتے ہیں۔انہوں نے جہاں تصوف کے اندر در آنے والی چیزوں کی تنقیح کی ہے،وہاں تصوف کے لیے لازمی اور چیزوں کی بھی حقیقت بیان کی ہے اور تصوف کے لوازم کی حقیقت کو انتہائی مدلل انداز میں بیان کیا ہے۔تصوف کے لوازم کے بارے میں عام علماء ومشائخ میں جو خرابیاں اور بدعات پیدا ہو گئی تھیں،مولانا تھانویؒ نے ان کی اچھی طرح اصلاح کی ہے،تصوف کے لوازم میں سب سے اہم بیعت اور شیخ ہیں۔اس حوالے سے کہ بیعت کی حقیقت کیا ہے؟اس کا مقصد کیا ہے؟ پھر شیخ اور پیر کون ہو سکتا ہے اور شیخ ومرید کا تعلق کن بنیادوں پر استوار ہوتا ہے۔اسی طرح شیخ اور مریدین کے ایک دوسرے پر کیا حقوق ہیں۔بیعت اور شیخ کے علاوہ تصوف کے لوازم میں اخلاق حسنہ اور اخلاق رذیلہ بھی شامل ہیں۔اس جہت کے اعتبار سے کہ تصوف اس چیز کا نام ہے کہ اخلاق حسنہ اپنے اندر پیدا کیے جائیں اور رذائل اخلاق سے اپنے دامن کو بچایا جائے۔

اس فصل میں بیعت کی حقیقت ومقاصد،شیخ کامل کے اوصاف اور شیخ اور مریدین کے آپس میں حقوق کو بیان کیا جائے گا۔مزید یہ کہ عام طور پر لوگ اس ضمن میں جن غلط فہمیوں کا شکار ہیں ان کو مولانا تھانویؒ کی کتب،ملفوظات ومواعظ کی روشنی میں بیان کیا جائے گا۔

بیعت کی تعریف:۔

”حضرات صوفیائے کرام میں جو بیعت معمول ہے جس کا حاصل التزام احکام(یعنی اعمال ظاہری وباطنی پر استقامت)اور اہتمام کا معاہدہ ہے جس کو ان کے عرف میں ”بیعت وطریقت“ کہتے ہیں۔“[1]

بیعت کی حقیقت:۔

مولانا تھانویؒ بیعت کی حقیقت کے بارے میں لکھتے ہیں:

”بیعت کی اصل حقیقت خود لفظ بیعت وارادت اور مرید کی اصطلاح بلکہ لفظی معنی ہی سے واضح ہو جاتی ہے ارادہ

[1] تھانوی،اشرف علی،مولانا،اشرف الطریقۃ فی الشریعۃ والحقیقۃ(شریعت وطریقت)،مرتب:مولانا محمد دین چشتی،ادارہ اسلامیات،لاہور،1981ء،ص:58

toobaafoundation.com

محض آرزو اور تمنا کا نام نہیں۔ بلکہ مراد کو پورا کرنے کے لیے ضروری اسباب و وسائل کی بہم آوری میں لگ جانا یا منزل مقصود کی طرف چل پڑنا ہے بس مرید بھی اصطلاحاً وہ ہے جو اپنی دینی خصوصاً باطنی و قلبی اصلاح و درستی کو مراد و منزل بنا کر اس کے ضروری وسائل اختیار کرتا اور اس کی طرف چل پڑتا ہے اور بیعت کے معنی ہیں اس منزل مقصود کے لیے کسی زیادہ واقف کار کو رہبر و رفیق بنا لینا اور اس کے پیچھے یا ساتھ چلنا تاکہ نہ صرف گمراہی کے خطرات سے حفاظت ہو بلکہ راستہ سہولت و راحت سے قطع ہو۔ بالفاظ دیگر اپنے سے زیادہ واقف و ماہر مصلح کے ہاتھ میں اپنے کو اس طرح سونپ دے جیسے مریض کسی حاذق طبیب کے حوالے اپنے کو کر دیتا اور دوا پرہیز میں کاملاً اس کی تجویز و ہدایت پر عمل کرتا ہے۔"[1]

پیری مریدی اور بیعت میں افراط و تفریط:۔

موجودہ دور میں لوگ اس حوالے سے افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ بعض لوگ صرف مرید ہونے کو ہی نجات کے لیے کافی سمجھتے ہیں اور عمل کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتے۔ مولانا تھانویؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"پیری و مریدی یا بیعت و ارادت کی حقیقت و ضرورت میں بہت افراط و تفریط سے کام لیا گیا ہے ایک طرف اس کو سرے سے بعضوں نے بدعت سمجھ رکھا ہے اور دوسری طرف صرف ایک رسم بنا رکھا ہے کہ بس دست بوسی و پابوسی کر لی باقی خود کچھ کرنے کرانے کی ضرورت نہیں حالانکہ نری پیری مریدی میں کچھ نہیں رکھا اصل کام خود چلنا ہے اور کسی رہبر کا ہاتھ پکڑنا۔ اگرچہ (رسمی) مرید کسی سے بھی نہ ہو یہ مطلب نہیں کہ سلسلہ میں داخل ہونے سے برکات کچھ نہیں لیکن اس کو اصل الاصول سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ بلکہ اصلی غرض اور مقصود سلوک کا رضائے حق کو سمجھے جس کا طریق احکام شرعیہ کا بجالانا اور ذکر پر مداومت کرنا ہے شیخ اس کی تعلیم و تلقین کرتا ہے اور مرید اس پر کاربند ہوتا ہے اگرچہ کوئی کیفیت معلوم نہ ہو اور نہ کوئی کمال اس کے زعم میں حاصل ہو۔ تب بھی آخرت میں اس کا ثمرہ جو کہ رضاء ہے ظاہر ہو گا اور رضاء سے دخول جنت و لقاء حق اور دوزخ سے نجات میسر ہو گی۔ اور شیخ کی طرف سے تلقین کا وعدہ اور مرید کی طرف سے اتباع کا عہد، یہی پیری مریدی کی حقیقت ہے۔"[2]

---

[1] شریعت و طریقت، ص:59

[2] ایضاً، ص:59۔60

toobaafoundation.com

مولانا تھانویؒ کا بیعت لینے کا طریقہ:۔

کسی کو بیعت لینے سے پہلے مولانا تھانویؒ خطبہ مسنونہ پڑھتے اور اس کے بعد بیعت ہونے والے سے چاروں سلاسل کی بیعت کا عہد لیتے۔ڈاکٹر عبدالحی عارفی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

”خطبہ مسنونہ کے بعد ہاتھ میں ہاتھ لے کر فرماتے جو میں کہتا جاؤں تم بھی وہ کہتے جاؤ(عورتوں سے ایک تو پردے کے پیچھے سے بیعت لی جاتی تھی۔اور دوسرا نہ ہی ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے تھے بلکہ عورتوں سے فرماتے اپنے دل میں کہتی جاؤ) یہ کہو کہ میں نے شرک سے، کفر سے،بدعت سے، چھوٹے بڑے گناہوں سے۔اور ایمان لایا میں اللہ پاک پر اور اس کے سچے رسول پر،لاالہ الا اللہ محمد الرسول اللہ۔عہد کرتا ہوں کہ میں پانچوں وقت کی نماز پڑھوں گا،رمضان شریف کے روزے رکھوں گا اگر مال ہو گا زکوۃ دوں گا زیادہ گنجائش ہو گی تو حج کروں گا ۔اللہ ورسول کے احکام جہاں تک ہو سکے گا بجالاؤں گا اور جن باتوں سے منع کیا ہے ان کو ہر گز نہ کروں گا اگر خطا ہو جائے گی تو فوراً توبہ کر لوں گا۔بیعت ہوں چاروں سلسلوں میں چشتیہ نقشبندیہ قادریہ سہروردیہ،اے اللہ ان سب خاندانوں کی برکت نصیب کر اور قیامت میں ان بزرگوں کے ساتھ حشر فرما آمین۔اب دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ سیدھا راستہ چلائے خاتمہ ایمان پر ہو نیک عملوں کی توفیق ہو۔پھر فرماتے مسائل کے لیے بہشتی زیور،بہشتی گوہر کا مطالعہ کرتے رہیں اور قرآن شریف کی تلاوت نماز تہجد یا بعد عشا چار رکعت یا آٹھ رکعت،پانچوں نمازوں کے بعد تسبیح فاطمہ،چلتے پھرتے استغفار کی کثرت۔“[1]

بیعت کے اصولوں اور شیخ کامل کی پہچان کے بارے میں مولانا تھانویؒ کے حدیثی استدلالات:۔

بیعت و شیخ:۔

بیعت کیا ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے، شیخ و پیر کون بن سکتا ہے اور اس کے اوصاف کیا ہیں؟ چنانچہ بیعت و شیخ علم تصوف کا اہم موضوع اور تصوف کے لوازم میں سے ہیں۔مولانا تھانویؒ نے بیعت،بیعت کی حقیقت اور شیخ کے آداب کے بارے میں احادیث رسول ﷺ سے بہت سارے مسائل کا استنباط کیا ہے۔مثلاً بیعتِ طریقت، بیعتِ غائبانہ مشائخ، وقتِ بیعت

[1] عارفی،عبدالحی،ڈاکٹر،بصائر حکیم الامت،ادارۃ المعارف،کراچی،2006ء،ص:62

toobaafoundation.com

عورتوں سے مصافحہ نہ کرنا، پیر کی تعریف میں مبالغہ آرائی کرنا، شیوخ تصرفات میں مختار نہیں ہوتے، لوگوں کو فیض پہنچانا شیخ کے قبضہ میں نہیں ہوتا، جھوٹے پیروں کی مذمت اور نااہل شخص کو شیخ بنانے کی مذمت وغیرہ

بیعت:-

i. بیعتِ طریقت:-

حدیث:"عن عبادۃ ابنِ صامت رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ وحولہ عصابۃ من اصحابہ۔ بایعونی علی ان لا تشرکوا باللہ ولا تسرقوا۔"[1]

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ کے اردگرد آپ کے صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی اس وقت آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے اس بات پر بیعت کرلو کہ شرک نہ کروگے اور چوری نہ کروگے۔

بہت سارے لوگوں نے نبی کریمؐ کے دستِ مبارک پر قبولِ اسلام کے لئے بیعت کی اور بہت سارے صحابہؓ نے جہاد کے لئے بیعت کی جس طرح کہ تاریخِ اسلام میں صلح حدیبیہ کے مقام پر آپؐ نے صحابہؓ سے بیعت لی۔ اس حدیث کی روشنی میں مولانا تھانویؒ نے ترکِ معاصی اور طاعات کے لزوم کے لئے بیعتِ طریقت کو ثابت کیا ہے۔

"حدیث میں تصریح ہے کہ جن لوگوں کو آپؐ نے بیعت کا ارادہ فرمایا وہ صحابہ تھے، اس سے ثابت ہوا کہ علاوہ بیعت اسلام و جہاد کے ترک معاصی و التزام طاعات کے لئے بھی بیعت ہوتی تھی۔ یہی بیعت اسلام بیعت طریقت ہے جو صوفیاء میں معمول ہے، پس اس کا انکار ناواقفی ہے۔"[2]

ii. بیعتِ غائبانہ مشائخ:

حدیث:"عن ابن عمر رضی اللہ عنہ فی جوابہ للمصری عن طعنہ فی عثمان قولہ: واما غیبۃ عن بیعۃ الرضوان فلوکان احد اعز ببطن مکۃ من عثمان لبعثہ، فبعث ﷺ عثمان رضی اللہ عنہ الی مکۃ وکانت بیعۃ

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب (بلا ترجمۃ) رقم:18؛ صحیح المسلم، کتاب الحدود، باب الحدود کفارات لأھلھا، رقم:41 (1709)؛ سنن الترمذی، کتاب الحدود، باب الحدود کفارۃ لاھلھا، رقم:1439 وقال: حسن صحیح؛ سنن النسائی، کتاب البیعۃ، باب من وفی بما بایع علیہ، رقم:4215

[2] التکشف عن مھمات التصوف، ص:661

toobaafoundation.com

الرضوان بعد ما ذهب عثمان، فجعل ﷺ بیده الیمنیٰ علی الیسری وقال: " هذه لعثمان" وکانت لیسری رسول الله ﷺ لعثمان خیراً من ایمانهم'۔ "[1]

حضرت ابنِ عمرؓ سے ایک مصری کے اعتراض کے جواب میں جو حضرت عثمانؓ پر کئے تھے یہ ارشاد مروی ہے کہ:
رہا بیعتِ رضوان میں ان کا موجود نہ ہونا تو (وجہ اس کی یہ تھی کہ اس وقت ضرورت تھی مکہ میں گفتگو کرنے کے لئے کسی کو بھیجنے کی اور چونکہ اندیشہ تھا اہلِ مکہ سے اس کے قتل کرنے کا اس لئے یہ بھی ضرورت تھی کہ وہ فرستادہ خود اہلِ مکہ کی نظر میں باوجاہت اور معزز ہو، اور یہ بات حضرت عثمانؓ کو حاصل تھی) سو اگر کوئی (ان سے) زیادہ معزز ہوتا (اہل مکہ کی نظر میں) تو آپ ان کو بھیجتے: اس لئے حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کو ہی مکہ بھیجا، اور یہاں بیعتِ رضوان ان کے چلے جانے کے بعد (اتفاقاً) واقع ہوگئی، سو آپؐ نے اپنا داہنا ہاتھ (اپنے) بائیں ہاتھ پر رکھا اور (اس بائیں ہاتھ کی نسبت) فرمایا کہ، " یہ عثمان کا ہاتھ ہے"۔ (گو انہوں نے بیعت کرلی) اور حضورؐ کا بایاں ہاتھ حضرت عثمانؓ کے لئے اوروں کے داہنے ہاتھ سے بھی اچھا تھا۔

عبد اللہ ابنِ عمرؓ کے اس اثر میں عثمان غنیؓ کی بیعت غائبانہ کا ذکر ہے۔ مولانا تھانویؒ نے اس سے مشائخ کی غائبانہ بیعت کو ثابت کیا ہے۔

"مشائخ کے یہاں بیعتِ غائبانہ بھی معمول ہے، یہ حدیث اس کی اصل ہے۔ "[2]

iii. وقتِ بیعت عورتوں سے مصافحہ نہ کرنا:

حدیث: " عن عائشة رضی الله عنها قالت: ما مس رسول الله ﷺ ید امرأة قط الا أن یاخذ علیها فاذا اخذ علیها فاعطته قال: اذهبی فقد بایعتک "[3]

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب قول الله تعالیٰ: (ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان) الایة۔ رقم: 4066؛ سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب (ثلاث اعتراضات اعترض بها المصری) رقم: 3706، وقال: حسن صحیح۔

[2] التکشف عن مهمات التصوف، ص: 596

[3] صحیح البخاری، کتاب الشروط، باب ما یجوز من الشروط فی الاسلام والأحکام والمبایعة، رقم: 2713؛ صحیح المسلم، کتاب الأمارة، باب المبایعة بعد فتح مکة علی الاسلام والجهاد والخیر، رقم: 1866؛ سنن ابو داؤد، کتاب الخراج، والفیء، والامارة، رقم: 2941؛ سنن الترمذی، کتاب التفسیر، باب سورة الممتحنه، رقم: 3306 وقال: حسن صحیح؛ سنن ابن ماجة، کتاب الجهاد، باب بیعة النساء، رقم: 2875

toobaafoundation.com

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے کسی عورت کے ہاتھ کبھی نہیں چھوا، البتہ صرف زبانی بیعت لے لیتے تھے، جب زبانی عہد لینے پر وہ عہد دے دیتی فرماتے کہ:" جاؤ میں نے تم کو بیعت کرلیا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اس روایت کردہ حدیث کی روشنی میں مولانا تھانویؒ نے عورتوں کو بیعت کرنے کا طریقہ بیان کیا ہے۔ اس طرح جاہل صوفیاء اور نام نہاد صوفیاء پر تنقید کی ہے جو عورتوں کو بیعت کرتے وقت نہ تو پردے کا خیال کرتے ہیں ۔بلکہ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بیعت کرتے ہیں۔ جس طرح آج کل نام نہاد صوفیاء اور ایمان کے ڈاکو اپنی مریدنیوں سے گلے بھی ملتے ہیں۔

" بعض ناواقف یا بے احتیاط درویش عورتوں سے دست بدست بیعت لیتے ہیں، یہ عمل بالکل ناجائز ہے، بلا ضرورت اجنبی عورت کے جسم پر ہاتھ لگانا گناہ ہے، اس حدیث میں اس عمل کا ابطال اور رد ہے، رسول اللہؐ سے زیادہ کون مربی اور عفیف ہوگا، آپؐ نے اس میں احتیاط فرمائی، تو دوسرے کسی پیر کو باپ یا فرشتہ سمجھ کر ایسی بے تکلفی و بے پردگی کو کیوں کر گوارا کیا جاسکتا ہے؟ حقیقت بیعت کی محض معاہدہ ہے، سو زبانی کافی ہے، مشائخ متاخرین نے تقویت اتصال کے لئے و نیز تسکین قلب عوام کے لئے کپڑے کا ایک گوشہ خود لینا اور دوسرا گوشہ مریدہ کو دینا معمول کرلیا ہے، اس کا مضائقہ نہیں بلکہ اگر مرد کے لئے بھی بضرورت یا بلا ضرورت زبانی بیعت پر اکتفا کیا جاوے مضائقہ نہیں، لیکن چوں کہ ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت لینا مسنون ہیئت ہے اور مرد میں اس سے کوئی امر مانع نہیں، لہٰذا معنی اور صورت کا جمع کرنا اولیٰ ہے۔"[1]

شیخِ طریقت:۔

i.   پیر کی تعریف میں زیادہ مبالغہ کرنا:۔

حدیث:" عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: سمعت عمر رضی اللہ عنہ یقول: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول:" لا تطرونی کما اطر النصاری ابن مریم: فانما انا عبد، فقولوا: عبداللہ ورسولہ۔"[2]

حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا کہ ارشاد فرماتے تھے کہ: (مجھ کو اتنا مت بڑھاؤ جیسا نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ بن مریم کو بڑھادیا (کہ ان کو الہٰ وابن اللہ کہنے

[1] التکشف عن مھمات التصوف، ص:445-446

[2] صحیح البخاری: أحادیث الأنبیاء، باب قولہ تعالیٰ: یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم۔ رقم:3445

toobaafoundation.com

لگے) میں تو بندہ ہوں سو تم لوگ (مجھ کو) اللہ کا بندہ اور اللہ کا (عظیم الشان) رسول کہا کرو۔(کہ میرے سب فضائل اس عنوان میں داخل ہو گئے، اسی واسطے تفضیل فضائل کے وقت بھی ان ہی فضائل پر اقتصاد کرنا واجب ہے اس سے آگے کہ مرتبہ الوہیت ہے تجاوز درست نہیں)

اس حدیث کے ضمن میں مولانا تھانویؒ نے اپنے مریدین کو اپنے شیخ کی تعریف میں مبالغہ آرائی سے منع کیا ہے۔ چونکہ اکثر مرید جب اپنے شیخ کے فضائل و اوصاف بیان کر رہے ہوتے ہیں تو وہ جھوٹ اور شرک تک پہنچ جاتے ہیں۔ جب نبی کریمؐ نے اپنی تعریف میں غلو سے منع کیا ہے تو مشائخ تو بدرجہ اولیٰ اس کے مستحق ہیں۔

"حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے پیر یا کسی دوسرے بزرگ کی ثناء میں زیادہ مبالغہ نہ کرے کہ حد کذب یا شرک تک پہنچ جائے: کیوں کہ صاحب نبوت کے لئے اس کی ممانعت ہوئی تو صاحب ولایت کے لئے کیسے جائز ہو گا؟۔"[1]

ii. اہلِ کمال تصرفات میں مختار نہیں ہوتے:

حدیث:" عن المسیب بن حزن رضی اللہ عنہ و انزل فی ابی طالب: (انک لا تھدی من احببت و لکن اللہ یھدی من یشاء)[2] "[3]

حضرت مسیب بن حزنؓ سے روایت ہے کہ ابو طالب کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی کہ (یا رسول اللہ) آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے: لیکن اللہ جس کو چاہیں ہدایت دیں۔

اس حدیث میں سورۃ القصص کی ایک آیت کا شانِ نزول بیان ہوا ہے جو حضرت ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ نبی کریمؐ کی انتہائی خواہش کے باوجود حضرت ابو طالب نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ مولانا تھانویؒ اس حدیث کی روشنی میں ان لوگوں کی تردید کرتے ہیں جو زندہ یا مردہ شیوخ کو مختارِ کل تصور کرتے ہیں۔ اور ان کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں۔

---

[1] التکشف عن مھمات التصوف، ص:633

[2] القصص 56:28

[3] صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورۃ القصص، باب قولہ: (انک لا تھدی من احببت و لکن اللہ یھدی من یشاء)، رقم:4772؛ صحیح المسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی صحۃ الاسلام من حضرہ الموت مالم یشرع فی النزع الخ، رقم:39(24)؛ سنن النسائی، کتاب الجنائز، باب النھی عن الاستغفار للمشرکین، رقم:2037

toobaafoundation.com

"بہت سے لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں۔ کہ تصرفات کو مطلقاً کاملین کے اختیار میں سمجھتے ہیں حتیٰ کہ ان سے حق تعالیٰ کی طرح حاجات مانگتے ہیں احیاء یا اموات سے، یہ آیت و حدیث اس کا قلع قمع کرتی ہے۔"[1]

iii. فیض پہنچانا شیوخ کے اختیار میں نہیں ہے:

حدیث:" عن أبي هريرة رضي الله عنه في قوله تعالىٰ: (انک لا تهدی من احببت) قال: نزلت في رسول الله ﷺ حيث يراود عمه اباطالب على الاسلام "[2]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے اس آیت کے بارے میں 'انک لا تھدی الخ' مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت رسول اللہؐ کے معاملہ میں نازل ہوئی کہ آپؐ اپنے چچا ابو طالب کو اسلام کی ترغیب دے رہے تھے (اور وہ نہ مانتے تھے)

یہ حدیث بھی مذکورہ بالا مضمون کو بیان کرتی ہے۔ مولانا تھانویؒ اس حدیث کے ضمن میں بیان کرتے ہیں کہ جب نفع دینی شیخ کے اختیار میں نہیں ہے تو دنیا کا نفع بدرجہِ اولیٰ اس سے خارج ہے۔

" بعض ناواقف غلطی سے یوں سمجھتے ہیں کہ فیض پہنچانا شیوخ کے قبضے و اختیار میں ہوتا ہے اس حدیث سے اس غلطی کی پوری اصلاح ہوتی ہے کہ جب رسول اللہؐ کو اختیار نہ ہوا تو اوروں میں تو کب احتمال ہے اور جب نفع دینی جو اصل کام شیخ کا ہے مستقلاً خارج از اختیار ہے۔ تو نفع دنیوی تو بدرجہ اولیٰ استقلالاً اختیار میں نہ ہو گا بہت سے جہلا اس میں گرفتار ہیں کہ نعوذ باللہ اہل اللہ کو ساری خدائی کا مالک سمجھتے ہیں بدلالۃ النص اس کی بھی اصلاح ہو گئی۔"[3]

iv. **جھوٹے پیروں کی مذمت:**

حدیث:" عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ يخرج في آخر الزمان رجال يختلون الدنيا بالدين يلبسون للناس جلود الضأن من اللين، السنتهم احلىٰ من السكر وقلوبهم قلوب الذئاب يقول الله: ابي

---

[1] التکشف عن مھمات التصوف، ص:608

[2] القشیری، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح للمسلم: کتاب الایمان، باب الدلیل علی صحۃ اسلام من حضرہ الموت مالم یشرح فی النزع، رقم:41(25) ؛سنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب تفسیر سورۃ القصص، رقم:3188 وقال: حسن غریب۔

[3] التکشف عن مھمات التصوف، ص:482

toobaafoundation.com

یغترون ام علی یجترؤن؟ فبی حلفت لا بعثن علیٰ اولئک منهم فتنة تدع الحلیم منهم حیراناً"[1]۔

حضرت ابو ھریرہؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہؐ نے کہ: "آخری زمانہ میں کچھ ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو دنیا کو مکروفریب سے دین کے عوض میں حاصل کریں گے، لوگوں کو دکھلانے کو نرم بننے کے لئے بھیڑ کی کھال پہنیں گے (یا تو مراد اس سے حقیقی معنی ہیں کہ پوستین نہیں پہنیں گے کہ لباس ہے تارکانِ دنیا کا، اور یا کنایہ ہے اس سے کہ ظاہر میں بہت نرم خو اور منکسر و متواضع ہوں گے) زبانیں ان کی شکر سے بھی زیادہ شیریں ہوں گی اور دل ان کے بھیڑیوں کے سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا یہ لوگ مجھ پر دھوکہ کھائے ہوئے ہیں یا مجھ پر جرأت کرتے ہیں، سو مجھ کو اپنی ہی قسم ہے کہ میں ان لوگوں پر ان ہی میں ایک ایسا فتنہ برپا کروں گا، جو ان کے عاقلوں کو بھی حیرت میں ڈال دے گا۔

اس حدیث میں آخری زمانے کے ایک فتنہ کا ذکر ہے جس میں بعض لوگ مکر و فریب سے دین کے بدلے دنیا حاصل کریں گے۔ اس طرح اس حدیث سے جھوٹے اور مکار پیروں کی مذمت بھی ثابت ہوتی ہے۔

"جھوٹے اور مکار پیروں کی مذمت اس حدیث میں ظاہر ہے۔"[2]

v. نااہل کو شیخ بنانے کی مذمت:

حدیث:" عن ابی طفیل رضی اللہ عنہ قال: اتی رجل الیٰ علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب فقال: ماکان رسول اللہ ﷺ یسر الیک؟ فغضب، وقال: ماکان یسر الی شیئا یکتمه الناس، غیر انه حدثنی باربع کلمات۔ قال: ماهن؟ قال: لعن اللہ تعالیٰ من ذبح لغیر اللہ۔۔۔" الحدیث[3]

ترجمہ: حضرت ابو طفیلؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت علیؓ کے پاس آیا اور کہا کہ رسول اللہؐ آپ کو خفیہ باتیں کیا بتلایا کرتے تھے؟ حضرت علیؓ بہت غضبناک ہوئے اور فرمایا مجھ کو کوئی ایسی خفیہ بات نہیں بتلائی جس کو اور لوگوں سے پوشیدہ رکھتے ہو مگر بے شک مجھ سے چار باتیں ارشاد فرمائی تھیں (اور وہ باتیں دوسروں سے بھی پوشیدہ نہیں جیسا کہ ان باتوں کی تعیین سے ابھی معلوم ہو جاتا ہے، پس اچھی طرح اختصاص کی نفی ہو گئی) اس شخص نے کہا وہ باتیں کیا ہیں؟ فرمایا! ایک تو یہ کہ

---

[1] سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب خاتئی الدنیا بالدین وعقوبتھم، رقم:2404

[2] التکشف عن مھمات التصوف، ص:677

[3] صحیح المسلم، کتاب الأضاحی، باب تحریم الذبح لغیر اللہ تعالیٰ ولعن فاعلہ، رقم:43 (1978)؛ سنن النسائی، کتاب الضحایا، باب من ذبح لغیر اللہ عزوجل۔ رقم:4427

toobaafoundation.com

اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو غیر اللہ کے واسطے ذبح کرے، آگے پوری حدیث ہے،(روایت کیا اس کو مسلم اور نسائی نے)اور رزین نے حضرت ابن عباسؓ سے اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ وہ شخص ملعون ہے جو کسی اندھے کو راستہ سے بچلا دے۔

اس حدیث سے بہت ساری غلط باتوں کی تردید ہوتی ہے مثلاً علمِ تصوف کا سینہ بسینہ منتقل ہونے کا دعویٰ کرنا باطل ہے اور غیر اللہ کے نام پر نذر ماننے کی مذمت، مولانا تھانویؒ نے اس حدیث کے آخری ٹکڑے ' ملعون من صدا عمیٰ عن الطریق ' یعنی جس شخص نے کسی اندھے کو سیدھے رستے سے گمراہ کیا یا روکا وہ ملعون ہے۔ اس بات کو ثابت کیا ہے کہ مکار، جھوٹے اور جاہل پیر بھی اس حدیث کے مصداق ہیں جو لوگوں کو دین سے گمراہ کرتے ہیں۔

"حدیث میں راہ سے اندھے کو بچلانے والے (ہٹانے والے) کی ملعونیت مصرح ہے اور ظاہر ہے کہ آخرت کی راہ دنیا کی راہ سے زیادہ اہم ہے اور اس کا اعمیٰ راہ دنیا کے اعمیٰ سے زیادہ اشد اور احوج الی الھدایہ ہے' قال اللہ تعالیٰ (فانھا لا تعمی الابصار و لکن تعمی القلوب التی فی الصدور) جب اس اعمیٰ ظاہر کو راہ ظاہر سے بچلانے والا ملعون ہے تو اعمیٰ باطن کو راہ باطن سے بچلانے والا کس درجہ ملعون ہوگا، جھوٹے، مکار اور ناواقف پیر اس کے پورے مصداق ہیں، پس ایسے لوگوں پر واجب ہے کہ پیری سے توبہ کریں۔"[1]

ملفوظاتِ مولانا تھانویؒ کی روشنی میں بیعت کے لیے ضابطے:۔

مولانا تھانویؒ نے اپنے ملفوظات میں جابجا بیعت کی حقیقت اور اس کے اصولوں وضوابط کو بیان کیا ہے۔ ذیل میں اس حوالے سے چند ملفوظات کا ذکر کیا جاتا ہے:

1. بیعت کو تعلیم پر ترجیح دینا کم فہمی ہے:۔

بعض لوگ بیعت کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں اور تعلیم حاصل کرنے کی طرف توجہ نہیں کرتے ہیں۔ مولانا تھانویؒ اس غلط فہمی کے حوالے سے ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں:

"ایک صاحب نے شرائط بیعت کا پرچہ مانگا اس پر ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں بھی پرچہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ حضرت والا نے دونوں صاحبوں کو پرچے دے کر فرمایا کہ یہ سب کام کرنے کی تدابیر ہیں اس پرچہ کی بدولت ہلکا

[1] التکشف عن مھمات التصوف، ص:628

toobaafoundation.com

پھلکا رہتا ہوں پرچہ کو دیکھ کر اکثر لوگ بیعت تو مجھ سے چاہتے ہیں اور تعلیم دوسروں سے۔ جن کو میں تعلیم کے لیے تجویز کردوں سو بیعت کو اس قدر مقصود بالذات سمجھتے ہیں کہ تعلیم پر ترجیح دیتے ہیں اور بیعت کو تعلیم پر ترجیح دینا یہ مستلزم ہے کم فہمی کو۔ تو اس کی بدولت ایسے کم فہموں سے نجات ہو جاتی ہے ورنہ سوائے پریشان کرنے کے کوئی نتیجہ نہ تھا کیونکہ یہ بھی خبر نہ ہو کہ اصل چیز ہے آگے ان سے کیا امید کہ یہ فہم سے کام لیں گے اس لیے میں خوش ہوتا ہوں کہ خوب جان بچی۔"[1]

2. صرف بیعت ہو جانا کافی نہیں:۔

بعض لوگ جب کسی شیخ کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے ہیں تو وہ اس زعم میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ اب ہمیں عمل کی ضرورت نہیں ہے۔ مولانا تھانویؒ اپنے اس ملفوظ میں واضح کرتے ہیں:

"فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ قلب میں وساوس آتے ہیں اس کے واسطے کوئی ورد بتلا دو یہ صاحب ایک بہت بڑے شیخ سے مرید ہیں لیکن آج تک یہ خبر نہیں کہ ورد سے بھی کہیں وسوسوں کا علاج ہوتا ہے اس لیے میں کہا کرتا ہوں کہ فقط بیعت سے کچھ کام نہیں چلتا تعلیم و تنظیم کی ضرورت ہے اس پر مجھ کو بدنام کیا جاتا ہے کہ سخت ہے بس یہ سختی ہے کہ میں ناواقفوں کو واقف بناتا ہوں کیا یہ بھی جرم ہے ایک قصبہ ہے تیتروں وہاں سے بہت سی عورتیں بیعت ہونے آئیں ایک جھگڑا ابھرا ہوا تھا مزاحاً فرمایا کہ جھگڑا کیا بھرا ہوا تھا اس میں ایک جھگڑا ابھرا ہوا تھا میں نے بیعت کرنے سے اس بناء پر انکار کر دیا کہ تم اپنے اپنے خاوندوں سے پوچھ کر نہیں آئی ہو میں بیعت نہ کروں گا میں نے بعد میں سنا کہ ان عورتوں نے کہا کہ یہ مولوی اچھا نہیں گنگوہ والا مولوی اچھا تھا ترت یعنی فوراً مرید کر لے تھا میں نے کہا کہ بالکل سچی بات ہے دونوں جز صحیح ہیں حضرت مولانا گنگوہیؒ کا اچھا ہونا اور میرا برا ہونا مگر بلانے کون گیا تھا تم یہاں پر آؤ اور آکر مرید ہو سب خفا ہو کر چلی گئیں۔"[2]

3. تعجیل بیعت کے مفاسد:۔

مولانا تھانویؒ کا یہ اصول تھا کہ جب تک انہیں کسی شخص سے خط و کتابت یا ملاقات کے ذریعے مناسبت نہ ہو جاتی وہ اس وقت تک اس کو بیعت نہیں کرتے تھے۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک کسی کو جلدی بیعت کر لینے میں مفاسد ہیں:

---

[1] ملفوظات حکیم الامت، 1/245

[2] ایضاً، 3/125-126

toobaafoundation.com

"ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یوں تعجیل بیعت میں بہت سے مفاسد ہیں ہی مگر بڑی بات یہ ہے کہ نفع موقوف ہے مناسبت پر اگر یہ نہیں کچھ بھی نہیں اور مناسبت کی تحقیق جلدی نہیں ہو سکتی البتہ تجربہ کی بناء پر دو شخصوں کو بیعت کرنے کے لیے کچھ انتظار نہیں کرتا ایک بیمار اور ایک عورت یہ دونوں قابل رحم اور قابل رعایت ہیں۔"[1]

4. سب سے بڑا مجاہدہ کامل کے سامنے مٹنا ہے:۔

مولانا تھانویؒ ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں کہ متقدمین میں بعض شیوخ مریدین سے سخت مجاہدات کرواتے تھے، لیکن اب چونکہ لوگوں کے قویٰ کمزور ہیں اس لیے اب شیخ کی مکمل اطاعت ضروری ہے:

"سلف میں مشائخ بڑے بڑے مجاہدے اور ریاضتیں مریدین سے کراتے کتابوں میں دیکھنے سے حیرت ہوتی ہے اس وقت قویٰ لوگوں کے اچھے ہوتے تھے عمریں بھی بڑی ہوتی تھیں اب نہ قویٰ ہیں اور نہ عمر۔ جو بات اس زمانہ میں معتد بہ مجاہدات کے بعد حاصل ہوتی تھی یعنی قوت بہیمیہ کا کمزور ہو جانا وہ آج کل بلا مجاہدات کے حاصل ہے مگر یہ سن کر کوئی خوش فہم صاحب یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ واقع میں مجاہدہ کی ضرورت نہیں، ضرورت ہے مگر اسی درجہ کی جس درجہ کی قوت بہیمیہ ہے اور بڑا مجاہدہ یہ ہے کہ کسی کامل کے سامنے اپنے کو پامال کردے۔"[2]

5. شیخ کامل کی پہچان:۔

مولانا تھانویؒ کے نزدیک شیخ کا متبع سنت ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک ایک شیخ کو مندرجہ ذیل اوصاف کا مرقع ہونا چاہیے:

1)۔ "بقدرِ ضرورت دین کا علم رکھتا ہو۔

2)۔ عقائد و اعمال و اخلاق میں شرع کا پابند ہو۔

3)۔ دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو کہ یہ بھی دنیا کا ایک شعبہ ہے۔

4)۔ کسی شیخ کامل کی صحبت میں چندے رہا ہو۔

---

[1] ملفوظات حکیم الامت، 103/5

[2] ایضاً، 119/1

toobaafoundation.com

5)۔ اس زمانہ کے منصف علماء ومشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہوں۔

6)۔ بہ نسبت عوام کے خواص یعنی فہیم دیندار لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوں۔

7)۔ اس سے جو لوگ بیعت ہیں ان میں سے اکثر کی حالت باعتبار شرع و قلت حرص دنیا کے اچھی ہو۔

8)۔ وہ شیخ تعلیم و تلقین میں اپنے مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو۔ اور ان کی بری بات سنے یا دیکھے تو ان کو روک ٹوک کرتا ہو۔ یہ نہ ہو کہ ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے۔

9)۔ اس کی صحبت میں چند بار بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور حق تعالیٰ کی محبت میں ترقی محسوس ہوتی ہو۔

10)۔ خود بھی ذاکر و شاغل ہو کہ بدون عمل یا عزم عمل تعلیم میں برکت نہیں ہوتی۔

اسی طرح یہ نہ دیکھے کہ اس کی توجہ سے لوگ مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگتے ہیں یا نہیں۔ کیونکہ یہ بھی لوازم بزرگی سے نہیں۔ اصل میں یہ نفسانی تصرف ہے۔ جو مشق سے بڑھ جاتا ہے۔ غیر متقی بلکہ غیر مسلم بھی کر سکتا ہے، اور اس سے چنداں نفع بھی نہیں، کیونکہ اس کا اثر باقی نہیں رہتا۔ صرف غبی مرید کے لیے جو ذکر سے بالکل متاثر نہ ہوتا ہو چند روز تک شیخ کے اس عمل سے اس میں قبول آثار ذکر کا ایک گونہ تاثر وانفعال پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ خواہ مخواہ لوٹ پوٹ ہی ہو جائے۔[1]

حقوق شیخ کا خلاصہ:۔

بعض لوگ شیوخ سے اپنی دینی اصلاح کی بجائے دنیاوی مفادات حاصل کرتے ہیں۔ مولانا تھانویؒ کے نزدیک ایسے لوگوں کو روحانی نفع نہیں ہوتا۔ فرماتے ہیں کہ:

"اور یہ جو لکھا ہے کہ مرید شیخ سے سبق نہ پڑھے وجہ اس کی یہ ہے کہ سبق میں قیل و قال ہوتا ہے۔ جس سے مبادا شیخ کو انقباض ہو جائے اور فیض باطنی سے محروم ہو جائے اور جو لکھا گیا ہے کہ شیخ مرید کے خانگی معاملات میں دخل نہ دے اس میں یہ راز ہے کہ شیخ کو اصل واقعات سے تو بے خبری ہوتی ہے۔ محض ظاہری روئداد پر فیصلہ کرے گا جو ممکن ہے کہ واقعات سے یا مرید کے مصلحت کے خلاف ہو اور اس سے اس کو شیخ سے کیدگی بھی پیدا ہو جائے۔ اس صورت میں بھی باطنی

[1] تھانوی، اشرف علی، مولانا، تربیت السالک، دارالاشاعت کراچی، س۔ن، ص:10۔12؛ تجدید تصوف و سلوک، ص:209

toobaafoundation.com

نفع نہ ہو گا۔ البتہ جس صورت میں یہ علت نہ ہو وہ اس سے مستثنٰی ہے۔ مثلاً ایک شخص بیوی کا نان نفقہ نہیں دیتا۔ شیخ کہے کہ نفقہ دو یہ خانگی معاملات میں دخل دینا نہ سمجھا جائے گا کیونکہ اس میں دوسرا احتمال ہی نہیں۔ طاعت خالصہ کا حکم ہے۔"[1]

حاصل بحث:۔

مولانا تھانویؒ نے بیعت کی حقیقت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ "بیعت" کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا ہے۔ اس طرح صرف بیعت نجات کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ اصل تو اعمال ہیں۔ اگر کسی کے اعمال درست نہیں ہیں تو کوئی شیخ یا پیر اس کی بخشش نہیں کرواسکتا ہے۔ اسی طرح ہمارے معاشرے میں بہت سے متصوفین پائے جاتے ہیں جو لوگوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں مولانا تھانویؒ نے شیخ کامل کے اوصاف بیان کر کے طریقت کے ان رہزنوں کی دکان پر قدغن لگادی ہے۔ لہٰذا اسلامی تصوف میں وہی شخص قابلِ اعتبار ہے جس کی عملی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے۔

[1] ملفوظات حکیم الامت، 3/168

toobaafoundation.com

فصل دوم

اشغال واحوال صوفیاء کی حقیقت اور ان کی حیثیت

toobaafoundation.com

فصل دوم :اشغال واحوال صوفیاء کی حقیقت اور ان کی حیثیت

اصلاح باطنی کے ساتھ بہت سے امور متعلق ہیں،پھر ان متعلقات میں سے بعض امور وہ ہیں جو اصلاح کے بمنزلہ ثمرات غیر اختیاریہ ہیں،ان کو اصطلاح میں احوال کہتے ہیں،مگر یہ دین میں مقصود نہیں،اس لیے کہ دین میں مقصود وہ ہوتا ہے جو بغیر حاصل کیے حاصل نہ ہو بلکہ جس کا حصول صرف اختیار پر موقوف ہو۔

اکثر سالکین اس سے پریشان ہوجاتے ہیں کہ ہماری فلاں حالت وکیفیت کمزور ہوگئی ہے،یا زائل ہوگئی ہے،شاید ہم کو تنزل ہوگیا،اور وہ اس سے مایوس اور شکستہ دل ہوجاتے ہیں،شیوخ کاملین نے ان کی غلطی رفع کرنے کے لیے تحقیق فرمادی ہے کہ حالات کا غلبہ دائمی نہیں ہوتابالخصوص مبتدی کو اس میں بہت تغیر وتبدل پیش آتاہے،جس کو تلوین کہتے ہیں،اور اہل تمکین کی بھی حالت میں ان کے مرتبہ کے موافق تفاوت ہوتاہے،یہ سلوک کے لوازمات میں سے ہے اس سے پریشان نہیں ہوناچاہیے،کیونکہ اس سے پریشان ہونا نقصان دہ ہوتاہے۔

سالکین جن احوال وکیفیات کے فقدان سے پریشان ہوتے ہیں ان کافقدان کوئی نقص نہیں بلکہ کمال یہی ہے کہ غلبہ احوال کے بغیر ہی استقامت حاصل ہو۔احوال کی دوقسمیں ہیں،ایک محمود،دوسرے مذموم،ان میں امتیاز کا معیار یہ ہے کہ جو کیفیت کسی گناہ کا مقدمہ ہوجائےوہ مذموم ہے ورنہ محمودہے،یعنی محمود وہ کیفیت ہے جس سے اطاعت میں ترقی اور گناہ میں کمی ہو،اس لیے کہ بعض اوقات معاصی کے ساتھ بھی بعضے احوال نفسانیہ باقی رہتے ہیں،جیسے وجدواستغراق،شوق وشیفتگی اور حیرت اور اسی قسم کی اور کیفیات تو ان کے بقاء سے دھوکے میں نہ آئے کہ میں ایسا مقبول ہوں کہ مقبولیت میں خلل نہیں پڑا،کیونکہ یہ سب کیفیات دنیا ہیں دین نہیں ،اور دنیا کا عطاہوتے رہنا مقبولیت کی علامات میں سے نہیں۔

حاصل یہ کہ یہ احوال اپنی ذات میں دینی امور نہیں بلکہ دنیوی امور ہیں،البتہ بعض اوقات دین میں معاون ہوجاتے ہیں،اس معین ہوجانے سے ان کا دین کا جزو ہونا لازم نہیں آتا،احوال وکیفیات کی مختلف صورتیں ہیں،مختلف صوفیاء نے ان کی مختلف تفصیلات ذکر کی ہیں،البتہ عمومی طورپر درج ذیل احوال زیادہ تر ذکر کیے جاتے ہیں:

کیفیات باطنیہ قبض وبسط نزول تجلی آثار نزول استغراق

توجہ وتصرف کشف الہام سیر الی اللہ سیر فی اللہ

toobaafoundation.com

مقام فنا	نسبت باطنی	تلوین وتمکین	تجلی ذاتی	انوار والوان کا مکشوف ہونا
علم الیقین	عین الیقین	حق الیقین	انفعال وافعال	وحدۃ الوجود
وحدۃ الشہود	مراتب لاہوت وجبروت		ملکوت وناسوت	

اسی طرح اصلاح باطنی کے ساتھ بہت سے ایسے امور بھی متعلق ہیں جو اصلاح کے بمنزلہ ثمرات اختیاریہ میں سے ہیں، ان کو اصطلاح میں اشغال کہتے ہیں۔ریاضت اور مجاہدہ سے سالک کے قلب میں وصول الی اللہ کی استعداد پیداہوجاتی ہے اور اس کے بعد محض فضل خداوندی سے اس کے قلب کو بالفعل ایک خاص تعلق جذبی مطلوب حقیقی کے ساتھ پیداہوجاتاہے،اس کو نسبت سکینہ،او رنور سے تعبیر کرتے ہیں،او راس نسبت کے پیداہوجانے کا نام وصول ہے۔

پہلے زمانے میں بوجہ برکت قرب عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اسی مقام پربوجہ نسبت قوی پیداہوجانے کے وصول کامل ہوجاتاتھا،لیکن اس ہمارے زمانہ میں اکثراس مقام پر نسبت ضعیف پیداہوجاتی ہے،جس کا حاصل کرنافرض ہے،اور نسبت قویہ اور وصول کامل کے لیے "اذکار" و "اشغال" اور "مراقبات"کی حاجت پڑتی ہے،جس کا حاصل کرنا مندوب ہے،سالکین کو خلافت ومشیخت کا ادنیٰ درجہ اسی قوت نسبت کے حاصل ہوجانے پر میسر آجاتاہے،پھر بعد حصول نسبت قویہ کے چونکہ مبداء فیاض سے قلب کو تعلق ہوگیاہے بوجہ صفائی قلب اس پر کچھ علوم واسرار کبھی حالات وآثار نازل ہوتے ہیں،ان علوم کو حقائق ومعارف اور ان آثار کو احوال کہتے ہیں۔مختلف قسم کے اشغال درج ذیل ہیں:

تصور شیخ	ذکر جلی	ذکر خفی	پاس انفاس	ریاضت ومجاہدہ
مجاہدہ نفس	تخلیہ	تحلیہ	مراقبہ سفر آخرت	توکل
تفویض	بیعت	لطائف ستہ	مراقبہ عذاب آخرت	سماع

toobaafoundation.com

اشغال صوفیاء:۔

صوفیاء کرام اپنی اور سالکین کی اصلاح کے لیے کچھ مجاہدات اور مراقبے کرتے ہیں۔ان کو "تصوف" کے ''اشغال'' کہتے ہیں۔مولانا اشرف علی تھانویؒ نے صوفیاء کے ان اشغال پر اس حوالے سے گفتگو کی ہے کہ یہ اشغال تصوف کا اصل مقصود نہیں ہے۔جبکہ صوفیاء کے نزدیک ان پر عمل اس لیے ہوتا رہا ہے کہ بعض اوقات ایک سالک کی روحانی ترقی میں مدو معاون ثابت ہوتے ہیں۔لیکن اگر کوئی شغل خلاف شرع ہو یا وہ کسی کی روحانی ترقی میں معاون ثابت نہ ہو تو اس شغل پر عمل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ویسے تو صوفیاء کے ہاں بہت سارے اشغال عمل پذیر رہے ہیں۔اس بحث میں صرف مندرجہ ذیل اشغال کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔مراقبہ سفر آخرت

۲۔مراقبہ عذاب آخرت

۳۔تصور شیخ

۴۔سماع

شغل کی حقیقت:۔

مولانا تھانویؒ ''شغل'' کی حقیقت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اشغال کا مقصود اصلی یہ ہے کہ قلب کا انتشار جو بوجہ تشویشِ افکار کے ہے، دفع ہو کر جمعیتِ خاطر اور خیال کی یکسوئی حاصل ہو، تاکہ اس کے خوگر ہونے سے توجہ تام الی اللہ جو کہ مبتدی کو بوجہ غیب ہونے مدرک کے اور مزاحم ہونے افکار مختلف اور حسیات حاضرہ کے، متعذر ہے، سہل ہو جائے۔اشغال مختلفہ اسی کے حیل وطرق ہیں۔نماز میں سترہ کا حکم، اس عمل کا ماخذ ہو سکتا ہے۔کیونکہ بتصریح علماء اسرار مقصود سترہ سے بھی جمع خاطر اور ربطِ خیال و نفی انتشار ہے۔جیسا کہ ابنِ ہمام نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے اور سترہ اس کی تدبیر ہے۔" [1]

---

[1] التکشف عن مہمات التصوف، ص:324

toobaafoundation.com

اشغال مقصود بالذات نہیں:۔

"غرض جتنے اشغال ہیں وہ جمعِ خاطر ہی کے لیے ہیں مقصود بالذات نہیں اور اس میں مشائخ نے یہاں تک وسعت کی ہے کہ جوجوگیوں تک سے بعض اشغال لیے ہیں مثلاً حبسِ دم جوگیوں کا شغل ہے مگر چونکہ یہ ان کا مذہبی شعار نہیں اور خطرات دفع کرنے کے لیے نافع ہے اس لیے اس کو بھی اپنے ہاں لے لیا ہے اور اس میں کچھ حرج نہیں نہ اس میں تشبہ ممنوع ہے کیونکہ جو چیز کسی دوسرے فرقہ کا نہ مذہبی شعار ہو نہ قومی، محض تدبیر کے درجہ میں ہو اس کو تدبیر ہی کی حیثیت سے کسی نفع کے لیے اختیار کرنے میں کوئی محذور شرعی نہیں ہے چنانچہ حبسِ دم بھی دفع خواطر کی محض ایک طبعی تدبیر ہے۔ اس لیے اس کا استعمال جائز ہے۔ کیونکہ یہ اخذ تدبیر میں ہے نہ کہ کسی مذہبی یا قومی شعار میں اور اس کے جواز کی دلیل خندق کا واقعہ ہے تو یہ انتظام و تدبیر فارسیوں کا کوئی قومی یا مذہبی شعار نہ تھا۔ محض ایک تدبیر تھی۔ اس لیے حضورِ اکرم ﷺ نے اس کی اجازت دے دی۔"[1]

ا۔ مراقبہ سفر آخرت:۔

اس مراقبہ کی "انفاس عیسیٰ" میں مولانا تھانویؒ نے اس طرح تفصیل بیان کی ہے:

"جس طرح اسفار دنیا میں موانعِ سفر سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ اتفاقیہ نقصان پر طبیعتوں میں آثار غم پاتے ہیں اور جو امور معین ہوتے ہیں ان کی طرف رغبت کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم کو چاہیے کہ اپنی ہر ہر نقل و حرکت کو تنقیدی نظر سے دیکھیں کہ آیا یہ ہمارے سفر آخرت کے واسطے عائق ہے یا معین۔ اگر کوئی حالت یا فعل ہمارا مانعِ سفر ہے تو اس سے احتراز کریں اور جو امور اس سفر میں ہمیں معین ہیں، رغبت کے ساتھ بطیب خاطر کریں۔ یہ خیال رکھیں کہ کہیں کوئی خار راہ ہمارے اس شاہراہ پر رونما نہ ہو۔ خدا کا راستہ طویل ہے اور ہم اس پر چل رہے ہیں تو ہم ہر وقت سفر میں ہوئے۔ اے صاحب جس کو ہر وقت سفر درپیش ہو وہ کیونکر مطمئن ہو کر بیٹھ سکتا ہے۔ اسی لیے حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت اسی باب میں اس طرح بیان کی گئی ہے "کان دائم الفکرۃ متواصل الاحزان"[2] کہ آپ ﷺ ہمیشہ فکر و سوچ اور رنج و غم میں رہتے تھے اور اسی فکر و غم کا یہ اثر تھا کہ آپ ﷺ کبھی کھل کر ہنستے نہ تھے۔ چنانچہ حدیث میں ہے "کان جل ضحکته التبسم"[3] کہ آپ ﷺ کا ہنسنا یہ ہوتا تھا کہ تبسم

---

[1] تجدید تصوف و سلوک، ص: 39

[2] کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، کتاب الشمائل، باب فی حلیۃ ﷺ، رقم:18535

[3] شعب الایمان للبیہقی، فصل فی ادامۃ ذکر اللہ عزوجل، رقم:1362

toobaafoundation.com

فرمالیتے تھے۔(اور یہ بھی ہماری خاطر سے تاکہ لوگوں کا کلیجہ پھٹ نہ جائے اور وہ یوں نہ کہیں کہ جب حضور ﷺ ہر وقت غمگین رہتے ہیں تو ہمارا کہاں ٹھکانا ہے لوگ اس سے مایوس ہو جاتے) پس انسان کو چاہیے کہ یہ تصور پیشِ نظر رکھے کہ میں ہر وقت سفر میں ہوں بے چینی اور عدم اطمینان جس کے لوازم سے ہے کیونکہ مسافر کو منزل پر پہنچنے سے پہلے اطمینان نہیں ہوا کرتا بلکہ مسافر کے لیے غیر منزل کے ساتھ اطمینان اور رضا موانع سفر سے ہے۔ جو مسافر غیر منزل سے دل لگالے گا اور اسی میں قیام کرکے بے فکر ہو جائے گا یقینا منزل پر نہ پہنچ سکے گا تو آپ کو مسافر کی طرح فکر مند اور بے چین رہنا چاہیے۔ بے فکر نہ ہوں بلکہ برابر عمل میں لگے رہیے اور اپنی طرف سے راستہ قطع کرنے کی برابر ہمت کیجیے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی عنایات کا لطف دیکھیے کہ وہ کیونکر طویل مسافت کو قصیر اور دشوار گزار طریق کو پھولوں سے ہلکا بنا دیتے ہیں۔ اگر کبھی سستی ہو جائے تو پھر از سر نو تجدید کی فکر کیجیے۔ اگر گناہ ہو جائے فوراً توبہ کر لیجیے۔ اس سے پھر بندہ راستہ ہی پر آجاتا ہے۔"[1]

۲۔ مراقبہ عذابِ آخرت:۔

اس مراقبہ و شغل کی "انفاس عیسیٰ" میں مولانا تھانویؒ نے اس طرح تفصیل بیان کی ہے:

"عذابِ آخرت کا سوچنا تمام پریشانیوں سے نجات دینے والا ہے۔ اس سے کلفت اور کدورت نہیں ہوتی بلکہ اس فکر سے قلب میں نورانیت و انشراح ہوتا ہے جس کا راز یہ ہے کہ اس فکر سے قلب کو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور تعلق ہو جاتا ہے اور تعلق مع اللہ تمام پریشانیوں سے نجات دینے والا ہے۔ حدیث میں ہے:

''من جعل الهموم هما واحدا هم اٰخرة كفاه الله هم دنياه ومن تشتت الهموما احوال الدنيا لم يبال الله في اى اودية هلك الخ''[2]

جس نے تمام غموں کو ایک غم بنالیا اور وہ ہے آخرت کا غم تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیوی غموں میں کافی ہوگا اور جس نے مختلف غموں کو اپنے اوپر سوار کر لیا تو اللہ کو کوئی پرواہ نہیں کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوتا ہے۔[3]

---

[1] تھانوی، اشرف علی، مولانا، انفاس عیسیٰ، ایچ۔ ایم سعید کمپنی، کراچی، س۔ن، ص:82

[2] سنن ابن ماجہ، کتاب فی الایمان وفضائل الصحابۃ والعلم، باب الانتفاع بالعلم والعمل بہ، رقم:257

[3] انفاس عیسیٰ، ص:83؛ شریعت وطریقت، ص:283

toobaafoundation.com

۳۔ حقیقت تصورِ شیخ:۔

یہ وہ صوفیاء کا شغل و مراقبہ ہے جس کو مولانا تھانویؒ نے خطرناک قرار دیا ہے۔ اور اپنے متعلقین کو اس مراقبہ سے منع فرمایا۔ ساتھ ہی مولانا تھانویؒ نے "تصورِ شیخ" کی وضاحت ان الفاظ میں یوں بیان کی ہے:

"اس کو برزخ، رابطہ اور واسطہ بھی کہتے ہیں۔ اس کے یہ معنی تو آج تک کسی محقق نے نہیں فرمائے کہ خدا تعالیٰ کو پیر کی شکل میں سمجھے۔ یہ محض باطل ہے اگر "ان الله خلق اٰدم علیٰ صورته "[1] سے دھوکا ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ صورت ناک اور منہ ہی کو نہیں کہتے۔ مثلاً یہ بولتے ہیں اس مسئلہ کی یہ صورت ہے حالانکہ اس مسئلہ کی ناک و منہ نہیں ہے بلکہ صورت کے معنی صفت کے بھی آتے ہیں تو انسان کو آخر سمع و بصر وغیرہ عنایت ہوا ہے۔ اس لیے اس کو صورت حق کہا گیا۔ غرض یہ معنیٰ تصور شیخ کے بالکل بے اصل ہیں۔ کتب فن میں اس قدر مذکور ہے کہ شیخ کی صورت اور اس کے کمالات کے زیادہ تصور کرنے سے اس سے محبت ہو جاتی ہے اور نسبت قوی ہوتی ہے اور قوتِ نسبت سے طرح طرح کی برکات حاصل ہوتی ہیں اور بعض محققین نے تصورِ شیخ میں صرف یہ فائدہ فرمایا ہے کہ ایک خیال دوسرے خیال کا دافع ہوتا ہے۔ اس سے یکسوئی میسر ہو جاتی ہے خطرات دفع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ کلیم اللہ صاحبؒ نے کشکول میں یہی حکمت فرمائی ہے۔"[2]

اصل مقصود تصور حق تعالیٰ کا ہے مگر اللہ تعالیٰ چونکہ مرئی نہیں ہیں اس لیے جن لوگوں کی قوتِ فکریہ ضعیف ہوتی ہے ان کو یہ تصور جمتا نہیں۔ اس لیے ان کے ذہن میں خیالات بہت آتے ہیں ایسے لوگوں کو یکسوئی حاصل کرنے کے واسطے تصور شیخ تجویز کیا گیا کیونکہ علاج بالضد ہوتا ہے۔ یعنی خیال کے دفع کرنے کے لیے دوسرے خیال کو ذہن میں جمایا جائے گا خواہ وہ کوئی خیال ہو۔ پس ان خیالاتِ مختلفہ کے دفع کرنے کے واسطے ہر دیکھی ہوئی چیز کا تصور کافی ہے۔ جس پر بھی خیال جم سکے۔ لیکن ان سب خیالات میں سے شیخ کا تصور انفع ہے کہ وہ محبوب ہونے کی وجہ سے ذہن میں زیادہ جمے گا اس لیے دفع خیالات میں زیادہ مؤثر ہوگا۔[3]

---

[1] صحیح ابن حبان، کتاب الحظر والاباحۃ، رقم:5605

[2] تعلیم الدین، ص:112

[3] شریعت وطریقت، ص285

toobaafoundation.com

تصورِ شیخ مقصود بالذات نہیں:۔

”تصورِ شیخ کوئی بالذات مطلوب نہیں۔ صرف توجہ الیٰ اللہ کے وقت جو وساوس مجرد کا ہجوم ہوتا ہے وہ قطعِ وساوس کے لیے ہے اس سے یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر اس یکسوئی سے توجہ الیٰ اللہ کی استعداد ہو جاتی ہے۔ پھر اس استعداد کو مقصود میں صرف کرنا اور جب مقصود حاصل ہو جائے تو پھر ان ہیئات و قیود کی ضرورت نہیں رہتی۔

تصورِ شیخ کی مثال سے وضاحت:۔

اس کی مثال مکان میں جھاڑو دینے کی سی ہے۔ مکان کے صاف کرنے کی دو صورتیں ہیں:

ا۔ یہ کہ ایک ایک تنکا اٹھا کر باہر پھینکا جائے۔ اس میں جو کلفت ہے وہ ظاہر ہے۔

۲۔ یہ کہ سب تنکوں کو ایک جگہ جمع کیا جائے، جب سب مجتمع ہو جائیں تو سب کو اٹھا کر باہر پھینک دے۔ بس یہی دوسری صورت تصورِ شیخ کی ہے کہ سب تصورات کو ایک تصور میں جمع کر کے جب یکسوئی حاصل ہو جائے تو اس کو بھی ترک کر دیا جائے۔ تو وہ مقصود بالذات نہ ہوا۔ بلکہ مقصود بالغیر ہوا۔ اس لیے جب یہ غرض حاصل ہو جائے تو شیخ کا تصور بھی دل سے نکال دے، اور صرف ذاتِ حق کی طرف متوجہ ہو جائے۔ پھر احیاناً اگر خیالات آجائیں تو پھر شیخ کا تصور کرے جب خیالات دفع ہو جائیں۔ پھر ذاتِ حق کی طرف متوجہ ہو جائے کیونکہ مقصود حقیقتاً یہی ہے اور خود حق تعالیٰ کا براہِ راست تصور کر لے تو وہ بہتر ہے۔“[1]

تصورِ شیخ کے بارے میں مولانا تھانویؒ کی رائے:۔

مولانا تھانویؒ اس مراقبہ کے بارے میں اپنا تجربہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

"بہر حال اس میں جو کچھ حکمت اور فائدہ ہو، راقم (حضرت مجدد تھانویؒ) کا تجربہ ہے کہ یہ شغلِ خواص کو تو مفید ہوتا ہے اور عوام کو سخت مضر کہ صورت پرستی کی نوبت آجاتی ہے۔ اسی واسطے حضرت امام غزالیؒ وغیرہ محققین نے عوام اور اغبیاء کے لیے ایسے ایسے اشغال کی تعلیم سے منع فرمایا ہے جس سے کشف وغیرہ ہوتا ہو۔ اس لیے عوام کو تو بالکل اس سے بچنا چاہیے اور خواص بھی اگر کریں تو احتیاط کی حد تک محدود رکھیں۔ اس کو حاضر ناظر اور ہر وقت اپنا معین دستگیر نہ سمجھ لیں کیونکہ کثرت تصور سے

---

[1] شریعت وطریقت، ص:286

toobaafoundation.com

کبھی صورت مثالیہ روبرو حاضر ہو جاتی ہے۔ کبھی تو وہ محض خیال ہوتا ہے اور کبھی کوئی لطیفہ غیبی اس شکل میں متمثل ہو جاتا ہے اور شیخ کو اکثر اوقات خبر تک بھی نہیں ہوتی۔ اس مقام پر اکثر ناواقف کو لغزش ہو جاتی ہے۔[1]

(لہذا) مجھ کو اس (تصورِ شیخ) سے سخت انقباض ہے اس طرح انہماک کے ساتھ کسی مخلوق کی طرف توجہ کرنا توحید کے خلاف ہے اس سے غیرت آتی ہے کہ غیر کی صورت ایسے طریق پر ذہن میں جمالیں جو حق تعالیٰ کے لیے زیبا تھا۔[2]

۴۔ سماع:۔

سماع بھی صوفیاء کے ہاں مروج رہا ہے اور ہے۔ لیکن یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ اگر شرعی حدود کا خیال رکھتے ہوئے اس پر عمل ہو تو جائز ورنہ ناجائز ہے۔ خود علماء میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے چنانچہ اہلِ علم پر ظاہر ہے سو حضرات چشتیہؒ نے بھی علماء ہی کا ایک قول لے لیا ہے اور اس میں خاص قیود لگا دی ہیں۔ جس سے اس میں کسی قسم کا مفسد نہیں رہا پھر باوجود اس کے کسی نے اس کو جزو طریق نہیں کہا اور طالبوں کو اس کا حکم نہیں دیا جس طرح ذکر و شغل کا حکم دیتے تھے البتہ بعض ضرورتوں اور مصلحتوں سے خود سنا ہے۔

اس مقام پر بہتر معلوم ہوتا ہے کہ بعض مختصر ملفوظات حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ کے نقل کر دیئے جائیں:

۱۔ فرمایا: سماع کی چار قسمیں ہیں: حلال، حرام، مکروہ اور مباح (خلافِ اولیٰ)۔ اگر صاحبِ وجد کا میل خاطر حقیقت کی طرف زیادہ ہو تب تو حلال (مباح) ہے اور اگر مجاز کی طرف زیادہ ہے تو مکروہ ہے اور اگر بالکل حقیقت ہی کی طرف۔ تب حلال ہے اور اگر بالکل مجاز ہی کا دھیان ہے تب حرام ہے۔

۲۔ فرمایا: سماع کے واسطے تین باتیں درکار ہیں۔ زمان، مکان اخوان (الی اللہ) سماع کے واسطے کئی باتیں درکار ہیں۔ جب یہ موجود ہوں اس وقت سماع سنے۔ مسمع۔ مستمع۔ مسموع۔ آلہ سماع۔ مسمع یعنی گانے والا پورا مرد ہو۔ لڑکا یا عورت نہ ہو۔ مستمع سننے والا یادِ حق میں مشغول ہو۔ مسموع (یعنی گانا فحش اور کسی کی ہجو نہ ہو۔ آلہ سماع یعنی (مزامیر وغیرہ) نہ ہو۔ تب یہ سماع سننا مباح ہے۔[3]

---

[1] تعلیم الدین، ص:113

[2] شریعت وطریقت ص:286

[3] السنۃ الجلیۃ فی الچشتیۃ العلیۃ، ص:85-86

toobaafoundation.com

سماع کے بارے میں امام غزالیؒ کی رائے:۔

امام غزالیؒ نے اپنی مشہور کتاب "احیاء علوم الدین" میں "کتاب آداب السماع والوجد "کے عنوان سے سماع کی حقیقت، ارکان اور شرائط کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی ہے۔ایک مقام پر امام غزالی سماع کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اوالسماع من جملة المباحات من حيث انه سماع صوت طيب موزون مفهوم و انما تحريمه لعارضٍ خارجٍ عن حقيقته ذاته، فاذا انكشف الغطاء عن دليل الاباحة فلا نبالي بمن يخالف بعد ظهور الدليل۔[1]

ترجمہ: یعنی سماع اپنی ذات کے اعتبار سے مباح چیزوں میں سے ہے اس اعتبار سے کہ یہ ایک اچھی باوزن اور سمجھ میں آنے والی آواز کا سننا ہے۔ یہاں تک کہ سماع کی حرمت کی بات ہے تو وہ ایک حقیقی خارجی عارض کی وجہ سے ہوتی ہے۔ تو جب سماع کی دلیل اباحت سے پردہ ہٹ گیا تو دلیل کے ظہور کے بعد جو لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں ہمیں ان کی پرواہ نہیں ہے۔

سماع کے بارے میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کی رائے:۔

مفتی محمد شفیعؒ نے مولانا تھانویؒ کی کتاب "مقالات صوفیہ "کا ترجمہ کیا ہے۔ سماع کے عنوان کے تحت انہوں نے مولانا تھانویؒ کی رائے ذکر کی ہے۔جو کہ درج ذیل ہے:

"بڑی بات سماع کے بارے میں قابل ذکر یہ ہے کہ تصوف کے سلاسل اربعہ میں سے کسی اہل طریق نے "سماع" کا معمولات کے طور پر کسی کو امر نہیں فرمایا۔ حالانکہ معمولات مشائخ میں بہت سے وہ اشغال بھی ہیں جو تجربہ سے نافع ہونے کی بناء پر دوا کے درجہ میں جوگیوں سے لے لیے گئے ہیں، جیسے حبس دم وغیرہ۔۔۔ الغرض اگر سماع کو بطور عادت نافع اور مقصود سمجھا جاتا تو جس طرح دوسرے نافع اشغال واوراد کی تعلیم دی جاتی ہے اسی طرح اس کی بھی تعلیم ہوتی۔"[2]

---

[1] الغزالی، محمد بن محمد، ابو حامد، احیاء علوم الدین، دارالمعرفۃ، بیروت، س۔ن، 2/284۔283

[2] تھانوی، اشرف علی، مولانا، مقالاتِ صوفیہ، مترجم: مفتی محمد شفیع، دارالاشاعت، کراچی، س۔ن، ص:55

toobaafoundation.com

احوال صوفیاء:۔

بعض اوقات صوفیاء پر ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ ایک خاص حالت میں چلے جاتے ہیں۔ان ہی احوال کو اصطلاح تصوف میں ’’احوال‘‘ کہتے ہیں۔صوفیاء کے ان احوال میں سے درج ذیل احوال کا مختصراً تذکرہ پیش کیا جاتا ہے:

i. کشف والہام

ii. کرامات

iii. وجد

iv. استغراق

v. سکر

i۔ کشف والہام:۔

مولانا تھانویؒ نے "تعلیم الدین" میں کشف والہام کی حقیقت اس طرح بیان کی ہے:

’’کہ یہ علم ظنی ہے اور اگر یہ قواعد شرعیہ کے موافق ہو تو یہ قابل قبول ہے۔کشف والہام سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے اگر موافق قواعد شرعیہ کے ہے، قابل قبول ہو گا،ورنہ واجب الترک ہے اور اگر قواعد شرعیہ کے خلاف نہ ہو لیکن خود کشف کشف میں باہم اختلاف ہوا تو اگر وہ دونوں کشف ایک شخص کے ہیں تب تو اخیر کشف پر اعتماد ہو گا اور اگر وہ دونوں کشف دو شخصوں کے ہیں تو صاحب صحو کا کشف بہ نسبت صاحب سکر کے قابل عمل ہے اور اگر دونوں صاحب صحو ہیں تو جس کا کشف اکثر شرع کے موافق ہوتا ہو وہ قابل اعتبار ہے اور اگر اس میں بھی دونوں برابر ہیں تو جس شخص میں آثار قرب الٰہی و قبولیت کے زیادہ پائے جائیں اس کے کشف کو ترجیح ہو گی اور اگر اس میں بھی برابر ہیں تو جس کو اپنا دل قبول کرے اس پر عمل جائز ہے اور اگر ایک کشف ایک شخص کا دوسرا کشف کئی شخصوں کا ہو تو جماعت کے کشف کو قوت ہو گی البتہ اگر وہ تنہا سب سے اکمل ہے تو اس کے کشف کو ترجیح ہو گی۔[1]

[1] تعلیم الدین، ص:129

toobaafoundation.com

ii۔ کرامات وخوارق:۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے" کرامات الاولیاء حق "لیکن یہ کسی کے بزرگ ہونے کی علامت نہیں ہے۔ بلکہ بعض لوگوں نے تو کرامات کو" حیض الرجال "قرار دیا ہے۔ مولانا تھانویؒ کرامات کی حقیقت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"خوارق کا ہونا ولایت کے لیے ضروری نہیں۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنھم سے عمر بھر میں ایک خرق عادت بھی واقع نہیں ہوا۔ حالانکہ وہ سب اولیاء سے افضل ہیں۔ فضیلت کا مدار قرب الٰہی و اخلاص عبادت پر ہے خوارق اکثر جوگیوں سے بھی واقع ہوتے ہیں۔ یہ ثمرہ ریاضت کا ہے۔ خرق عادت کا رتبہ ذکر قلبی سے بھی کم ہے۔ صاحب عوارف نے غیر اہل خرق کو اہل خوارق سے افضل کہا ہے۔ عارفین کی بڑی کرامت یہ ہے کہ شریعت پر مستقیم ہوں اور بڑا کشف یہ ہے کہ طالبان حق کی استعداد معلوم کر کے اس کے موافق ان کی تربیت کریں۔

شیخ اکبر کے نزدیک کرامات وخوارق:۔

شیخ اکبر نے لکھا ہے کہ بعض اہلِ کرامت نے مرنے کے وقت تمنا کی ہے کہ کاش ہم سے کرامتیں ظاہر نہ ہوتیں۔ رہا یہ شبہ کہ پھر اولیاء کا اولیاء ہونا کس طرح معلوم ہو سو اول تو ولایت ایک امر خفی ہے اس کے معلوم ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے اور اگر معلوم کرنے یہ مقصود ہے کہ ہم ان سے مستفید ہوں تو ان کی صحبت و تعلیم سے شرف حاصل کرو۔ جب اپنی حالت روز بروز متغیر پاؤ گے خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ یہ شخص صاحب تاثیر ہے۔[1]

iii۔ وجد کی اصل:۔

وجد بھی صوفیاء کے احوال میں سے ہے۔ مولانا تھانویؒ اس کا مفہوم اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کیفیت قلب پر وارد ہو اور اس کو اس کی حالت سے بدل ڈالے جیسا حزن و سرور۔ یہ وجد کہلاتا ہے اور اگر صاحبِ وجد کو بے خود کر دے۔ اس کو وجود کہتے ہیں اور اگر خود تغیر نہ ہو مگر سالک تغیر پیدا کرنے کا قصد کرے۔ اس کو تواجد کہتے ہیں اور پھر ترتیب اس کے مراتب کی یہ ہے کہ قصود، پھر ورود، پھر شہود پھر وجود پھر خمود جیسے کسی دریا پر

---

[1] تعلیم الدین، ص:130

toobaafoundation.com

آنے کا ارادہ کیا۔ پھر اس پر آ پہنچا۔ پھر اس کو دیکھا۔ پھر سوار ہوا، پھر اس میں ڈوب گیا اور مر گیا۔ البتہ تواجد اگر بقصدِ ریا ہو، تو گناہ ہے۔"[1]

وجد کی اصل:۔

مولانا تھانویؒ درج ذیل حدیث کو اس کی اصل قرار دیتے ہیں:

حدیث: "انی احب ان اسمعه من غیری فقراءت علیه۔ وفیه فاذا عیناہ تذرفان"[2]

ترجمہ: یہ کہ میں پسند کرتا ہوں کہ میں اپنے علاوہ کسی اور سے (قرآن) سنوں تو میں نے آپؐ کو پڑھ کے سنایا۔ اور اسی روایت میں ہے کہ (تلاوت سن کر) آپؐ کی آنکھیں برس رہی تھیں۔

"کسی حالت محمودہ غریبہ کا غلبہ اصطلاح میں وجد کہلاتا ہے، تذرفان سے اس کی اصل ثابت ہوتی ہے۔ ان احادیث میں کاملین کا وجد مذکور ہے اور قرآن مجید میں اس کا تذکرہ ہے اور غشی و صعق جس کو عوام وجد سمجھتے ہیں۔ وہ وجد کی متوسط درجہ کی قسم ہے۔ جو سلف میں کم پائی جاتی ہے۔ سلف کو بوجہ قوت تحمل کے اس درجہ کا وجد کم ہوتا تھا لیکن احیاناً ہونے سے انکار نہیں ہو سکتا۔"[3]

iv۔ استغراق:۔

استغراق کی حقیقت کے بارے میں مولانا تھانویؒ نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اثر ذکر کیا ہے:

"لوگوں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ لڑکی (آپ کی صاحبزادی کی طرف اشارہ کر کے جو آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جارہی تھیں) آپ کی ہے تو آپ بہت غور سے دیکھ کر فرماتے ہیں کہ ہاں گھر والے کہتے تو تھے کہ یہ میری لڑکی ہے یعنی یہ بھی یاد نہیں رہا کہ یہ میری لڑکی ہے گھر والوں کے قول سے استدلال کیا۔"[4]

---

[1] ایضاً، ص:91

[2] صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب سورۃ النساء، رقم:4582

[3] شریعت وطریقت، ص:308

[4] طریق القلندر، ص:39

toobaafoundation.com

مولانا تھانویؒ اس کی وضاحت مزید ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"کیفیتِ استغراقیہ جو حضرات صوفیہ سے متوسطین کو حاصل ہوتی ہے کوئی بڑا کمال نہیں ہے۔ جیسا کہ عام لوگ سمجھ رہے ہیں۔ اگر استغراق بڑا مرتبہ ہوتا تو نبی کریم ﷺ سے یہ ارشاد صادر نہ ہوتا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ نماز کو طول دوں۔ مگر نماز میں کسی بچہ کی آواز سن کر تخفیف کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں پریشان نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت آپ کو استغراق نہ ہوتا تھا۔ البتہ محمود ضرور ہے۔ شرط یہ ہے کہ اس میں شرعی عذر نہ ہو۔"[1]

V۔ سکر:۔

سکر بھی احوال صوفیاء میں سے ایک حال ہے مولانا تھانویؒ نے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

سکر کی تعریف:۔

"وارِدِ غیبی کے ظاہری و باطنی احکام میں امتیاز کا اٹھ جانا سکر ہے اور اس امتیاز کا عود کر آنا صحو ہے"۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"قال جبرئیل یا محمد لو رأیتنی وانا اٰخذ من وحال البحر وادسه فی فیه مخافة ان تدرکه الرحمة "[3]

ترجمہ: حضرت جبرئیل علیہ السلام فرماتے ہیں: اے محمدؐ! اگر آپ مجھ کو اس وقت دیکھتے تو تعجب فرماتے کہ میں دریا کی کیچڑ لے کر فرعون کے منہ میں ٹھونستا تھا، اس اندیشہ سے کہ اس کو رحمت الٰہیہ نہ پالے۔

"بعض کاملین (پر بھی غلبہ حال ہوتا ہے۔ جس میں وہ معذور ہوتے ہیں۔ مگر) ان کو غلبہ حال ایسا نہیں ہوتا کہ مسلوب الحواس ہو جائیں بلکہ ان کے حواس غلبہ حال میں بھی درست رہتے ہیں اور ذرا سے محرک سے حالتِ سکر مبدل بصحو ہو جاتی ہے۔ مگر اس حالتِ (سکر) کے اقوال (واعمال) میں ان کی تقلید نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ باتیں غلبہ حال اور درجہ معذوری میں کرتے ہیں اور معذوری کی حالت کا اتباع نہیں ہو سکتا صاحب حالِ صادق پر جب تک عذر غالب نہیں ہوتا بہت ضبط سے کام لیتا

---

[1] شریعت وطریقت، ص:314

[2] شریعت وطریقت، ص:317

[3] سنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب سورۃ یونس، رقم:3107 وقال: حسن۔

toobaafoundation.com

ہے۔ جب ضبط کی طاقت نہیں رہتی اور اختیار سلب ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس سے ایسی حرکات اور ایسے اقوال شطحیہ صادر ہونے لگتے ہیں۔"[1]

مولانا تھانویؒ "التکشف عن مھمات التصوف" میں اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

"حالت صحو میں ضبط واجب ہے اور ایسی حالت میں اخفاء حال میں کوشش کرو۔ کیونکہ اہل زمانہ فتنہ انگیز ہیں اور ایسے امور میں فتنہ برپا کرتے ہیں اور لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا یا خود فتنہ میں پڑنا درست نہیں اور زمانہ سکر میں جو کچھ اظہار اسرار ہو گیا ہے۔ اب اشک ندامت سے سکر کے اس دھبہ کو خرقہ وجود سے دھونا چاہیے۔ یعنی اس سے عذر اور توبہ چاہیے۔ کیونکہ صحو میں ورع و تقویٰ واجب ہے۔ اور مافات کی تلافی لوازم تقویٰ سے ہے اور رہا یہ کہ سکر میں تو گناہ ہوا ہی نہ تھا۔ پھر توبہ کی کیا ضرورت ہے۔ اس کی توجیہہ یہ ہے کہ بعض اوقات تو سکر بھی ناقص ہوتا ہے جس میں من کل الوجوہ معذور نہیں ہوتا۔ یعنی اختیار رہتا ہے مگر نا تمام جس میں ضبط متعذر (ناممکن) نہیں۔ بلکہ متعسر (مشکل) ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت گناہ لکھا جانا گناہ بعید نہیں اور اگر سکر تمام بھی ہو تب بھی فی نفسہ تو کلمات غیر مشروعہ قبیح ہیں۔ اس کا قبح (برا ہونا) مقتضی معذرت ہے۔ جیسا بلا اختیار کسی بزرگ کو اپنی ٹھوکر لگ جائے۔ تو اطلاع ہونے پر کس قدر شرماتا ہے اور معذرت کرتا ہے۔ تیسرے اس لیے کہ خلق ضلالت سے محفوظ رہے۔ جیسا حضرت بایزید بسطامیؒ جب صحو میں آتے اور سنتے کہ میں نے حالت سکر میں سبحانی ما اعظم شانی کہا تھا تو فرماتے: لو قلت سبحانی ما اعظم شانی فانا مجوسی فاقطع زناری واقول اشھد ان لا الہ الا اللہ یعنی اگر میں نے سبحانی الخ کہا ہے تو میں مجوسی ہو گیا کہ میں زنار توڑتا ہوں اور اشھد الخ پڑھتا ہوں۔"[2]

سکر کے بارے میں مولانا تھانویؒ کی رائے:۔

"حتی الامکان حالات باطنی کا ضبط چاہیے کہ نا اہلوں سے یا متکلم کو ضرر ہو گا یا خود ان کو انکار کا ضرر ہو گا یا ان کے انکار سے خالی الذہن لوگوں کو مخالفت اہل حال کا ضرر ہو گا یا ان نا اہل نافہموں میں بعض معتقد ظاہر پر محمول کر کے اپنا دین خراب کریں گے تو ایسی حالت بے اختیاری یعنی سکر کی باتیں قابلِ تقلید نہیں مگر ان پر انکار بھی نہ کرنا چاہیے۔"[3]

---

[1] شریعت وطریقت، ص:318

[2] التکشف عن مھمات التصوف، ص:233

[3] شریعت وطریقت، ص:319

toobaafoundation.com

خلاصہ بحث:۔

صوفیاء کے اشغال واحوال تصوف کی اصل نہیں ہیں۔ اور نہ ہی یہ "مقصود بالذات" ہیں۔ بعض صوفیاء نے ایسے اشغال اس لیے اختیار کیے کہ ان کے تجربات کی بناء پر یہ وقتی طور پر کسی وہم ووسوسہ کو دور کرنے کے لیے معاون ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ایسے اشغال مفضی الی المعصیت ہوں تو وہ واجب الترک ہیں، جس طرح موجودہ دور میں سماع کی حقیقت کو بھلا دیا گیا ہے اور اس حوالے سے متقدمین صوفیاء کی مقرر کردہ شرائط کا لحاظ نہیں رکھا جارہا ہے۔ مولانا تھانویؒ نے بھی سماع کے بارے میں یہی کہا ہے کہ اگر یہ "تصوف" کا باقاعدہ جزو ہوتا تو صوفیاء باقاعدہ اس کو اپنے معمولات میں لاتے یا اپنے مریدین کو اس کا باقاعدہ حکم دیتے۔ جب کہ یہ بات صوفیاء کی سیرت میں نظر نہیں آتی ہے۔

اسی طرح صوفیاء کے احوال بھی مقصود بالذات نہیں ہیں اور نہ ہی مولانا تھانویؒ کے بقول ان احوال کے حصول کے لیے کوشش کی ضرورت ہے۔ بلکہ تصوف میں اصل مقصود تو شریعت پر عمل ہے۔ اگر یہ عمل ان اشغال واحوال کے بغیر بھی کسی کو حاصل ہے تو یہی سب سے بڑی نعمت ہے۔

toobaafoundation.com

فصل سوم

دفاع صوفیاء و شطحیات صوفیاء کے بارے میں مولانا تھانویؒ کی عادلانہ تنقیدات

toobaafoundation.com

فصل سوم

دفاعِ صوفیاء و شطحیاتِ صوفیاء کے بارے میں مولانا تھانویؒ کی عادلانہ تنقیدات

شطحیاتِ صوفیاء:-

تصوف اور اہلِ تصوف کی تاریخ کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو صوفیاء نے اپنی تصنیفات میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ تصوف "کمالِ دین" کا نام ہے اور دنیا و آخرت کی بہتری اور فلاح کے لیے ضروری ہے۔ لیکن تصوف کو بہت سارے جاہل اور نام نہاد متصوفین نے بدنام کیا ہے۔ جس کے نتیجے میں بہت سارے لوگ ان کی وجہ سے تصوف ہی سے متنفر ہو گئے ہیں۔ اسی طرح تصوف کے میدان میں بعض اکابر صوفیاء کی بے جا بدنامیوں نے بھی تصوف کے حوالے سے بہت سارے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ لیکن مولانا تھانویؒ کے نزدیک ان اکابر صوفیاء کی بدنامی اور ان کو بدنام کرنے میں لوگوں نے خطا کھائی ہے۔ اس لیے جب ہم ان کی تعلیمات و کتب کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان میں وہ باتیں نظر نہیں آتیں جو ان کے بارے میں زبان زدِ عام ہیں۔

لہٰذا مولانا تھانویؒ نے ان اکابر صوفیاء پر جو تنقید کی گئی ہے اس کا عادلانہ جائزہ لیا ہے اور ان صوفیاء سے خاص احوال میں جو خلافِ شرع اقوال (شطحیات) ان کی زبانوں سے نکلے ہیں، ان شطحیات صوفیاء کی بھی مولانا تھانویؒ نے خاص توجیہات کی ہیں۔ اس فصل میں مذکورہ بالا ان پہلوؤں کے حوالے سے مولانا تھانویؒ کی خدماتِ تصوف کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

شطح کی تعریف:-

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں شطحیات (شطح) کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"ادب تصوف میں شطحات یا شطحیات ان خاص کلمات یا اقوال کو کہتے ہیں جو عالم سکر یا فنا یا ذوق و مستی کی حالت میں مغلوب الحال صوفی کی زبان سے نکلتے ہیں۔" [1]

مولانا تھانویؒ نے شطحیات کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

[1] اردو دائرہ معارف الاسلامیہ، 11/ 728؛ لون، غلام قادر، ڈاکٹر، مطالعہ تصوف قرآن وحدیث کی روشنی میں، امن پبلی کیشنز، لاہور، 2010ء، ص:309

toobaafoundation.com

"بے اختیاری کی حالت میں جو غلبہ وارد کی وجہ سے ظاہری قواعد کے خلاف کوئی بات منہ سے نکل جائے وہ شطح ہے، اس شخص پر نہ تو گناہ ہے اور نہ اس کی تقلید جائز ہے۔" [1]

شطحیاتِ صوفیاء:۔

حدیث: "عن الحارث بن سوید قال: حدثنا عبداللہ بن مسعود قال: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: اللہ افرح بتوبة عبده المؤمن من رجل نزل فی ارض دوية "الی قوله" فأذا راحلته عنده عليها زاده وشرابه "ثم قال: اللهم انت عبدی وانا ربک اخطأ من شدة الفرح" [2]

ترجمہ: حارث بن سوید سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے عبداللہ بن مسعود نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہتے ہوئے سنا فرماتے تھے: اللہ تعالیٰ اپنے ایمان والے بندے کے توبہ کرنے پر اس شخص سے زیادہ خوش ہوتا ہے جو کسی چٹیل میدان میں پہنچ کر قیام کرے (اور سو کر جو اٹھے تو اپنی سواری کا اونٹ نہ پاوے اور نہایت پریشان ہو، یہاں تک کہ بعد تلاش کے مایوس ہو کر مرنے کے لیے آمادہ ہو کر اپنے مقام پر آلیٹے اور اس میں آنکھ لگ جاوے) پھر آنکھ کھلنے کے بعد اچانک دیکھتا ہے کہ اس کی سواری کا جانور اس کے پاس کھڑا ہے اور اس پر اس کا سامان خورد و نوش موجود ہے پس (جوش و خوشی میں) اس کے منہ سے یہ نکلا کہ اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں، مارے خوشی کے بچل گیا۔

اس حدیث سے مولانا تھانویؒ نے یہ ثابت کیا ہے کہ اگر غلبہ حال کی وجہ سے کسی سے ایسے کلمات صادر ہو جائیں جو شطحیات کی قبیل سے ہیں تو اس پر مواخذہ نہیں ہو گا۔ "بعض اہل حال سے غلبہ حال میں ایسے کلمات صادر ہو جاتے ہیں، جو شریعت پر منطبق نہیں ہوتے، اس حدیث میں اس کا حال اس کی نظیر سے معتبر ہونا نیز اس پر مواخذہ نہ ہونا ثابت ہوتا ہے: کیوں کہ اس کے نقل کے بعد اس پر انکار نہیں فرمایا گیا۔" [3]

ابن منصور حلاج نے "انا الحق" اپنے کو مٹانے کے لیے کہا:۔

مولانا تھانویؒ نے ابن منصور حلاج کی اس شطح "انا الحق" کے بارے میں مولانا رومؒ کے حوالے سے اس کی توجیہہ یوں کی ہے:

---

[1] شریعت وطریقت، ص:321

[2] سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب استعظام المومن ذنوبہ، رقم:2497؛ الجامع الصحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب التوبۃ، رقم:6308

[3] التکشف عن مہمات التصوف، ص:497

toobaafoundation.com

"کسی بزرگ نے حضرت حق سے ناز کر کے پوچھا تھا کہ اے اللہ! فرعون نے "انا ربکم الاعلیٰ"(میں تمہارا بڑا رب ہوں) کہا اور منصور نے "انا الحق"(میں حق ہوں) کہا دونوں کا ایک ہی مدلول ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ایک مردود ہوا دوسرا مقبول۔ جواب ارشاد ہوا کہ فرعون نے "انا ربکم الاعلیٰ" ہمارے مٹانے کو کہا تھا اس لیے ملعون ہوا اور ابن منصور نے "انا الحق" اپنے مٹانے کو کہا اس لیے مقبول ہوا۔ اسی مضمون کو مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

؎ گفت فرعونے انا الحق گشت پست　　گفت منصورےؒ انا الحق گشت مست

رحمۃ اللہ ایں　　انا را در وفا　　لعنۃ اللہ آں　　انا را در قفا

ابن منصورؒ کے انا الحق کے معنی یہ تھے کہ انا کوئی شے نہیں جس کو انا کہا جاتا ہے وہ بھی حق ہے اور فرعون کے انا الحق کے معنی یہ ہیں کہ حق جس کو کہا جاتا ہے وہ انا ہی ہے سوائے میرے کوئی نہیں۔"[1]

مولانا رومؒ کی "انا الحق" کی توجیہہ:۔

اولیاء یا بزرگوں سے اگر کوئی بات شریعت کے خلاف ظاہر ہو تو چونکہ وہ صاحبِ احوال ہیں یعنی ان کی حالت تمکین کی نہیں کبھی کسی حال میں اور کبھی کسی حال میں ہوتے ہیں۔ زیادہ تر غلبہ حال کی معذوری ہی ان صوفیاء سے بعض بظاہر خلاف ادب اقوال وافعال کے صدور کا سبب بنتی ہے۔ مولانا رومؒ نے صوفیاء اور خاص طور پر "ابن منصور" کے بارے میں اپنی یہ رائے دی ہے:

"مولانا روم نے بھی اس غلبہ حال ہی کو منصور کے انا الحق کا عذر قرار دیا ہے جس کو مستی یا غلبہ وفا (یعنی عشق ومحبت) سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور اپنے ملفوظات "فیہ مافیہ" میں اس غلبہ حال واستغراق کی عجیب توجیہہ فرمائی ہے کہ انا الحق میں انا العبد سے بھی زیادہ تواضع وتذلل ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

"استغراق آن باشد کہ او در میان نباشد، او را جہد نماند و حرکت نماند غرق آب باشد ہر فعل کہ از و آید آن فعل او نباشد فعل آب باشد۔ اگر ہنوز در آب دست و پا زند آن را غرق نگویند بانگے می زند کہ آہ غرق شدم این را نیز استغراق بگویند۔ آخر این انا الحق گفتن منصور ہم ازین معنی است مردم پندارند کہ دعویٰ بزرگ است۔ انا العبد گفتن دعوی بزرگ است انا الحق عظیم تواضع است۔ آنکہ می گوید کہ من عبد خدا ایم وہستی اثبات می کند یکے خود را

[1] معارف اشرفیہ، ص:29-30

toobaafoundation.com

ویکے خدارااما آنکہ اناالحق گوید خودراعدم کرددبباددادمی گوید کہ من نیستم ہمہ اوست جزخدا ہستی نیست من بکلی عدم محضم وہیچم تواضع درین جابیشتراست۔این ست کہ مردم فہم نمی کنند۔"[1]

ترجمہ: یعنی پانی میں پوری طرح غرق ہوجانا یہ ہے کہ آدمی میں اپنے ارادہ کی کوئی حرکت باقی نہ رہے جو حرکت بھی ہو وہ پانی کا فعل ہو۔حتیٰ کہ جب تک وہ ہاتھ پاؤں ماررہاہے یایہ شور مچارہاہے کہ میں ڈوبا،اس وقت تک وہ ڈوبا نہیں(استغراق کامل نہیں)اور منصور کے "اناالحق" کا منشاء استغراق کامل ہی تھا۔لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ کوئی بڑادعوی ہے۔حالانکہ بڑادعوی "اناالعبد" کہنا ہے کیونکہ اس میں خدا کے ساتھ اپنی یاعبد کی ہستی کا بھی دعوی ہے،اور اناالحق کے معنی یہ ہیں کہ میں کچھ نہیں ہوں عدم محض ہوں،وجود صرف خدا ہی کا ہے۔اس میں تواضع زیادہ ہے۔بس یہ بات ہے کہ لوگ اس کو سمجھتے نہیں۔"

حسین بن منصور نے خدائی کا دعوی نہیں کیا:۔

مولانا تھانویؒ کے سامنے جب ایک مرید نے مرزاغلام احمد قادیانی کے بارے میں کہا کہ اس کو شرم بھی نہ آئی ،نبوت کا دعویٰ کرکے اپنی عاقبت خراب کرلی۔تو مولانا تھانویؒ نے اس کے جواب میں کہا:

" ایک مولوی صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت غلام احمد قادیانی کو نبوت کا دعویٰ کرتے ہوئے ذرا بھی تو خیال نہیں ہوا کہ میری عاقبت خراب ہوگی خداکو کیامنہ دکھلاؤں گا فرمایا کہ آپ تو نبوت کے دعوے پر اس قدر تعجب کررہے ہیں لوگوں نے خدائی کے دعوے کئے ہیں مگر حسین بن منصور پر شبہ نہ کیا جائے کہ انہوں نے اناالحق میں خدائی کا دعویٰ کیا کیونکہ ان پر ایک حالت تھی ورنہ وہ عبدیت کے بھی معترف تھے چنانچہ وہ نماز بھی پڑھتے تھے کسی نے پوچھا جب تم خدا ہو نماز کس کی پڑھتے ہو؟جواب دیا کہ میری دو حیثیتیں ہیں ایک ظاہر اور ایک باطن۔میرا ظاہر میرے باطن کو سجدہ کرتا ہے یہ بھی رمز غامض ہے۔"[2]

شطحیاتِ صوفیاء کے بارے میں شیخ اکبرؒ کا قولِ فیصل:۔

شیخِ اکبر ابن عربیؒ نے صوفیاء کی "فتوحات" میں دواقسام ذکر کی ہیں۔ایک تو کتاب وسنت کے عارف ہیں اور

دوسرے وہ صوفیاء ہیں جو صاحبِ احوال ہیں۔اگر ان سے خلاف ظاہر کوئی قول سرزد ہو توجس پر حد شرعی لگتی ہو اس پر حد شرعی قائم کی جائے گی۔مولانا عبدالباری "تجدید تصوف وسلوک" میں اس حوالے سے لکھتے ہیں:

---

[1] تجدید تصوف وسلوک،ص:375-377

[2] الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ،1/243

toobaafoundation.com

"مشائخ صوفیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک جو کتاب و سنت کے عارف ہیں، ظاہر میں کتاب و سنت کے موافق باتیں کرتے ہیں اور باطن میں کتاب و سنت سے رنگے ہوتے ہیں۔ اللہ کے حدود کی نگہبانی کرتے، اس کے عہد کو پورا کرتے، احکام شرع کی پابندی کرتے ہیں، امت پر شفقت کرتے ہیں۔ کسی گناہ گار کو حقیر و ذلیل نہیں کرتے۔ اللہ کو جو مبغوض ہے، اس سے بغض رکھتے ہیں۔ اللہ کے راستہ میں کسی ملامت کی پروا نہیں کرتے، اچھی باتوں کا امر کرتے ہیں، اور متفق علیہ منکر سے منع کرتے ہیں۔ یہ حضرات وہ ہیں جن کا اقتداء کیا جاتا ہے، ان کا احترام واجب ہے۔ یہی ہیں جن کی صورت دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے۔

اور دوسری قسم کے وہ مشائخ ہیں جو صاحبِ احوال ہیں، ان کی حالت بدلتی رہتی ہے۔ ظاہر میں ان کے اندر (شریعت کا وہ) تحفظ نہیں (جو پہلی قسم کے مشائخ میں ہوتا ہے، نہ وہ احتیاط ہے، جو ان میں ہوتی ہے) ان کے احوال کو تو تسلیم کر لیا جائے، مگر ان کی صحبت نہ اختیار کی جائے اگر ان سے کچھ کرامات بھی ظاہر ہوں تو ان پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے جب کہ ان کے اندر شریعت کے ساتھ کے ساتھ سوء ادب موجود ہے۔ کیونکہ ہمارے لیے اللہ تک پہونچنے کا راستہ اس راستہ کے سوا کوئی نہیں جو اللہ تعالیٰ نے شریعت میں مقرر فرما دیا ہے، تو جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اللہ تک پہنچنے کا راستہ شریعت کے خلاف بھی ہو سکتا ہے، اس کا قول غلط اور جھوٹ ہے۔ بس جس شخص میں (شریعت کا) ادب نہ ہو اس کی اقتداء نہ کی جائے گی اگرچہ وہ اپنے حال میں سچا ہو، اس کا احترام کیا جائے گا۔

بس اس تقسیم کی رو سے قول فیصل یہی ہے کہ حضرت منصور کا شمار قسم ثانی کے مشائخ میں کیا جائے، جیسا کہ فتوحات ہی کے ایک دوسرے باب کرامات میں ارشاد ہے کہ "جس طرح رسول کے ذمہ معجزات و کرامات کا اظہار واجب ہے، کیونکہ وہ (رسالت و نبوت کا) مدعی ہے اسی طرح ولی کے ذمہ کرامات کا اخفا واجب ہے۔ کیونکہ وہ مدعی نہیں، نہ اس کو دعویٰ کرنا جائز ہے کیونکہ وہ صاحب تشریع نہیں۔۔۔ اور یہ ولی اگر کسی وقت شریعت کے مقرر کردہ میزان سے باہر قدم نکالے تو اگر وہ عاقل و مکلف ہے (مغلوب الحال نہیں) تو اس کے حال کو تسلیم کیا جائے گا، کیونکہ اس کے متعلق نفس الامر میں احتمال ہے کہ (قوی عذرات سے اس کے حق میں شریعت کی مخالفت مضر نہ ہو) اور وہ احتمال بھی (بے اصل نہیں بلکہ میزان شرع میں موجود ہے"۔

"لیکن اگر اس سے کسی ایسے امر کا صدور ہو جس پر ظاہر شرع میں حد واجب ہوتی ہے اور حاکم کے نزدیک ثبوت بھی ہو گیا، تو اس پر حد قائم کی جائے گی، اور وہ احتمال حدود سے نہ بچائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کے بارے میں فرمایا ہے (کہ تم جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا) یہ نہیں فرمایا کہ میں نے تم سے دنیا میں حدود بھی ساقط کر دیں (تو اگر فرض کر لیا

toobaafoundation.com

جائے کوئی اہل بدر کی طرح مغفور ہو گیا ہے سو ممکن ہے کہ آخرت میں اس سے مواخذہ نہ ہو لیکن دنیا میں جب تک وہ حد تکلیف کے اندر ہے ضرور مواخذہ کیا جائے گا)

"بس احکام ظاہر میں جو حاکم اس ولی پر حد جاری کرے گا ثواب کا مستحق ہو گا" جیسے (منصور حلاج اور ان جیسے دوسرے)"[1]

شطحیاتِ صوفیاء کے بارے میں مولانا تھانویؒ کی رائے:۔

اس حوالے سے مولانا تھانویؒ نے حضرت عبد القدوسؒ کا ایک مکتوب ذکر کیا ہے۔ جس میں انہوں نے کہا ہے کہ :

"غلبہ حال میں مشائخ سے جو اقوال وارشادات ظاہر ہوئے ہیں ان کا تعلق انہیں کے مرتبہ سے ہے۔ اور بعض اہلِ ظاہر ان اقوال کو شطحیات کہتے ہیں، اس لیے کہ ظاہر شریعت کے خلاف ہیں۔ چنانچہ یہ قول کہ "لیس فی الدارین غیر اللہ" اور "انا الحق" اور "سبحانی" ان کا نہ انکار ورد جائز ہے کیونکہ یہ اہلِ حق واہلِ سنت وجماعت کے اقوال ہیں اور نہ ان کا قبول کرنا لازم ہے، اس لیے وہ معصوم نہیں، ممکن ہے ان کو لغزش ہو گئی ہو۔ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں ان کے اقوال (خلاف ظاہر) کو شطحیات نہیں کہتے، بلکہ مجمل و متشابہ کہتے ہیں۔"[2]

اکابر صوفیاء کا دفاع:۔

اکابر صوفیاء میں سے بہت سارے صوفیاء پر لوگوں کی طرف سے بے جا تنقید ہوئی ہے۔ مولانا تھانویؒ نے ویسے تو مجموعی طور بھی اکابر صوفیاء کا دفاع کیا ہے۔ لیکن ان صوفیاء میں سے درج ذیل دو اکابر صوفیاء قابلِ ذکر ہیں:

1۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ 2۔ حسین بن منصور حلاجؒ

شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ:۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ[3] پر مندرجہ ذیل دو حوالوں سے تنقید کی گئی ہے:

---

[1] تجدید تصوف وسلوک، ص:374-375

[2] ایضاً، ص:397

[3] شیخ ابن عربی کا نام محی الدین محمد بن علی بن محمد العربی الطائی الحاتمی ہے، قبیلہ بنی طے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ابن عربیؒ ۵۶۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۶۳۸ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کا مزار دمشق شام میں ہے (ابن عربی، محمد بن علی، محی الدین و شیخ اکبر، فصوص الحکم، مترجم: مولانا محمد عبد القدیر صدیقی،، نذیر سنز پبلیکیشنز، لاہور، 1976ء، ص:5)

toobaafoundation.com

i. ان کی کتب میں ذات وصفات، رسالت وآخرت وغیرہ کے باب میں بعض باتیں ایسی ہیں کہ ان کے ظاہری معنی لے کر اور ان کو جھنڈے پر چڑھا کر ایک طرف تو جاہل صوفیوں یا نفس پرستوں نے دین کو بے دینی کا مرادف بنا دیا"[1]

ii. دوسری طرف بعض اہلِ علم نے خود حضرت شیخ کی تضلیل وتکفیر کی جراءت کر کے معادات اولیاء کا خطرہ خریدا"[2]

شیخ ابن عربیؒ کے دفاع کے حوالے سے مولانا تھانویؒ کے دو کام:۔

اس حوالے سے مولانا تھانویؒ کے دو کام قابلِ ذکر ہیں:

1. مولانا تھانویؒ نے شیخ ابن عربیؒ کی مشہور کتاب "فصوص الحکم" کی "خصـــوص الکلم" کے نام سے شرح لکھنا شروع کی، بعد میں اس کو "الحل الاقوم" کی صورت میں صرف بعض مقامات کی شرح پر اکتفا کیا۔
2. مولانا تھانویؒ نے "التنبیہ الطربی فی تنزیہ ابن العربی" کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی۔ جس میں شیخ کی حمایت کی اور ان پر لگائے جانے والے الزامات سے ان کی براءت کا اظہار کیا۔

شیخ ابن عربیؒ پر "وحدۃ الوجود" کے حوالے سے اعتراض:۔

شیخ ابن عربیؒ پر سب سے بڑا اعتراض "وحدۃ الوجود" کے حوالے سے عینیت یا حلول واتحاد کا ہے۔ جس کے بارے میں ایک عبارت درج ذیل ہے:

"ومن ذلک دعوی المنکر ان الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ جعل الحق والخلق واحداً۔"[3]

ترجمہ: ان اعتراضات میں سے ایک یہ ہے کہ معترض یہ دعویٰ کرتا ہے کہ شیخ نے حق کو اور خلق کو ایک کہا ہے۔

مولانا تھانویؒ "فتوحاتِ مکیہ" کے حوالے سے اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"ان العالم ماھو عین الحق تعالیٰ اذلوکـــان عین الحق تعالیٰ ماصح کـــون الحق تعالیٰ بدیعاً انتھی۔ وقال فی الفص الاٰدمی فکذلک ایضاً وان وصفنا بما وصف بہ نفسہ من جمیع الوجوہ

---

[1] تجدید تصوف وسلوک، ص:357

[2] ایضاً، ص:357

[3] تھانوی، اشرف علی، مولانا، التنبیہ الطربی فی تنزیہ ابن عربی وخصوص الکلم فی حل فصوص الحکم، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور، 1999ء، ص:47

toobaafoundation.com

فلا بد من فارق ولیس الا افتقارنا الیہ فی الوجود وتوقف وجودنا علیہ لامکاننا وغنائہ عن مثل ماافتقرنا الیہ الخ۔"[1]

ترجمہ: کہ عالم حق تعالیٰ کا عین نہیں ہے اس لیے کہ اگر وہ حق تعالیٰ کا عین ہوتا تو حق تعالیٰ کا بدیع ہونا صحیح نہ ہوتا جس کی حقیقت ہے عدم سے وجود میں لانے والا، کیونکہ عالم اگر عین حق ہوتا تونعوذ باللہ منہ۔اور حق تعالیٰ کبھی عدم کے ساتھ متصف نہیں ہوا تو عالم بھی عدم کے ساتھ متصف نہ ہوگا پھر اُس کو عدم سے وجود میں لانے کے کیا معنی ہوتے۔پس ثابت ہوا کہ عالم اور حق متحد نہیں۔پس عینیت اور اتحاد اگر اُن کے کلام میں ہے تو بمعنی اصطلاحی ہے، جس کا حاصل ہے "تابعیت خلق للحق فی الوجود"۔اور فص آدمی میں فرمایا کہ اسی طرح یہاں بھی ہے کہ اگرچہ حق تعالیٰ نے ہم کو بھی تمام وجوہ سے اُن چیزوں کے ساتھ موصوف فرمایا جن سے اپنے کو موصوف فرمایا ہے۔پھر بھی کوئی فارق ضرور ہے اور وہ فارق یہی ہے کہ ہم وجود میں اُس کے محتاج ہیں اور ہمارا وجود اُس پر موقوف ہے بوجہ اس کے کہ ہم ممکن ہیں اور وہ ایسی چیز سے غنی ہے جس میں ہم اُس کے محتاج ہیں۔

مولانا تھانویؒ اس ترجمہ کے بعد لکھتے ہیں:

"اس سے بڑھ کر اس عینیت کے ابطال اور تبائن کے اثرات پر کیا نص ہوگی۔"[2]

شریعت کی تعظیم وتحفظ کے حوالے سے شیخ ابن عربیؒ پر الزامات:۔

شیخ اکبر پر لوگوں کی طرف سے بھی الزام لگایا گیا ہے کہ ان کے نزدیک شریعت پر عمل کی کوئی عظمت نہیں ہے اور نہ ہی انہوں نے اسلامی شریعت کا تحفظ کیا ہے۔ان الزامات کے حوالے سے مولانا تھانویؒ نے شیخ اکبر کی اپنی عبارات "التنبیہ الطربی" میں نقل کی ہیں۔اور یہ عبارات عربی کے اس جملے کی "صاحب البیت ادری مافی البیت" مصداق ہیں۔

"ذیل میں اس حوالے سے چند عبارات ذکر کی جاتی ہیں:

1. "کل حقیقۃ علی خلاف الشریعۃ زندقۃ باطلۃ"

ترجمہ: جو حقیقت خلاف شریعت ہو وہ زندقہ باطلہ ہے۔

---

[1] التنبیہ الطربی فی تنزیہ ابن عربی وخصوص الکلم فی حل فصوص الحکم، ص:48؛فصوص الحکم، ص:19

[2] ایضاً، ص:48

toobaafoundation.com

2. "مالنا طریق الی اللہ الا علی الوجہ المشروع لا طریق لنا الی اللہ الا ما شرعہ"

ترجمہ: ہمارے لیے اللہ تعالیٰ تک (پہونچنے کا) کوئی رستہ نہیں بجز اُس طریقہ کے جو مشروع فرمایا ہے۔(مکرر فرمایا کہ) ہمارے لیے اللہ تعالیٰ تک (پہونچنے کا) کوئی رستہ نہیں بجز اُس کے جس کو مشروع فرمایا۔

3. "فمن قال ان ثم طریقاً الی اللہ تعالیٰ خلاف ماشرع فقولہ زور فلا یقتدی بشیخ لا ادب لہ"

ترجمہ: جو شخص کہے کہ اس مقام میں کوئی رستہ ہے اللہ تعالیٰ تک (پہونچنے کا) اس کی شریعت کے خلاف تو اُس شخص کا کہنا جھوٹ ہے پس ایسے شیخ کا اقتداء نکرنا چاہیے جس کو ادب نہ ہو۔

4. "عن ابی یزید لو نظرتم الی رجل اعطی من الکرامات حتی یرتقی فی الھواء فلا تغتروا بہ حتی تنظرونہ کیف تجدونہ عند الامر والنھی وحفظ الحدود واداء الشریعۃ"

ترجمہ: حضرت بایزید (بسطامیؒ) سے منقول ہے کہ اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ اس قدر کرامتیں دیا گیا ہے کہ ہوا میں اڑتا ہے تب بھی دھوکہ مت کھانا جب تک کہ یہ نہ دیکھ لو کہ امر و نہی وحفظ حدود واداء شریعت میں اُس کو کس کیفیت پر پاتے ہو۔

5. "قال ابن العربی کل من رمی میزان الشریعۃ من یدہ لحظۃ ھلک"

ترجمہ: شیخ ابن عربیؒ کا ارشاد ہے جو شخص میزان شریعت کو ایک لحظہ بھی اپنے ہاتھ سے پھینک دیگا وہ ہلاک ہو جاویگا۔[1]

شیخ اکبر کے فضل وکمال کے بارے میں علماء کی شہادتیں:۔

مولانا تھانویؒ نے "التنبیہ الطربی" کی ایک فصل میں شیخ ابنِ عربی کے بارے میں علماء کی آراء ذکر کی ہیں۔ان آراء سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عظیم علماء ان کے بارے میں انتہائی اچھے خیال رکھتے ہیں۔ذیل میں چند ایک کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

1)۔ ابو عبداللہ الذھبیؒ کی رائے:۔

"وسئل الحافظ ابو عبداللہ الذھبی عن قول الشیخ محی الدین فی کتابہ الفصوص انہ ما صنعہ الا

[1] التنبیہ الطربی فی تنزیہ ابن العربی، ص:6-7

toobaafoundation.com

باذن من الحضرۃ النبویۃ فقال الحافظ ما اظن ان مثل ھٰذا الشیخ یکذب اصلا مع ان الحافظ الذہبی کان من اشد المنکرین علی الشیخ وعلی طائفۃ الصوفیۃ ھو وابن تیمیۃ“[1]۔

ترجمہ: حافظ ابو عبداللہ ذہبیؒ(صاحب اسماء الرجال) سے شیخ محی الدینؒ کے اس قول کی نسبت جو انہوں نے اپنی کتاب فصوص میں کہاہے کہ انہوں نے اس کتاب کو حضرۃ نبویہ کی اذن سے بنایاہے پوچھا گیا انہوں نے فرمایا میں یہ گمان نہیں کرتا کہ ایسا شیخ جھوٹ کہتاہو حالانکہ حافظ ذہبیؒ شیخ پر اور جماعت صوفیہ پر شدت کے ساتھ نکیر کرنے والوں میں ہیں یہ بھی اور ابن تیمیہؒ بھی۔

2)۔ امام نوویؒ کی رائے:۔

”وسئل الامام محی الدین النووی عن الشیخ محی الدین بن العربی قال تلک امۃ قد خلت ولکن الذی عندنا انہ یحرم علی کل عاقل ان یسیئ الظن باحد من اولیاء اللہ عزوجل ویجب علیہ ان یؤول اقوالھم وافعالھم مادام لم یلحق بدرجتھم ولا یعجز عن ذلک الا قلیل التوفیق قال فی شرح المھذب ثم اذا اول فلیؤول کلامھم الی سبعین وجھا ولا نقبل عنہ تاویلاً واحداً ماذاک الا تعنت“[2]۔

ترجمہ: امام محی الدین نووی سے شیخ ابن العربی کی نسبت پوچھا گیا انہوں نے فرمایا یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی (تم سے اُن کے اعمال کا سوال نہ ہوگا تو تحقیق کی بھی ضرورت نہیں) لیکن ہمارے نزدیک اتنا ضرور ہے کہ ہر صاحب عقل پر یہ بات حرام ہے کہ اولیاء اللہ میں کسی کے ساتھ بھی بدگمانی رکھے اور اوسپر واجب ہے کہ اُن کے اقوال وافعال کی تاویل کرتا رہے جب تک کہ اُن کے درجہ تک نہ پہونچے (اور وہاں تک پہونچنے پر پھر اُس کو حق ہے کلام کرنے کا) اور جس کو اتنی بھی توفیق نہ ہو وہ بالکل ہی گیا گزرا ہوا اور انہوں نے شرح مہذب میں فرمایا کہ پھر جب تاویل کرے تو اُن کے کلام کی ستر وجوہ تک تاویل کرے (تاکہ جس طرح بھی ممکن ہو اُن پر سے اعتراض کو اٹھادے) اور ہم صرف ایک (دو) تاویل قبول نہ کرینگے (کہ ایک دو احتمال نکال کر پھر اُن کو رد کرکے اعتراض کو قائم رکھے) ایسا کرنا محض تعنت (وعناد) ہے۔

---

[1] التنبیہ الطربی فی تنزیہ ابن العربی، ص:20

[2] ایضاً، ص:22

toobaafoundation.com

3)۔ شیخ عزالدین بن عبد السلام کی رائے:۔

انہوں نے شیخ اکبر کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

"وکان الشیخ عزالدین بن عبدالسلام یقول ما وقع الانکار من بعضھم علی الشیخ الا رفقا بضعفاء الفقھاء الذین لیس لھم نصیب تام من احوال الفقراء خوفا ان یفھموا من کلام الشیخ امر الا یوافق الشرع فیضلوا ولو انھم صحبوا الفقراء لعرفوا مصطلحھم وامنوا من مخالفة الشریعة قال الشعرانی واماما اشاعه بعض المنکرین عن الشیخ عز الدین بن عبدالسلام وعن شیخنا الشیخ سراج الدین البلقینی انھما امرًا باحراق کتب الشیخ فکذب وزور" [1]

ترجمہ: شیخ عزالدین بن عبد السلام فرماتے تھے کہ بعض علماء سے جو شیخ پر نکیر واقع ہوا ہے وہ صرف ایسے ضعفاء فقہاء کی رعایت سے ہوا ہے جن کو فقراء کے احوال سے بہرہ وافر نہ تھا صرف اس احتمال سے کہ شیخ کے کلام سے کوئی ایسی بات نہ سمجھ لیں جو شرع کے موافق نہ ہو اور گمراہ ہو جاویں اور اگر وہ فقہاء فقراء کی صحبت میں رہے ہوتے تو ان کی اصطلاحات کو پہچانتے اور مخالفت شریعت سے مامون رہتے امام شعرانی فرماتے ہیں کہ بعض منکرین نے جو شیخ عزالدین اور شیخ سراج الدین بلقینی سے شائع کیا ہے کہ اُن دونوں حضرات نے شیخ کی کتابیں جلانے کا حکم دیا تھا یہ محض جھوٹ اور گھڑت ہے۔

4)۔ شیخ جلال الدینؒ کی رائے:۔

"وقد صنف الجلال السیوطی کتابا فی الرد عن الشیخ محی الدین سماہ تنبیه الغبی فی تبریة ابن العربی وکتاباً آخر سماہ قمع المعارض فی نصرة ابن الفارض لما وقعت فتنة الشیخ برھان الدین البقاعی بمصر" [2]

ترجمہ: شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے شیخ محی الدین کی طرف سے جواب دینے کے لیے ایک کتاب تصنیف کی ہے اس کا نام رکھا ہے "تنبیه الغبی فی تبریة ابن العربی" ایک اور کتاب تصنیف کی ہے اس کا نام رکھا ہے "قمع المعارض فی نصرة ابن الفارض" جس وقت شیخ برہان الدین بقاعی کا فتنہ مصر میں واقع ہوا تھا۔

---

[1] التنبیه الطربی فی تنزیه ابن العربی، ص:23-24

[2] ایضاً، ص:26

toobaafoundation.com

مولانا تھانویؒ کی شیخ اکبر کے بارے میں معتدل رائے:۔

مولانا تھانویؒ نے "التنبیه الطربی فی تنزیه ابن العربی" میں شیخ اکبر کے بارے میں انتہائی معتدل رائے دی ہے کہ کسی عامی شخص کو ان کی کتب کو نہیں دیکھنا چاہیے۔ ان کے بارے میں "حسنِ ظن" رکھنا چاہیے ورنہ سوءِ خاتمہ کا خطرہ ہے۔ لیکن اگر کوئی محقق شخص ہو تو وہ ایسے کلام کا رد کر سکتا ہے۔

مولانا تھانویؒ کی رائے کو درج ذیل نکات میں پیش کیا جاتا ہے:

- ”جن حضرات میں قبول کی علامات ظاہر ہیں اور منجملہ ان علامات کے علماء محققین کا حسنِ ظن بھی ہے اُن کے ساتھ حسنِ اعتقاد رکھے اور اُن کے کلام میں اگر کوئی امر ظاہر اًخلاف سوادِ اعظم دیکھے تو اپنا اعتقاد اُس کے موافق نہ رکھے نہ اُس کو کسی کے سامنے نقل کرے نہ ایسی کتابوں کا مطالعہ خود کرے جب تک کسی شیخ سے نہ پڑھ لے کیونکہ اُن حضرات کا مقصود عوام کے لیے تدوین نہیں ہے بلکہ عوام سے وہ خود اخفاء فرماتے تھے بلکہ اعتقاد تو سوادِ اعظم کے موافق رکھے اور اُس کلام میں اگر تاویل ممکن ہو تاویل کرے ورنہ یا غلبہ حال پر محمول کرے یا اعداء کے ملحق کر دینے کا احتمال کرے یا مثل متشابہات کے اُس کو مفوض بحق کرے اور بے سمجھے اعتراض اور گستاخی نہ کرے۔
- کیونکہ گو وہ معصوم نہ تھے لیکن شریعت کے بیحد متبع تھے چنانچہ غیر معذور پر اُن سے خود نکیر منقول ہے اور اسی لیے احکام میں اُن سے کوئی ایسا امر منقول نہیں صرف بعض اسرار منقول ہیں جن کا مبنی ذوق و کشف ہے اور تعبیر خاص اصطلاحات میں کی گئی ہے اور ان دونوں سے عوام و اہلِ ظاہر بے بہرہ ہیں اس لیے اس کلام کے معارض شریعت ہونے کا یہ لوگ فیصلہ نہیں کر سکتے گو رتبہ میں اُن سے بھی بڑھے ہوئے ہوں اس لیے اُن کو اجمالاً تسلیم کر لینا چاہیے ورنہ گستاخی سے سوءِ خاتمہ کا خوف ہے۔
- البتہ جو شخص ویسا ہی محقق ہو اُس کو حق ہے کہ اُس پر مفصلاً رد کرے خواہ درجہ خطا اجتہادی تک خواہ ابطال تک۔“[1]

---

[1] التنبیه الطربی فی تنزیه ابن العربی، ص:42؛ تجدید تصوف و سلوک، ص:370

toobaafoundation.com

حسین بن منصور حلاجؒ:۔

طبقہ صوفیاء میں "ابن منصور" کی شخصیت بھی بے جا بدنامی کی شکار ہوئی ہے۔ مولانا تھانویؒ نے خود ابن منصور کے اشعار کا ترجمہ کیا اور مولانا تھانویؒ نے اپنی زیر نگرانی اپنے بھانجے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے ابن منصور کی سیرت، حالاتِ زندگی اور ان کے بارے میں ائمہ عظام کی رائے کے بارے میں "القول المنصور فی ابن المنصور" کے نام سے ایک مستند رسالہ تیار کروایا۔ ذیل میں اسی رسالہ کی روشنی میں "ابن منصور" کا مختصر تعارف، مقام ومرتبہ اور ان کے دفاع کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

نام ونسب:۔

"اصل نام حسین بن منصور ہے (اگرچہ عوام کی زبان پر صرف منصور ہی مشہور ہے) دادا کا نام محمی ہے جو مجوسی تھا اور مقامِ بیضاء کا باشندہ تھا جو فارس کا ایک شہر ہے۔ ان کے والد منصور کے حالات کچھ معلوم نہیں ہو سکے۔ حسین بن منصور کی کنیت ابو مغیث ہے، اور بعض کے نزدیک ابو عبد اللہ۔"

ولادت وابتدائی حالات:۔

"حسین بن منصور کے صاحبزادے احمد بن حسین سے خطیب نے تاریخ بغداد میں روایت کیا ہے کہ میرے والد حسین بن منصور بیضاء فارس کے ایک موضع میں جس کا نام طور ہے پیدا ہوئے، نشوونما تستر میں ہوا۔"[1]

ابن منصور کے مشائخ:۔

ان کے مشائخ میں درج ذیل مشائخ کے نام قابلِ ذکر ہیں:

1. سہل بن عبد اللہ تستری
2. عمرو ابن عثمان مکی
3. جنید بن محمد

---

[1] عثمانی، ظفر احمد، مولانا، القول المنصور فی ابن المنصور، زیر نگرانی: تھانوی، اشرف علی، مولانا، مکتبہ دار العلوم، کراچی، س۔ن، ص:29

toobaafoundation.com

لقب "حلاج" کی وجہ:۔

"لوگوں کے اسرار بیان کر دیتے، ان کے دلوں کی باتیں بتلا دیتے (یعنی کشف ضمائر بھی حاصل تھا) اسی وجہ سے ان کو حلاج الاسرار کہنے لگے۔ پھر حلاج لقب پڑ گیا۔"[1]

سولی پر چڑھانے کے وقت کمالِ استقامت:۔

"خطیب نے ابو عبد الرحمن سلمی کے واسطے سے ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد قلانسی رازی سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب حسین بن منصور کو سولی دی گئی۔ میں ان کے پاس کھڑا تھا۔ انہوں نے کہا،

"الٰھی الٰھی اصبحت فی دار الرغائب انظر الی العجائب۔ الٰھی انک تتود الی

من یؤذیک فکیف لا تتود الی من یؤذی فیک"[2]

ترجمہ: یعنی میرے معبود، میرے معبود، میں نے صبح کی مرغوبات کے گھر میں اور عجائبات کو دیکھ رہا ہوں (غالباً، عالمِ مثال یا عالمِ آخرت منکشف ہو گیا ہو گا۔ وہاں کے عجائبات دیکھ رہے ہوں گے اور ممکن ہے شوق وصال میں دنیا ہی کو مرغوبات کا گھر کہہ دیا ہو، اور سامان قتل کو عجائبات میں داخل کیا ہو کہ یہ بھی عجیب سامان ہے جو محب کو محبوب سے جلد ملانے والا ہے) میرے معبود! آپ تو اُس شخص سے بھی دوستی کا برتاؤ کرتے ہیں جو آپ کو ایذا دیتا ہے۔ تو آپ اس شخص سے دوستی کا برتاؤ کیوں نہ کریں گے جس کو آپ کی راہ میں ایذا دی جاتی ہے۔

ابن منصور کے بارے میں علماء کی رائے:۔

ابن منصورؒ کے بارے میں "القول المنصور" میں بڑے بڑے علماء کی آراء ذکر کی گئی ہیں، جنہوں نے ابن منصور کو مشائخ صوفیہ میں شمار کیا ہے۔ خاص طور پر اُن کی "شطحیات" کے حوالے سے ان کو مغلوب الحال قرار دیا ہے۔

امام قشیریؒ کی "ابن منصور" کے بارے میں رائے:۔

"امام ابو القاسم عبد الکریم القشیری رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ قشیریہ کے مقدمہ میں مشائخ صوفیہ کے عقائد کے متعلق دعویٰ کیا ہے کہ وہ بالکل کتاب و سنت کے موافق اور سلف صالحین کے مطابق ہیں اور دلیل میں جہاں دیگر اجلہ صوفیہ

---

[1] القول المنصور فی ابن المنصور، ص:30

[2] ایضاً، ص:43

toobaafoundation.com

وائمہ طریق کے اقوال بیان کئے ہیں وہیں حسین بن منصور حلاج کے اقوال بھی نقل کئے ہیں۔ جس سے یہ بات واضح ہے کہ امام قشیری کے نزدیک ابن منصورؒ بھی مشائخ صوفیہ سے ہیں۔ امام قشیری کا درجہ علم ظاہر وباطن میں جس قدر بلند ہے ظاہر ہے۔ وہ صوفی بھی ہیں اور محدث بھی، عالم فاضل بھی ہیں اور عارف کامل بھی۔ اُن کی ولادت ۳۷٦ھ میں ہے اور وفات ۴٦۵ھ ہیں۔ تو ان کا زمانہ "ابن منصور" کے زمانہ کے قریب بھی ہے۔"[1]

"ابن منصور" علامہ شعرانی کی نظر میں:۔

"علامہ عبد الوہاب الشعرانیؒ نے جو اپنے وقت کے عارف کامل اور جامع علم ظاہر وباطن تھے۔ طبقات الاخیار میں جو طبقاتِ کبریٰ کے نام سے مشہور ہے جہاں دیگر ائمہ طریق اور اولیائے کرام کا تذکرہ فرمایا ہے وہیں حسین بن منصورؒ کا بھی ذکر فرمایا ہے اور مقدمہ کتاب میں تصریح فرمادی ہے کہ ابن منصور کے متعلق صحیح قول یہ ہے کہ وہ جماعت صوفیہ میں سے ہیں:

"قالوا اما الحلاج فانه کان من القوم وهو الصحيح فلا يخفى محنته"[2]

ترجمہ: حلاج جماعت صوفیہ میں سے ہیں اور وہ حق پر ہیں اور ان کی محنت مخفی نہیں ہے۔

"ابن منصورؒ" کے بارے میں علامہ یوسف نبہانیؒ کی رائے:۔

"علامہ یوسف نبہانیؒ مؤلف کرامات الاولیاء ہیں، جو اس زمانہ کے عمدہ محققین سے ہیں۔ انہوں نے بھی ابن منصور کو اولیاء میں شمار کیا، اور اپنی کتاب جامع کرامات الاولیاء میں ان کی کرامات کو جمع کیا ہے۔"[3]

مولانا تھانویؒ کی "ابن منصور" کے بارے میں معتدل رائے:۔

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے بقول مولانا تھانویؒ نے مسودہ "القول المنصور" کے حاشیہ میں اپنے قلم سے تحریر فرمایا ہے:

---

[1] القول المنصور فی ابن المنصورؒ، ص:45

[2] ایضاً، ص:88

[3] ایضاً، ص:88

toobaafoundation.com

"میری رائے ابن منصور کے متعلق یہ ہے کہ وہ اہلِ باطن میں سے تو نہیں، اور ایسے اقوال (اور احوال جن سے ان کے صاحبِ باطن ہونے کا وہم ہوتا ہے) یا غلط ہیں، یا ماؤل ہیں، یا قبل دخول فی الطریق ایسے حالات ہوں، مگر اس کے ساتھ ہی کاملین میں سے نہیں، مغلوب الحال ہیں، اس لیے معذور ہیں۔"[1]

ابنِ منصور کا عقیدہ توحید:۔

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے بقول لوگوں نے ابنِ منصور حلاج کے بھی ایسے ہی عنوانات سے دھوکہ کھایا ہے جو عاشقانہ اشعار اور غلبہ حال میں ان سے صادر ہوئے۔ اس کلام کو نہیں دیکھا گیا جس میں انہوں نے اپنے عقیدہ توحید کو محققانہ طرز سے بیان فرمایا ہے۔

ابنِ منصورؒ کے ملفوظات:۔

ابنِ منصور اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

i. "باینھم بقدمه کما باینوہ بحدوثھم"

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ قدم کے سبب تمام ممکنات سے جدا ہے جیسا کہ ممکنات اپنے حدوث کے سبب اس سے الگ ہیں۔

ii. اس کے بعد ابنِ منصور فرماتے ہیں:

"معرفته توحیدہ و توحیدہ تمیزہ من خلقه"[2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کو واحد سمجھنا، اور توحید یہ ہے کہ مخلوق سے اس کو ممتاز (اور الگ) جانے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مذکورہ بالا باتوں سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ جو لوگ صوفیہ کو یا ان میں سے "ابن منصور" کو یہ کہہ کر بدنام کرتے ہیں کہ وہ خالق و مخلوق میں اتحاد یا حلول کے قائل ہیں یقیناً وہ ان پر افترا کرتے ہیں۔

خانوادہ چشتیہ کے صوفیاء کا دفاع:۔

اس سلسلہ کے صوفیاء کے بارے میں عام طور پر مشہور ہے کہ یہ اپنے عمل میں یا اتباع شریعت و سنت میں سستی اور کوتاہی برتتے ہیں۔ سلسلہ چشتیہ کے بزرگ برصغیر میں زیادہ مشہور ہوئے اور مشہور ہیں۔ مولانا تھانویؒ کا ویسے تو تعلق تمام

---

[1] القول المنصور فی ابن المنصور، ص:88

[2] ایضاً، ص:22-23

toobaafoundation.com

مشہور سلاسل صوفیاء سے ہے لیکن ان کو خصوصی لگاؤ اور تعلق اس چشتی سلسلہ اور "خاندان عالی" سے ہے۔ اس لیے مولانا تھانویؒ نے اس سلسلہ کے بزرگوں کا خاص طور پر دفاع کیا ہے اور ان صوفیاء کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا انتہائی عادلانہ انداز میں ازالہ کیا ہے۔

السنة الجلية فی الچشتية العلية:۔

مذکورہ بالا کتاب مولانا تھانویؒ نے اس سلسلہ کے صوفیاء کے دفاع کے لیے قلم بند کی جس میں ان ہی بزرگوں کے اقوال ذکر کر کے، ان پر لگائے جانے والے الزامات کی تردید کی ہے۔ اور مولانا تھانویؒ کی یہ کتاب تقریباً 200 صفحات پر مشتمل ہے۔ مولانا تھانویؒ اس کتاب کی تمہید میں لکھتے ہیں:

"مدت سے عام لوگوں کے ذہن میں یہ خیال بسا ہوا ہے اور جوں جوں جہل کا غلبہ بڑھتا جاتا ہے اس میں قوت ہوتی جاتی ہے کہ حضرات صوفیہ میں عموماً اور چشتیہ میں خصوصاً شریعت کا اتباع نہیں ہوتا یا کم ہوتا ہے۔ اس سے دو مفسدے پیدا ہوتے ہیں ایک ان حضرات کے معتقدین میں دوسرا غیر معتقدین میں۔

معتقدین کے اعتقاد میں تو خود شریعت ہی کا اتباع اس خیال سے ضروری نہیں رہا کہ ضروری ہوتا تو یہ حضرات ہی متبع ہوتے۔ اور غیر معتقدین میں یہ مفسدہ ہوتا ہے کہ ان کے اعتقاد میں شریعت تو واجب الاتباع ہے، مگر چونکہ یہ حضرات ان کے زعم میں متبع نہیں، اس لیے وہ ان کی شان میں گستاخی کرنے لگے۔ اول مفسدہ تو سرحد کفر سے ملا ہوا ہے کہ اس میں جحود (انکار) ہے شریعت مقدسہ کا جس کا وجوب نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ اور دوسرا مفسدہ گو کفر نہیں، مگر درجہ بدعت شنیعہ و معصیت قطعیہ تک یقیناً پہنچا ہے، کہ بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل مقبولان الٰہی سے بدگمانی اور ان کی شان میں بدزبانی ہے جو نصوص کے خلاف ہے اور نصوص کے خلاف علم اگر شبہہ ہے تو بدعت ہے ورنہ فسق و معصیت بلا شبہہ ہے۔"[1]

شریعت و سنت کی اہمیت کے حوالے سے صوفیاء کے مختلف اقوال ذکر کرنے کے بعد مولانا تھانویؒ سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں کے بارے میں ان الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں:

"دیکھئے جو شخص شریعت کے مباحات کو بھی اثر مذموم کی وجہ سے غیر مباح سمجھتا ہو وہ علم بالشریعت کو کس درجہ لازم سمجھے گا۔ بلکہ ان تدقیقات کی بنا پر اگر ان حضرات پر تشدد فی الاعمال کا شبہ کیا جائے تو ظاہراً گنجائش ہے۔ باقی تساہل فی الاعمال کے شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔"[2]

---

[1] تجدید تصوف و سلوک، ص:384

[2] ایضاً، ص:391

toobaafoundation.com

حضرات چشتیہ کو کم فہموں نے بدنام کیا:۔

ان کی بدنامی کے حوالے سے مولانا تھانویؒ نے ایک ملفوظ میں فرمایا:

"حضرات چشتیہ کو کم فہموں نے زیادہ بدنام کیا ہے کہ ان کے بہت سے افعال خلاف سنت ہیں بات یہ ہے کہ یہ حضرات عشاق ہیں غلبہ حال میں کسی ایسی بات کا صدور ہو جاتا تھا جو بظاہر سنت کے خلاف معلوم ہوتا ہے اور حقیقت اس کی دوسری ہوتی تھی اسی غلبہ حال کے باب میں فرماتے ہیں

؎ گفتگوئے عاشقان در کار رب جوشش عشق ست نے ترک ادب

(حق تعالیٰ کے بارے میں عاشقوں کی گفتگو جوش عشق کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ بے ادبی کی وجہ سے)

اس لیے یہ حضرات معذور تھے ایک چشتی بزرگ سے کسی شخص نے عرض کیا کہ حضرت سماع آپ کے لیے تو جائز ہے فرمایا کہ جو چیز شریعت میں حرام ہے وہ سب کے لیے حرام ہے احترام شریعت کی یہ حالت تھی کہ ایک روز حضرت نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ اس وقت ہم کچھ سنیں گے مگر اتفاق سے کوئی سنانے والا نہیں ملا فرمایا مولانا حمید الدین صاحب کے مکتوب نکالو وہ نکالے گئے فرمایا یہی پڑھ کر سناؤ، سنایا گیا اس مکتوب کے شروع میں تھا "از خاک پائے درویشاں گرد راہ دبستاں" بس یہ سن کر وجد ہو گیا تین دن وجد رہا نماز کے وقت ہوش ہو جاتا تھا اور پھر وہی کیفیت ہو جاتی تھی کوئی ایسا شورش کا مضمون بھی نہ تھا صرف تواضع انکسار و شکستگی کا مضمون تھا اس پر بھی ان حضرات کو لوگ بدنام کرتے ہیں۔"[1]

چشتیہ کا پہلا قدم فنا ہے:۔

ان کے اس وصف کے بارے میں مولانا تھانویؒ نے ایک ملفوظ میں فرمایا:

"ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ سفر کے وقت عمدہ کپڑے بدل کر چلتے ہیں اور بعض گھر پہنچ کر بدلتے ہیں فرمایا کہ جس طرح جی چاہے کرلے مگر دونوں صورتوں میں منشا تفاخر و کبر نہ ہو اور بھائی ہم تو چشتی ہیں ہمارا تو پہلا قدم فناء ہے اوروں کے یہاں تو پہلے اور چیزیں ہیں بعد میں فناء ہے اور ہمارے یہاں پہلے فنا ہے بعد میں اور چیزیں ہیں۔"[2]

---

[1] الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ (ملفوظات حکیم الامت)، 5/269-270

[2] ایضاً، 4/157

toobaafoundation.com

سلسلہ چشتیہ کی شان مسکنت:۔

مولانا تھانویؒ نے چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں کی بے جا بدنامی کے بارے میں کہا:

"چشتیہ حضرات کے زیادہ بدنام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں دو شانیں زیادہ غالب ہیں ایک شان مسکنت اور دوسری شان عشق۔ اور بعض خلاف ظاہر باتوں کا عاشق سے غلبہ حال میں سرزد ہو جانا بعید نہیں اور ایسے حضرات پر طعن اور تشنیع کرنا جہل سے ناشی ہے ان معترضوں نے عشاق کو دیکھا ہی نہیں خوب کہا ہے

ے تو ندیدی گہے سلیماں را   چہ شناسی زباں مرغاں را

ترجمہ: تو نے کبھی حضرت سلیمان علیہ السلام کو دیکھا نہیں تو جانوروں کی زبان کو کیا سمجھ سکتا ہے۔

جیسے خود کورے ہیں ایسا ہی دوسروں کو سمجھتے ہیں اسی کو مولانا فرماتے ہیں ے

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر   گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

ترجمہ: کاملین کے کاموں کو اپنے اوپر قیاس مت کرو اگرچہ لکھنے میں شیر (جو جانور ہے) اور شیر (دودھ) کے مشابہ ہوتے ہیں۔

حج ہی کے ارکان کو دیکھ لیجیے کہ ان میں سب متانت اور مشیخیت دھری رہ جاتی ہے۔"[1]

چشتیہ کا متبع سنت ہونا:۔

مولانا تھانویؒ ان حضرات کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ اپنے ایک ملفوظ میں اس طرح کرتے ہیں:

"۔۔۔احیاناً ان حضرات کے اقوال و اعمال سے ایہام ہو جاتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات پر اس طرف کا غلبہ تھا صاحب حال تھے اس لیے معذور ہیں ایک ہی چیز دل میں سمائی ہوئی اور رچی ہوئی تھی اور سب سے ذہول تھا اور وہ چیز محبت اور یاد حق ہے اور حقیقت میں یہی ایک چیز یاد رکھنے کی ہے اس کو نہ بھلاوے باقی اور کسی چیز کے یاد رکھنے کی ضرورت نہیں۔

میری اس نصرت پر ایک صاحب معترضانہ لکھتے ہیں کہ تم صوفیوں کی بہت حمایت کرتے ہو مگر الحمد للہ میں بے جا حمایت تھوڑا ہی کرتا ہوں اور میں بھی تو جواب میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ تم صوفیہ کی مخالفت کرتے ہو بلکہ میں نے تو بہت سے

---

[1] الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ (ملفوظات حکیم الامت)، 4/77۔78

toobaafoundation.com

خیالات کی اصلاح کر دی ہے چنانچہ آجکل لوگوں میں عموماً پیر کا بڑا مرتبہ سمجھا جا رہا تھا حتی کہ باپ اور استاد سے بھی بڑا، مگر میرے یہاں تحقیق ہے کہ اول مرتبہ باپ کا پھر استاد کا پھر پیر کا، پھر اس پر کہتے ہیں کہ تم صوفیوں کی حمایت کرتے ہو۔"[1]

حاصل بحث:۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اکابر صوفیاء جیسا کہ شیخ اکبر ابن عربیؒ، حسین بن منصور حلاجؒ اور خانوادہ چشتیہ سے تعلق رکھنے والے بعض بزرگوں پر جو اہلِ علم کی طرف سے بے جا تنقید کی گئی ہے۔ اس کے بارے میں مولانا تھانویؒ کی رائے یہ ہے کہ چونکہ یہ بزرگ اولیاء اللہ میں سے ہیں لہٰذا ان پر بے جا تنقید نہ کی جائے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان بزرگوں کی دشمنی وعداوت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غصے کا سبب بن جائے۔

اور جہاں تک ممکن ہو ان کے اقوال واحوال کی تاویل کی جائے اور اگر تاویل ممکن نہ ہو یہ بھی امکان ہے کہ ان بزرگوں کی کتب میں بعد میں ان کے مخالفین کی طرف سے کتر وبیونت کر دی گئی ہو جیسا کہ شیخ ابن عربیؒ کی کتب کے بارے میں بعض لوگوں کی رائے ہے کہ ان کی کتب میں بعض باتیں جان بوجھ کر بعد میں داخل کی گئی ہیں۔

اسی طرح صوفیاء سے بعض احوال میں جو خلاف شرع اقوال (شطحیات) صادر ہوئے ہیں، ان کے غلبہ حال کی وجہ سے انہیں معذور سمجھا جائے۔ لیکن اگر ان صاحبِ حال بزرگوں کی کوئی ایسی بات خلاف شرع ہو اور اسلامی حد جاری ہوتی ہو تو وہ حد ان پر جاری کی جائے گی۔ جیسا کہ ابنِ منصورؒ کے ساتھ کیا گیا۔ اسی طرح مولانا تھانویؒ نے اپنے متعلقین کو شیخ اکبر ابن عربیؒ کی کتب نہ دیکھنے کا مشورہ دیا ہے۔ ان کی رائے میں اگر کوئی شخص تصوف کے فن میں اجتہاد کا درجہ رکھتا ہو تو وہ ان پر تنقید کر سکتا ہے۔

---

[1] الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ (ملفوظات حکیم الامت)، 3/92

فصل چہارم

محبت طبعی و عقلی اور اختیاری و غیر اختیاری میں فرق (مولانا تھانویؒ کی علمی واجتہادی کاوش)

toobaafoundation.com

فصل چہارم:

محبتِ طبعی و عقلی اور اختیاری و غیر اختیاری میں فرق۔۔۔ مولانا تھانویؒ کی ایک علمی و اجتہادی کاوش

محبت ایک فطری عمل ہے۔ محبت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور اللہ کے رسول ﷺ نے ہماری رہنمائی کی ہے اور محبت کی حدود متعین کر دی ہیں۔ قرآن مجید کے مطابق ایک مسلمان کی محبت کا مرکز اور انتہاء "اللہ تعالیٰ" کی ذات ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"والذین امنوا اشد حباً للہ"[1] ترجمہ: اہلِ ایمان سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق اگر ایک مسلمان کسی دوسرے سے محبت اور نفرت رکھتا ہے تو اس میں بھی اللہ کی رضا و خوشنودی اور اس کی ناراضگی کو سامنے رکھتا ہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"الحب للہ والبغض للہ"[2] کسی سے محبت اور نفرت اللہ (کی رضا) کے لیے کی جائے۔

اسی طرح اس کائنات میں بہت ساری ایسی چیزیں ہیں جن کی محبت انسان کے دل میں ڈال دی گئی ہے۔ مولانا تھانویؒ ان چیزوں سے محبت کو محبت طبعی قرار دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کو محبت عقلی وارادی قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح بعض چیزیں اور افعال انسان کے اختیار میں ہوتے ہیں اور بعض افعال و کیفیات انسان کے اختیار میں نہیں ہیں لہٰذا مولانا تھانویؒ کے نزدیک انسان ان کے مکلف بھی نہیں ہے۔ یہ محبت کی طبعی و عقلی / ارادی اور اختیاری و غیر اختیاری کی تقسیم مولانا تھانویؒ کی "تصوف و سلوک" کے میدان میں ایک ایسی اجتہادی و علمی کاوش ہے جس کو مولانا تھانویؒ نصف سلوک قرار دیتے ہیں۔

اس فصل میں مولانا تھانویؒ کی اس علمی واجتہادی کاوش کے حوالے سے جائزہ پیش کیا جائے گا۔

---

[1] البقرۃ165:2

[2] الھندی، علی بن حسام الدن، علاؤالدین، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، المحقق: بکری حیانی، صفوۃ الصقا، مؤسسۃ الرسالہ، 1981ء، کتاب الایمان والاسلام من قسم الافعال، الفصل الثالث فی مجاز الایمان والشعب، رقم:1391، 1/ 287

toobaafoundation.com

محبتِ طبعی اور محبت ارادی و عقلی کی تعریف:۔

محبت طبعی تو وہ محبت ہے جو انسان کی فطرت میں ودیعت کر دی گئی ہے اس کو قصد وارادہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ہر شخص اس محبت پر مجبور ہے اور محبت ارادی وہ ہے جو قصد وارادہ کے ساتھ کی جائے اور سوچ سمجھ کر محبت کی جائے کہ کون سی چیز محبت کے قابل ہے اور کون سی چیز محبت کے لائق نہیں۔[1]

بعض چیزوں کی محبت اللہ کی طرف سے ہے:۔

سورہ آل عمران کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض چیزوں کی محبت انسان کے دل میں ڈال دی گئی ہے۔

"زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث ذلک متاع الحیوۃ الدنیا واللہ عندہ حسن المآب"[2]

ترجمہ: خوشنما معلوم ہوتی ہے(اکثر) لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی (مثلاً) عورتیں ہوئیں، بیٹے ہوئے، لگے ہوئے ڈھیر ہوئے سونے اور چاندی کے ، نمبر(یعنی نشان) لگے ہوئے گھوڑے ہوئے(یا دوسرے) مواشی ہوئے اور زراعت ہوئی(لیکن) یہ سب استعمالی چیزیں ہیں دنیوی زندگانی کی اور انجامِ کار کی خوبی تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

اور جب بعض چیزوں کی محبت انسان کے دل میں ڈال دی گئی ہے تو ان چیزون کی محبت میں انسان کے قصد وارادہ کو کوئی دخل نہیں بلکہ وہ ان چیزوں کی محبت پر فطری طور پر مجبور ہے۔ چنانچہ یہ محبت طبعی ہے۔

محبت ارادی کی واضح دلیل اور بہترین ثبوت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ طرز عمل ہے کہ وہ کسی چیز یا عمل سے محبت کرتے تو یہ سوچ کر کرتے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ چیز یا یہ عمل محبوب تھا۔ حدیہ کہ کھانے پینے کی چیزوں میں بھی بعض چیزوں کو محض اس لیے پسند کرتے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کو محبوب تھیں۔

جیسا کہ ایک حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ مذکور ہے:

"عن انسٍ ان خیاطاً دعا النبی ﷺ لطعامٍ صنعہ فذھبت مع النبی ﷺ فقرب خبز الشعیر ومرقاً فیہ دُبّاء وقدید فراءیت النبی ﷺ یتتبع الدباء من حوالی القصعۃ فلم ازل اُحب الدباء بعد یومئذٍ۔"[3]

---

[1] ابرار علی، سید، ڈاکٹر، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا طریقہ اصلاح، بیت العلوم، لاہور، س۔ن، ص:68

[2] آل عمران 14:3

[3] الخطیب، محمد بن عبداللہ، ولی الدین، العمری، مشکوٰۃ شریف، مترجم: مولانا عبدالعلیم علوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س۔ن، 2/299

toobaafoundation.com

ترجمہ: حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک درزی نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی۔ میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ گیا اس نے جو کی روٹی اور شوربا حاضر کیا جس میں کدو اور گوشت تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ پیالہ کے اطراف میں سے کدو کو تلاش کر کے کھاتے تھے۔ چنانچہ اس روز سے میں کدو کو پسند کرنے لگا۔

مولانا تھانویؒ محبتِ طبعی کو تو طبعی ہی کہتے ہیں لیکن محبت ارادی کو محبت عقلی کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور محبت عقلی کو محبت طبعی پر ترجیح دیتے ہیں اور اپنے ملفوظات ومواعظ اور مکاتبت کے ذریعے مسترشدین کو ہدایت کرتے ہیں کہ محبت عقلی کو محبت طبعی پر غالب کرنا چاہیے۔

آیت مذکورہ بالا "زین للناس حب الشہوات" الآیۃ کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا اشرف علی تھانویؒ "مسائل السلوک" میں تحریر فرماتے ہیں:

"انسان محبتِ طبعی کے ازالہ کا بوجہ اس کے طبعی ہونے کے مکلف نہیں ہے اور باب اخلاق میں یہ ایک اصل عظیم ہے یعنی اخلاق میں جو مجبول وطبعی (فطری پیدا کئے ہوئے) ہیں وہ غیر مقدور ہیں اور جو مکسوب (اپنی کوشش سے حاصل کئے ہوئے) ہیں وہ مقدور ہیں۔ بعض سالکین قسم اوّل کے پیچھے پڑ جاتے ہیں وہ ہمیشہ مشوّش (پریشان) رہتے ہیں۔ ان لوگوں کو محقق ہدایت کرتا ہے کہ عقلی کی تحصیل کرو اور طبعی کے درپے مت ہو، سو ان محققین کا اتباع کرنے والا راحت میں رہتا ہے۔[1]

عقلی محبت کی زیادہ ضرورت ہے:۔

مولانا تھانویؒ اس حوالے سے فرماتے ہیں کہ:

"زیادہ تر عقلی ہی کی ضرورت ہے اس میں دوام ہے ثبات ہے اختیاری ہے۔ عجب چیز ہے۔ عقلی محبت اور طبعی محبت دونوں جمع ہو سکتی ہیں مگر غلبہ عقلی ہی کو ہونا چاہیے۔ محبت طبعیہ کے غلبہ میں حدود محفوظ نہیں رہتے۔"[2]

طبعی محبت کا انسان مکلف نہیں ہے:۔

جب مولانا تھانویؒ کو ایک سالک نے کہا کہ قرآن وحدیث کے جن حقائق تک آپ کی نظر پہنچی ہے دوسرے اکثر حضرات کی وہاں تک نہیں پہنچی، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو مولانا تھانویؒ نے اس سوال کے جواب میں کہا کہ:

---

[1] حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا طریقہ اصلاح، ص:68۔70؛ مسائل السلوک، ص:92۔93

[2] الافاضات الیومیہ (ملفوظات حکیم الامت)، 1/301

toobaafoundation.com

"میں جو کچھ کہتا ہوں کتاب و سنت میں فکر کر کے کہتا ہوں اور حب عقلی اور طبعی کے متعلق جو تحقیق میں نے اُن صاحب کو لکھی تھی اُس کا ماخذ بھی کتاب و سنت ہی ہے۔ چنانچہ جہاں ایک مقام پر کتاب و سنت میں حب دُنیا کی مذمت ہے تو دوسرے مقام پر یہ بھی ارشاد ہے کہ

"لا یکلف اللہ نفساً الا وُسعھا"[1] ترجمہ: اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اس کا جو اُس کی طاقت (اور اختیار) میں ہو۔

اور یہ مشاہدہ ہے کہ جب طبعی باوجود کوشش کے بھی زائل نہیں ہوتی پس جب ان سب مقدمات کو ذہن میں جمع کر لیا جائے تو سمجھ میں آجائے گا کہ جب دنیا بیشک مذموم ہے مگر اس مذموم سے مراد وہ حب ہے جو طبعی نہ ہو کیونکہ حب طبعی کا ازالہ وسعت سے خارج ہوتا ہے اور جو چیز وسعت سے خارج ہو انسان اس کا مکلف نہیں۔ لہٰذا حب طبعی کے ازالہ کا انسان مکلف نہیں۔ باقی جس محبت کا ازالہ اختیار میں ہے اُس کے ازالہ کا انسان مکلف ہو گا اور اسی اختیاری محبت کا نام محبت عقلی ہے۔[2]

محبتِ عقلی کامل اطاعت کا سبب ہے:۔

مولانا تھانویؒ نے ایک ملفوظ میں محبتِ عقلی کے بارے میں فرمایا کہ یہ محبت کامل اطاعت کا سبب بنتی ہے۔ جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو آپ ﷺ سے عقلی محبت تھی تو وہ آپ کی مکمل اطاعت کرتے تھے۔ چنانچہ اس حوالے سے مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں:

"حدیث میں آتا ہے "لا یؤمن احدکم حتیٰ آکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین"[3]

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کو اس کے باپ اور اولاد اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔

اس حدیث میں جو محبت کو شرط ایمان قرار دیا گیا تو عام طور پر لوگ اس محبت سے محبت طبعیہ مراد سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ محبت عقلیہ کاملہ مفضی الی الطاعۃ الکاملۃ مراد ہے۔ کیونکہ محبت طبعیہ تو بعض اوقات فاسق فاجر کو بھی حاصل ہو جاتی

---

[1] البقرۃ2:286

[2] الافاضات الیومیہ (ملفوظات حکیم الامت)، 9/144-145

[3] محمد فؤاد عبد الباقی، اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیہ الشیخان، کتاب الایمان، باب الحث علی اکرام الجار والضیف وقول الخیر۔۔۔، دارالفکر، بیروت، س۔ن، 1/17؛ ابن الاثیر، ابو السعادات المبارک بن محمد الجزری، مجد الدین، جامع الاصول فی احادیث الرسول، تحقیق: عبد القادر الارنؤوط، دارالفکر، بیروت، 1972ء، الکتاب الاول فی الایمان والاسلام، الفصل الثانی فی الجاز، 1/239

toobaafoundation.com

ہے۔ پھر محبت عقلیہ جو شرط ایمان کامل ہے وہ بھی مطلق محبت عقلیہ نہیں بلکہ محبت عقلیہ کا وہ درجہ جو کامل اور مفضی الی الطاعۃ الکاملۃ ہو۔ باقی محبت طبعیہ کو شرط الایمان کہاہی نہیں جاسکتا۔ اس لیے کہ محبت طبعیہ غیر اختیاری ہے۔ اگر ایمان کو محبت طبعیہ کے ساتھ مشروط کیا گیا تو ایمان غیر اختیاری ہو جائے گا۔ حالانکہ ایمان مامور بہ ہے اور مامور بہ کا اختیاری ہونا ضروری ہے۔ غرض یہاں محبت عقلیہ کاملہ مفضی الی الطاعۃ الکاملۃ مراد ہے اور یہی محبت عقلیہ مقصود ہے۔

پھر فرمایا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو محبت حضور ﷺ سے تھی اصل کمال اور فضیلت اُن کی یہی محبت عقلیہ تھی اور گو صحابہ کو محبت طبعیہ بھی حضور ﷺ کے ساتھ تمام عالم سے زیادہ تھی مگر اُس محبت طبعیہ پر بھی غالب محبت عقلیہ تھی اور حضرت زلیخا کو جو محبت حضرت یوسفؑ تھی وہ محبت طبعیہ تھی۔ پھر فرمایا کہ محبت عقلیہ کو دوام ہوتا ہے اور ہمیشہ ترقی کرتی رہتی ہے بخلاف محبت طبعیہ کہ اُس کو دوام بھی غیر اختیاری ہے۔"[1]

محبتِ عقلی اور طبعی میں فرق:۔

مولانا تھانویؒ اپنے ایک وعظ، جس کا عنوان "العید والوعید" رکھا گیا ہے اس میں محبت عقلی اور طبعی میں فرق ایک واقعہ کے حوالے سے اس طرح بیان کرتے ہیں:

"میرے پاس ایک دن میں چند خطوط آئے تھے جن کی شان خط ایک تھی اور مضمون بھی قریب قریب تھا اور سب میں ہدیہ دینے کے متعلق اطلاع تھی کہ ہم کچھ ہدیہ پیش کرنا چاہتے ہیں اگر اجازت ہو مگر ہر خط میں رقم کی مقدار مختلف تھی۔ اس اختلاف کے سوا اور سب باتیں یکساں تھیں، اگر میں نے ہدیہ کے متعلق کچھ معمولات مقرر نہ کیے ہوتے تو خوش اخلاقی سے لکھ دیتا کہ ہاں بھیج دو مگر میں بدون انشراح واطمینان کے ہدیہ قبول نہیں کرتا اس لیے میں نے لکھا کہ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ میرے پاس ایک ہی دن کی ڈاک میں اس مضمون کے چند خط آئے ہیں جو سب ایک ہی جگہ سے روانہ ہوئے اور یکساں شان خط ہے اور مضمون بھی قریب قریب ہے تو کیا مشورہ اور کمیٹی کر کے یہ خطوط لکھے گئے ہیں اگر واقعی ایسا ہوا ہے تو اس صورت میں یہ ہدیہ میں قبول نہیں کر سکتا۔ اس جواب کے بعد اور تو سب ندارد ہو گئے، کسی نے بھی کچھ جواب نہ دیا مگر ایک شخص کا خط آیا اس نے لکھا کہ یکساں خط اور یکساں مضمون ہونے کی وجہ یہ تھی کہ یہ گاؤں ہے ہم لوگوں کو لکھنا نہیں آتا اور لکھنے والا گاہے گاہے ملتا ہے، جب کوئی لکھنے والا دستیاب ہوتا ہے تو سب آدمی اسی سے خطوط لکھوا لیتے ہیں۔ یہ بات تو معقول تھی جو میرے معمول کے خلاف نہ تھی مگر اخیر میں ایک مضمون ایسا لکھا جو معمول کا موید تھا وہ یہ کہ اس نے یہ بھی لکھا کہ "لیکن اور سب کا یا تو جوش ختم ہو گیا یا رقم باقی نہیں رہی اس لیے سب خاموش ہو کر بیٹھ رہے اور میرا جوش بھی

---

[1] الافاضات الیومیہ (ملفوظات حکیم الامت)، 10 / 223

toobaafoundation.com

باقی ہے اور رقم بھی محفوظ ہے میں پیچھا نہیں چھوڑوں گا"۔اب میرا ارادہ ہے کہ اس کا ہدیہ قبول کرلوں گا مگر اس وقت اتنا پوچھا ہے کہ تم مجھ کو ہدیہ کیوں دیتے ہو تم کو مجھ سے کیا نفع ہوا اور اخیر میں یہ بھی لکھ دیا کہ دوسرے لوگوں کے جوش کی حالت دیکھ کر اب تو تم کو معلوم ہوا کہ میرے معمولات صحیح ہیں اور یہ کہ میں نے یہ اصول کیوں مقرر کیے ہیں تو اس واقعہ میں آپ نے دیکھ لیا کہ جوش تو چند روز میں ختم ہو گیا مگر محبت عقلی باقی رہی۔

اور یہیں سے معلوم ہو گیا کہ ذکر میں جوش وخروش مطلوب نہیں۔ذاکرین اس کی کمی سے پریشان نہ ہوا کریں،کیونکہ جوش کا اکثر قاعدہ ہے کہ جب تک مطلوب حاصل نہیں ہوتا اسی وقت تک رہا کرتا ہے حصول مطلوب کے بعد جوش نہیں رہا کرتا۔ہاں اگر مطلوب سے تعلق رہے تو بجائے شوق کے انس پیدا ہو جاتا ہے۔پس اس کا کم ہونا محرومی کی علامت نہیں بلکہ وصول کی علامت ہے۔شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی ذاکر نے شکایت کی کہ حضرت اب وہ پہلا سا جوش نہیں رہا تو فرمایا کہ تم کو خبر بھی ہے "پرانی جورو اماں ہو جاتی ہے" اور ظاہر ہے کہ محبت تو ماں کے ساتھ بھی ہوتی ہے مگر اس میں جوش نہیں ہوا کرتا۔۔۔سو ذکر کی یہی حالت ہے کہ اس میں اوّل ہی اوّل جوش وخروش ہوتا ہے پھر سکون ہو جاتا ہے اس لیے محبت طبعی سے محبت عقلی انفع ہے کیونکہ محبت طبعی کا منشا جوش طبیعت ہے اور جوش ہمیشہ نہیں رہا کرتا اور محبت عقلی بناء علی الکمالات ہوتی ہے تو جب تک کمالات باقی ہیں اس وقت تک محبت بھی باقی رہے گی اور محبوب حقیقی کے کمالات ختم نہیں ہو سکتے تو ان کی محبت بھی ختم نہ ہو گی۔[1]

اختیاری اور غیر اختیاری امور:۔

مولانا تھانویؒ اپنے طریقہ اصلاح وتربیت میں اس بات پر بہت زور دیتے ہیں:

کہ جن چیزوں کا حصول اپنے اختیار میں نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑے بلکہ ان کاموں کی فکر کرنی چاہیے جو اپنے اختیار میں ہوں۔اس اصول کو مولانا تھانویؒ نصف سلوک بلکہ کل سلوک قرار دیتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان ہی کاموں کے کرنے کا حکم اور ان ہی امور کا ذمہ دار قرار دیا ہے جو انسان کے بس اور اختیار میں ہیں۔چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔" لا یکلف اللہ نفساً الا وُسعھا"[2]۔ترجمہ: اللہ تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا ہے مگر اس کی طاقت کے مطابق۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کام کسی انسان کے بس ہی میں نہیں اللہ تعالیٰ اس کا حکم نہیں دیتے بلکہ اسی کام کا حکم دیتے ہیں جو انسان کے بس میں ہے۔

---

[1] تھانوی،اشرف علی،مولانا،رسالہ:الابقاء،بعنوان(العید والوعید)،مکتبہ تھانوی،کراچی،1955ء/ 1374ھ،26/11۔13

[2] البقرۃ2:286

toobaafoundation.com

مولانا تھانویؒ اس اصول کو اس قدر وسعت دیتے ہیں کہ ہر کام میں وہ اس بات کو خود بھی پیش نظر رکھتے ہیں کہ جو امور اختیاری ہیں ان کے پیچھے خود بھی نہیں پڑتے اور سالکین ومسترشدین کو بھی اپنے ملفوظات ومکتوبات اور مواعظ کے ذریعے ہدایت کرتے ہیں کہ ان چیزوں کے پیچھے مت پڑو جو تمہارے اختیار میں نہ ہوں۔ اگر کوئی طالب اصلاح اپنی برائی بیان کرکے آپ سے اصلاح کا طالب ہوتا تو فرماتے کہ اس برائی سے رکنا تمہارے اختیار میں ہے یا نہیں؟ اگر اختیار میں نہیں ہے تو پھر کوئی مؤاخذہ نہیں ہے اور اگر اختیار میں ہے تو اپنے اختیار کو کام میں لاتے ہوئے ہمت سے کام لو اور اس سے رُکنے کی کوشش کرو۔ مولانا کی اس تعلیم پر عمل کرکے انسان بہت سی ذہنی الجھنوں اور پریشانیوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور ایسا شخص کبھی مایوس نہیں ہونے پاتا۔

لیکن قبل اس کے کہ ہم مولانا کے اس اصول کا جائزہ لیں اس شبہ کا ازالہ کر دیا جائے کہ بندہ کے افعال کو اختیاری کہنا کس حد تک صحیح ہے۔ چنانچہ مولانا ہی کے الفاظ میں اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص نے جب مولانا سے دریافت کیا کہ:

"بندہ کے افعال کو اختیاری کیوں کہا جاتا ہے جب کہ بندہ کا وہ اختیار حق تعالیٰ کے اختیار کے تابع ہے تو بندہ پھر مختار کہاں رہا؟ لہٰذا بندہ کے افعال بندہ کے اختیار میں کیسے کہے جاسکتے ہیں؟

مولانا نے ارشاد فرمایا:

قاعدہ ہے کہ فعل کی نسبت عقلاً علت قریبہ کی طرف کی جاتی ہے اور ان افعال کی علت اختیار عبد ہے اور اس اختیار عبد کی علت حق تعالیٰ کا اختیار ہے تو اختیار حق ان افعال عبد کی علت بعیدہ ہوئی اور علت قریبہ ان کی بندہ کا اختیار ہوا اس لیے افعال کو بندہ کے اختیار کی طرف منسوب کرنا صحیح ہوا۔"[1]

مولانا تھانویؒ نے اپنے اسی حکیمانہ اصول کے ذریعے کہ غیر اختیاری امور کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے اور اختیاری امور پر عمل کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے طالبین اصلاح کے بہت سے روحانی وباطنی امراض کا علاج کیا اور بہت سے لوگوں کی اصلاح ہوگئی۔ نیز اسی اصول کی بناء پر بہت سی جزئیات اخذ کیں۔ ایک مجلس میں مولانا تھانویؒ نے فرمایا:

"انفعالات (یعنی کیفیت اس فعل کا اثر طبیعت پر ہونا) غیر اختیاری اور افعال اختیاری ہیں اور وہی اس طریق میں مطلوب ہیں۔ انفعالات مطلوب نہیں ان کی فکر میں پڑنا خود اپنے لیے پریشانی خریدنا ہے۔"[2]

---

[1] ملفوظات حکیم الامت، 10/213

[2] عثمانی، محمد شفیع، مفتی، مجالس حکیم الامت، دار الاشاعت، کراچی، 1396ھ، ص:324

toobaafoundation.com

"اسی طرح ایک سالک کو جنہوں نے خط کے ذریعے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ عبادت کی دلی رغبت اور شوق پیدا ہو جائے۔ مولانا تھانویؒ نے جواب میں تحریر فرمایا:

"یہ امر غیر اختیاری ہے اس کے درپے نہ ہو"۔"[1]

بیماری میں صبر کرنا کس حد تک اختیاری اور غیر اختیاری ہے:۔

مولانا تھانویؒ نے اس ضمن میں فرمایا ہے کہ:

"لوگ سمجھتے ہیں کہ بیماری میں صبر کرنا اختیار سے خارج ہے یہ غلط ہے۔ صبر یہ نہیں کہ اُس تکلیف کا کوئی اثر ہی ظاہر نہ ہو۔ یہ بیشک اختیار سے خارج ہے اُسی حد تک آدمی صبر کا مکلف ہے جہاں تک اُس کا اختیار ہے۔ مثلاً اگر شدت تکلیف میں کراہے یا بضرورت اپنا حال ظاہر کرے یا بے اختیار تڑپے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ لیکن اس حالت میں بھی آدمی خدا تعالیٰ کی شان میں بے ہودہ کلمات منہ سے نکالنے پر مجبور نہیں۔ یہ فعل اُس کا فعلِ اختیاری ہو گا۔ اگر ایسا کرے گا تو گناہ ہو گا۔ یہ شخص انقیاد اختیاری کا ایسے وقت بھی مکلف ہے۔ مثلاً کسی کے گردہ میں درد ہے تو اُس کو چاہیے کہ صبر کرے اور قضاو قدر پر راضی رہے اور جو افعال اس سے بے اختیار سرزد ہوں مثلاً تڑپنا چلّانا یہ خلاف رضا کے نہیں، یہ فعل طبعی ہے۔ خلاف رضا یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی شکایت دل میں ہو۔ مثال دے کر سمجھاتے ہیں کہ مثلاً یوں سمجھے کہ مجھ ہی کو اس مصیبت کے ساتھ خاص کیوں کیا کچھ میں نے ہی خطا کی تھی اور لوگ بڑے بڑے گناہ کرتے ہیں اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔ یا زبان سے شکایت کے کلمات کہے۔ یہ باتیں بیشک رضا کے خلاف ہیں جن میں طبعاً انسان مجبور نہیں۔ باقی تڑپنا اور چلّانا طبعی بات ہے یعنی طبعاً انسان اس میں مجبور ہے۔ غرض مصیبت میں صبر کرنا اور حدود شرعیہ کا خیال رکھنا یہ انقیاد اختیاری ہے۔"[2]

وساوس بھی غیر اختیاری ہیں:۔

مولانا تھانویؒ نے وساوس کے بارے میں بھی کہا کہ یہ بھی غیر اختیاری ہیں۔ ان کی وجہ سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ مولانا تھانویؒ کی اس اجتہادی کوشش کی وجہ سے بہت سے مایوس لوگوں کو اپنی اصلاح کی امید نظر آنے لگی۔ جیسا کہ وساوس کے دفع کے بارے میں ایک سائل کے جواب میں فرمایا:

---

[1] مجالس حکیم الامت، ص:305

[2] تھانوی، اشرف علی، مولانا، اسلام الحقیقی، رسالہ "الابقاء"، مکتبہ تھانوی، کراچی، 1958ء، 80/29

toobaafoundation.com

"جب تخیلات کا ہجوم ہو اپنے قصد اور اختیار سے کسی نیک خیال کی طرف فوراً متوجہ ہوجانا اور متوجہ رہنا چاہیے۔اس کے بعد بھی اگر تخیلات باقی رہیں یا نئے آویں ان کا رہنا یا آنا یقیناً غیر اختیاری ہے۔کیونکہ مختلف قسم کے دو خیال ایک وقت میں اختیاراً جمع ہو نہیں سکتے۔

بس اشتباہ رفع ہوگیا اور اگر بالاختیار اچھے خیال کی طرف توجہ کرنے میں ذہول ہوجائے تو جب تنبہ ہو ذہول (غفلت) کا تدارک توبہ واستغفار سے کرلے۔پھر اسی تدبیر پر استحضار (یاددہانی کرنے) سے کام لیا جائے۔یہ طریق عمل اس قدر سہل ہے کہ اس سے سہل کوئی چیز ہے ہی نہیں۔پس اس کو دستور العمل بنا کر بے فکر ہوجانا چاہیے۔"[1]

اختیاری وغیر اختیاری کا مسئلہ نصف سلوک بلکہ کل سلوک ہے:۔

مولانا تھانویؒ اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر اختیاری اور غیر اختیاری کی پہچان کو نصف بلکہ کل سلوک قرار دیتے ہیں۔مولانا تھانویؒ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

"اختیاری وغیر اختیاری کا مسئلہ بہت احتیاط کر کے عرض کرتا ہوں کہ نصف سلوک ہے ورنہ کل ہی سلوک ہے۔اس مسئلہ کے نہ جاننے سے ایک عالم پریشانی میں ہے۔"[2]

مولانا تھانویؒ اس حوالے سے مزید سالکین کی رہنمائی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"یہ قاعدہ کلیہ عمر بھر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو امور اختیار میں ہوں اور فضول نہ ہوں اُن کا تو قصد کرے اور جو اختیار میں نہ ہوں اُن کا ہرگز قصد نہ کرے۔اسی طرح اگر زندگی بسر کرے تو اس کا دین ودنیا دونوں درست ہو جائیں،پریشانی تو ایسے شخص کے پاس نہیں پھٹک سکتی۔بس خدا سے اپنا دل لگائے رکھے جس کو پریشانی نہ ہوگی دل بھی اسی کا خدا کی طرف لگ سکتا ہے۔ورنہ پریشانی میں آدمی عبادت بھی نہیں کر سکتا۔جمعیت بڑی دولت ہے مگر پھر پریشانی وہی مضر ہے جو اپنے اختیار سے لائی جائے اور جس پریشانی میں اپنے اختیار کو دخل نہ ہو وہ ذرا بھی مضر نہیں بلکہ مفید ہے۔"[3]

سالک کو اختیاری کاموں میں لگنا چاہیے:۔

مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ کو اُن کے مرید نے کسی مقام سے لکھا تھا کہ یہاں کافروں کا بہت زور

---

[1] عارفی، عبدالحی، ڈاکٹر، مآثر حکیم الامت، مرتب: مسعود احسن علوی، ادارہ اسلامیات، لاہور، 1986ء، ص:440-441

[2] حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا طریقہ اصلاح، ص:94

[3] ایضاً، ص:96

toobaafoundation.com

ہے، دعا فرمائیے۔انہوں نے لکھا کہ:

"کیا ہم نے تم کو وہاں نامہ نگاری کے لیے بھیجا ہے؟ کیا تم وہاں کے ایڈیٹر ہو جو اس قسم کی خبریں لکھتے ہو؟ خبر دار! جو پھر کبھی ایسی باتیں لکھیں۔اپنے کام میں مشغول رہنا چاہیے۔ تمہیں اس سے کیا بحث کافروں کا زور ہو، چاہے شور ہو۔"[1]

دوزخ یا جنت میں جانا بھی اختیاری ہے:۔

اسی اصول کے تحت مولانا تھانویؒ نے ایک عجیب نقطہ بیان کیا ہے۔فرماتے ہیں:

"ایک شخص عمر بھر جنتیوں کے عمل کرتا ہے۔پھر آخر میں وہ ایک عمل ایسا کرتا ہے جو موجب نار ہو جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جان بوجھ کر ایسا عمل کرتا ہے اور با اختیار خود ناری ہو جاتا ہے یہ نہیں کہ کسی غیر اختیاری عمل پر اس کو دوزخ میں بھیج دیا جاتا ہے یعنی ایک تو یہ کہ وہ بات جو موجب نار ہو جاتی ہے وہ چھوٹی بات نہیں ہوتی بلکہ بہت بڑی بات ہوتی ہے۔دوسرے یہ کہ وہ بات غیر اختیاری نہیں ہوتی۔اس سے معلوم ہوا کہ دوزخ میں جانا بھی اختیاری ہے اور جنت میں جانا بھی اختیاری ہے۔"[2]

غیر اختیاری کاموں کے پیچھے پڑنے کا باطنی ضرر:۔

غیر اختیاری اور غیر ضروری کاموں کے پیچھے پڑنے سے باطنی ضرر ہوتا ہے۔مولانا تھانویؒ نے اس حوالے سے ایک ملفوظ میں فرمایا:

"آج کل لوگ غیر ضروری یا غیر اختیاری باتوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ ایسا کوئی عمل بتلادیا جائے کہ جس سے حضور ﷺ کی زیارت ہو جائے۔یہ امر غیر اختیاری ہے اور غیر اختیاری کے پیچھے پڑنے سے اندیشہ باطنی ضرر کا ہے اور وہ ضرر یہ ہے کہ ایسی چیزیں موجب تشویش قلب ہو جاتی ہیں اور تشویش اس طریق میں سخت مخل مقصود ہے۔دوسرے اگر زیارت بھی ہو جائے تو بیداری میں تو ہو گی نہیں، خواب میں ہو گی اور خواب میں ہونے سے نفع مقصود کیا ہوا کیونکہ اس سے کوئی اصلاح تو ہو نہیں سکتی جو کہ اصل مقصود ہے۔یوں مطلق زیارت

---

[1] مجذوب، عزیز الحسن، خواجہ، حسن العزیز، ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، س۔ن، ص:514

[2] مآثر حکیم الامت، ص:435

toobaafoundation.com

حضور ﷺ کی بلاشبہ برکت کی چیز ہے مگر اس زیارت سے جب کہ اصلاح نہ ہو تو مقصود نفع کیا ہوا آخر کیا کفار عرب کو حضور ﷺ کی زیارت نہیں ہوئی مگر نفع کیا ہوا۔"[1]

خلاصہ بحث:۔

محبت طبعی وہ ہے جو انسان کی فطرت میں ودیعت کر دی گئی ہے۔محبت عقلی وارادی وہ ہے جو قصد وارادہ کے ساتھ کی جائے۔انسان محبت طبعی کے ازالہ کا مکلف نہیں ہے۔مولانا تھانویؒ کے نزدیک عقلی محبت کی زیادہ ضرورت ہے۔اس لیے کہ اس میں دوام وثبات ہوتا ہے۔جن چیزوں کا حصول اختیار میں نہ ہو اس کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے۔

انفعالات (کیفیات) مطلوب نہیں اس لیے ان کی فکر کرنا اپنے لیے پریشانی خریدنا ہے۔مولانا تھانویؒ کے نزدیک اگر تخیلات کا ہجوم ہو تو کسی نیک کام کی طرف متوجہ ہونا چاہیے، پھر بھی وساوس وخیالات ختم نہ ہوں تو یہ انسان کے اختیار میں نہیں۔مولانا تھانویؒ کے نزدیک وساوس بھی غیر اختیاری ہیں۔اس سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔غیر اختیاری واختیاری کا مسئلہ نصف سلوک ہے۔اس مسئلہ کے نہ جاننے کی وجہ سے ایک عالم پریشان ہے۔جنت یا دوزخ کا دخول بھی اختیاری ہے ۔اس لیے کہ جنت یا دوزخ کے فیصلے کا انحصار عمل پر ہے اور عمل اختیاری چیز ہے۔بعض اوقات غیر اختیاری کاموں میں مصروف ہونے کی وجہ سے باطنی ضرر کا خدشہ ہوتا ہے۔

[1] ملفوظات حکیم الامت، 5/234

toobaafoundation.com

باب چہارم

علم تصوف اور علم شریعت۔۔۔۔۔۔۔ مولانا تھانویؒ کے مجددانہ نظام استدلال کا مطالعہ

toobaafoundation.com

فصل اول

تصوف کی قرآنی بنیادیں (تفسیر اشاری اور اس کے متعلقات کے تناظر میں)

فصل دوم

مہمات و مسائل تصوف پر حدیثی استدلالات کی تجدیدی تشکیل

فصل سوم

علم فقہ و علم تصوف تلازم و تطابق۔۔۔ مولانا تھانویؒ کی کتب کا تحقیقی مطالعہ

فصل چہارم

صوفیاء کے مسائل کشفیہ و کلامیہ پر مولانا تھانویؒ کی مجددانہ تصریحات

toobaafoundation.com

فصل اول

تصوف کی قرآنی بنیادیں (تفسیر اشاری اور اس کے متعلقات کے تناظر میں)

toobaafoundation.com

فصل اول:

تصوف کی قرآنی بنیادیں (تفسیر اشاری اور اس کے متعلقات کے تناظر میں)

تفسیر اشاری کی تعریف:۔

تفسیر اشاری کا مطلب صوفیانہ طرز و اسلوب پر لکھی گئی تفسیر ہے۔اس کو "علم الاعتبار" بھی کہا گیا ہے۔شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ نے "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" کے چوتھے باب میں مفسرین کے جن سات طبقات کا ذکر کیا ہے ان میں ایک صوفیاء کا طبقہ بھی ہے۔

صوفیانہ منہجِ تفسیر کے حوالے سے شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

1. "و جماعة یتکلمون بنکات متعلقة بعلم السلوک اوعلم الحقائق بادنیٰ مناسبة و هذا مسلک الصوفیین" [1]

ترجمہ: یعنی ایک مفسرین کا گروہ وہ ہے جو "علمِ سلوک" اور "علمِ حقائق" سے ادنیٰ مناسبت کی بنیاد پر متعلقہ نکات کے حوالے سے گفتگو کرتے ہیں اور یہ صوفیاء کا مسلک ہے۔

2. محمد عبد العظیم الزرقانی (م۱۹۴۸ء) اپنی کتاب "مناهل العرفان فی علوم القرآن" میں تفسیر اشاری کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

"هو تاویل القرآن بغیر ظاهره لاشارة خفیة تظهر لأرباب السلوک والتصوف ویمکن الجمع بینها وبین الظاهر والمراد ایضا، وقد اختلف العلماء فی التفسیر المذکور فمنهم من أجازه ومنهم من منعه" [2]

ترجمہ: "یعنی تفسیر اشاری کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی تاویل اس کے ظاہری معنی کے علاوہ کسی ایسے معنی سے کی جائے جس کی بنیاد کوئی ایسا مخفی اشارہ ہو جو ارباب سلوک و تصوف پر منکشف ہوا ہو ان دونوں (تاویل میں جو معنیٰ بیان ہوئے ہیں اور ظاہری مراد) کو جمع کرنا بھی ممکن ہو۔"

1۔ دہلوی، ولی اللہ، شاہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، قدیمی کتب خانہ آرام باغ، کراچی، س-ن، ص:72

2۔ الزرقانی، محمد عبد العظیم، مناہل العرفان فی علوم القرآن، مطبعہ عیسی البانی الیحیی وشرکاءہ، س-ن، 2/78

toobaafoundation.com

اس کے بعد صاحب "مناہل العرفان "لکھتے ہیں کہ:

"علماء کے درمیان اس طرح کی تفسیر کے جواز وعدم جواز کی بابت اختلاف ہے، بعض حضرات نے تو اس کی اجازت دی ہے اور کچھ لوگ اسے ناجائز کہتے ہیں۔"

تفسیر اشاری کی طرز واسلوب پر لکھی گئی بنیادی کتب:۔

اگر تفاسیر کے ذخیرہ کو دیکھا جائے تو محمد عبدالعظیم الزرقانی کے مطابق اس اسلوب کے مطابق چار بنیادی تفاسیر کا تذکرہ ملتا ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:

"وأهم كتب التفسير الاشاری أربعة تفسير النيسابوری و تفسير الألوسی و تفسير التستری و تفسير محی الدين بن عربی"[1]

1. تفسیر نیشاپوری (غرائب القرآن ورغائب الفرقان):
مصنف: المؤلف: نظام الدين الحسن بن محمد بن حسين القمی النيسابوری (م ۸۵۰ھ)
2. تفسیر آلوسی اسکا نام "روح المعانی" ہے:

مصنف: شہاب الدین السید محمد الالوسی البغدادی، مفتی بغداد (م ۱۲۷۰ھ)

3. تفسیر التستری:

مصنف: ابو محمد سہل بن عبداللہ التستری (م ۳۸۳ھ)

4. تفسیر ابن عربی:

مصنف:۔ عبداللہ محمد بن علی بن محمد بن احمد بن عبداللہ محیی الدین بن عربی الحاتمی الصوفی الفقیہ المحدث، ۵۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور دمشق میں ۶۳۸ھ میں وفات پائی۔[2]

محمد عبدالعظیم الزرقانیؒ نے ان تفاسیر کے اسماء ذکر کرنے کے بعد ان کا تعارف اور اسلوب بھی بیان کیا ہے۔ اور اسلوب تفسیر کی چند امثلہ بھی ذکر کی ہیں۔

---

[1] مناہل العرفان فی علوم القرآن، 2/82

[2] ایضاً، 2/82-86 ملخصاً

toobaafoundation.com

کیا تفسیر اشاری معتبر ہے؟

تفسیر اشاری کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وأما أرباب الإشارات الذين يثبتون ما دل اللفظ عليه ويجعلون المعنى المشار إليه مفهوما من جهة القياس والاعتبار فحالهم كحال الفقهاء العالمين بالقياس، والاعتبار هذا حق إذا كان قياسا صحيحا لا فاسدا واعتبارا مستقيما لا منحرفا"[1]

ترجمہ: ارباب اشارات جو لفظی مدلول کو ثابت رکھتے ہوئے اشاری معنی قیاس واعتبار کے طور پر سمجھتے ہیں۔ یہ قیاس و اعتبار کے عالم فقہاء کی طرح ہیں اور اگر قیاس درست اور اعتبار صحیح ہو تو یہ تفسیر تفسیر حق ہے۔

تفسیر اشاری کو قبول کرنے کی شرائط:۔

علامہ زرقانیؒ نے تفسیر اشاری کی قبولیت اور عدم قبولیت کے حوالے سے علامہ جلال الدین سیوطیؒ اور ابن صلاحؒ وغیرہ کے اقوال ذکر کرنے کے بعد اس کی پانچ شرائط بیان کی ہیں جو درج ذیل ہیں:

"أن التفسير الإشاري لا يكون مقبولا إلا بشروط خمسة وهي:

i. ألا يتنافى وما يظهر من معنى النظم الكريم.

ii. ألا يدعى أنه المراد وحده دون الظاهر.

iii. ألا يكون تأويلا بعيدا سخيفا كتفسير بعضهم قوله تعالى: {وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ}[2] بجعل كلمة {لَمَعَ} ماضيا وكلمة {الْمُحْسِنِينَ} مفعوله.

iv. ألا يكون له معارض شرعي أو عقلي.

v. أن يكون له شاهد شرعي يؤيده."[3]

ترجمہ: یعنی جو سابقہ بحث گزری ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر تفسیر اشاری کے اندر پانچ شرائط موجود نہ ہوں تو وہ مقبول نہ ہوگی۔ اور وہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ ابن تیمیۃ، أحمد بن عبد الحليم، مجموع الفتاوى، فصل في قيام الممكنات والمحدثات بالواجب القديم، دار الوفاء، 1426ھ / 2005ء، 2/28

2۔ العنکبوت 29:69

3۔ مناهل العرفان فی علوم القرآن، 2/81

toobaafoundation.com

1. نظم قرآن کے معنی سے جو بات ظاہر ہو اس کے منافی نہ ہو۔
2. اس بات کا دعویٰ نہ کیا گیا ہو کہ اس سے مراد بس یہی ہے اور ظاہری معنی مراد نہیں ہے۔
3. ایسی دور از کار تاویل نہ ہو، جو کھینچ تان کر زبردستی پیدا کی گئی ہو۔ جیسے کہ کسی نے اللہ کے قول {وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ} کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ "لمع" فعل ماضی ہے(روشن ہوا) اور "محسنین" اس کا مفعول ہے۔
4. کوئی شرعی یا عقلی امر اس کے معارض نہ ہو۔
5. اس کی تائید و استشہاد کیلیے کوئی شرعی بنیاد ہو۔

اس کے بعد علامہ زرقانی نے ان شرائط پر تبصرہ بھی کیا ہے۔

تفسیر اشاری کے حوالے سے مولانا تھانویؒ کی تصنیفات:۔

تفسیر اشاری کے حوالے سے مولانا تھانوی کی دو کتب خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

1. تائید الحقیقۃ بالآیات العتیقۃ۔
2. مسائل السلوک من کلام ملک الملوک۔

1) تائید الحقیقۃ بالآیات العتیقۃ:

مولانا تھانویؒ اس کتاب کی وجہ تالیف کے حوالے سے لکھتے ہیں: کہ مجھے ۱۳۲۷ھ کو بہاولپور جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں قیام کے دوران میں نے ایک کتاب دیکھی جس کا نام کاتب نے فہرست میں "شواہد احکام الصوفیۃ من القرآن" لکھا تھا۔ تو جب میں نے اس کتاب کو دیکھا تو اس کو اپنی غرض کے موافق پایا، اس لئے میں نے مالک سے یہ کتاب عاریتاً لی اور وطن واپس آکر اس کتاب کا خلاصہ لکھا۔ اور جہاں ضرورت محسوس کی اس میں کمی بیشی کی۔ اور میں نے اس کا نام " تائید الحقیقۃ بالآیات العتیقۃ" رکھا۔[1]

اب اس کتاب کو مولانا تھانویؒ کی مشہور کتاب "التکشف عن مہمات التصوف" میں شامل کر دیا گیا ہے۔ جو کہ عربی زبان میں ہے۔ اور " التکشف عن مہمات التصوف" کے صفحہ نمبر ۳۹۴ سے ۴۱۰ تک ۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں قرآنی سورتوں کی ترتیب کے مطابق تصوف کے مسائل مختصر الفاظ میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کے عربی متن کے متصل بعد مولانا شاہ لطف رسول کا اس کتاب کا اردو ترجمہ " التکشف عن مہمات التصوف" میں دیا گیا ہے۔ اور یہ اردو ترجمہ اس کتاب کے ۲۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

1۔ تھانوی، اشرف علی، مولانا، التکشف عن مہمات التصوف، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، 1430ھ، ص:394

toobaafoundation.com

2) مسائل السلوک من کلام ملک الملوک:(یعنی مسائلِ تصوف قرآن کی روشنی میں)

یہ کتاب ویسے تو مولانا تھانویؒ کی تفسیر "بیان القرآن" کا حصہ ہے مولانا تھانوی نے بیان القرآن میں مسائل تصوف "مسائل السلوک من کلام ملک الملوک" کے عنوان کے تحت ذکر کیے ہیں۔ لیکن اب اس کتاب کو قارئین کی آسانی کے پیش نظر تفسیر "بیان القرآن" سے الگ بھی شائع کیا گیا ہے۔ ادارہ اسلامیات، لاہور نے بھی یہ کتاب مسائل السلوک من کلام ملک الملوک یعنی مسائل تصوف قرآن کی روشنی میں، طبع کی ہے۔ اور اس کتاب کے عنوانات محمد اقبال قریشی نے تجویز کیے ہیں۔ اور یہ کتاب ۵۳۹ صفحات پر مشتمل ہے۔

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک علماء کرام کی نظر میں:۔

1. :سید سلیمان ندویؒ اس کتاب کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جاہل پیروں اور دکاندار صوفیوں نے یہ مسئلہ گھڑا ہے کہ شریعت اور طریقت دو چیزیں ہیں اور اس زور وشور سے اس کو شہرت دی عوام تو عوام خواص تک اس کا رنگ چھا گیا ہے۔ حالانکہ یہ تمام تر لغو اور بے معنی ہے۔ مجددالملتؒ نے تمام عمر لوگوں کو یہی تلقین فرمائی ہے کہ طریقت عین شریعت ہے۔ احکام الٰہی باخلاص تمام تعمیل وتکمیل ہی کا نام طریقت ہے دگر ہیچ، اور یہی خواص امت کا مذہب ہے۔ اور جس نے اس کے سوا کہا وہ دین کی حقیقت سے جاہل اور فن سلوک سے ناآشنا ہے۔ حضرت مجددالملتؒ نے اس فن کے مسائل کو سب سے پہلے کلام پاک سے مستنبط فرمایا اور اس کے متعلق "مسائل السلوک من کلام ملک الملوک" اور "تائید الحقیقۃ بالآیات العتیقۃ" نام کے دو رسالے تالیف فرمائے۔"[1]

2. ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ "مسائل السلوک من کلام ملک الملوک" کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"اس کی ہر سطر مدلولِ آیت قرآنی اور ہر جملہ مصدر کیف روحانی ہے۔ سلوک کے ہر مسئلے کو آیاتِ قرآنیہ سے ثابت فرمایا ہے اور تصوف کے ہر شعبہ کی کلام اللہ سے تائید فرمائی۔ یہ کتاب شریعت کی روح اور طریقت کی جان ہے۔ مخالفین تصوف کے لیئے اتمام حجت اور محبینِ سلوک کے لیئے موجب ازدیادِ محبت ہے۔"[2]

---

[1] ندوی، سید سلیمان، علامہ، مجدد ملت کے آثار علمیہ، المعارف(ماہنامہ)، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، انڈیا، فروری، 1944ء، جلد:53 ، ص:90 ؛ حسنِ تدبیر، سہ ماہی(حکیم الامت نمبر)، دہلی، جلد:1، شمارہ:3، مئی۔اکتوبر2007ء، ص:108

[2] فہرست تالیفات حکیم الامتؒ، ص:218

toobaafoundation.com

"مسائل السلوک من کلام ملک الملوک" کے چند مضامین کی فہرست:۔

ذیل میں اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر اس کی فہرستِ مضامین سے چند مضامین کے عنوانات ذکر کیے جاتے ہیں:

"اہل اللہ کے ساتھ معاملہ عداوت کیسا ہے؟ مدارِ خلافت علم و فہم ہے، استدراج اور خطر، کبر اکثر معاصی کی اصل ہے، ادب شیخ کی تعلیم، ذکر اللہ کا اصلی ثمرہ، مراقبہ کا ثبوت، مدرکات روحانیہ کا اثبات، فنا کے اندر بقاء، امور طبعیہ کاملین میں بھی رہتے ہیں۔ تخفیف اعمال کی اصل، ابطال مداہنت، اہل اسرار کے کلام کے احکام، مجادلہ سے اعراض، ربانی کون ہیں، غصہ طبعی کمال کے منافی نہیں، جہاد اکبر کی نظیر، مرابطہ نفس، فضائل غیر اختیاریہ کے درپے نہ ہونا چاہیے، استغراق میں ترقی رک جاتی ہے، صوفیاء کا طریق احسن، یقین کے مراتب غیر متناھی ہیں، طلب جاہ کی مذمت، تبرکات کی تعظیم کا حکم، قبض معاصی کا سبب ہے، ہر ندامت توبہ نہیں، توبہ کا معتبر ہونا اصلاح پر موقوف ہے، مشائخ کو متصرف مستقل سمجھنے کا ابطال، زُہد کی تعدیل، اہل اللہ میں خوارق کی تلاش سے گریز کرنا چاہیے، تکالیف شرعیہ انبیاء سے بھی ساقط نہیں ہوتیں، عبدیت اور لوازم بشریت، اسباب منافی توکل نہیں، غلوفی الزھد کی ممانعت، قبض اور بسط عقلی ہیں، مرشد کے دو اہم کام، مال اور جاہ کی تحصیل میں انہاک مذموم ہے، اصلاح ظاھر و باطن کو جمع کرنے کا حکم، شیوخ سے اجتہادی خطا ہو سکتی ہے، گمراہ صوفیوں کا حال، امور غیبیہ غیر اختیاریہ ہیں، اوصافِ سالکینِ اپنے شیخ کے کشف اور خواب پر بالکل جزم نہ کرنا چاہیئے، شیخ پر امتناع خطا کا اعتقاد قبیح ہے، جاھل پیر کا مریدوں کے نذرانے بند ہونے کے خوف سے حق چھپانا، اولیاء کے مزارات پر فجور اور بدعات کا صدور قبح میں اشد ہے، اعمال قلب وغیرہ مطلع ہونے کا دعویٰ نازیبا ہے، مجاہدہ کی ابتداء نفس سے کرنا چاہیئے، شیخ میں جن اوصاف کا ہونا لازم ہے، علماء رسوم کا حال، صاحب ارشاد کا صاحبِ تصرف یا صاحب کشف ہونا ضروری نہیں، ہدایت شیخ کے قبضہ میں نہیں، شیخ کی توجہ کو اصلاح میں بڑا دخل ہے، تدبیر شرعی منافی توکل نہیں، غیر اللہ احیاء و اموات سے استغاثہ کرنے والوں کا نقصان، کسی کو اپنے حال و کمال پر ناز نہ کرنا چاہیئے، ادراک کشفی و عقلی، عبودیت اشرفِ اوصاف ہے، اہل طریق کا ماضی کی یاد کو حجاب کہنے کا مقصد، اسرار غیر ضروریہ کا تفحص مذموم ہے، طالبانِ حق کی شان، حق تعالیٰ شانہ کے سوا کوئی مختارِ کامل نہیں، قطب التکوین اولیاء کا اثبات، مؤثر حقیقی حق تعالیٰ شانہ ہیں، جذب کی سلوک پر تقدیم، تصور شیخ میں راہ اعتدال، اہل اللہ کو غیب کا علم نہیں ہوتا۔ تربیت میں سہولت کی ضرورت، مریدین سے مال طلب کرنیکی مذمت، اخیار کو اشرار سے میل جول نہ رکھنا چاہیئے، خانقاہ کا ادب اور حق، اولیاء لوازم بشریت سے ماوراء نہیں ہوتے، خوارق اہل اللہ کے قبضہ میں نہیں، اظہار نعمت عجب و کبر میں داخل نہیں، کسی کے گناہوں کا ذمہ کوئی بھی نہیں لے سکتا، عقل و نظر کے ہوتے ہوئے تسویل نفسانی و شیطانی

toobaafoundation.com

عذر نہیں، شیخ کا حکم باپ کا سا نہیں، مسئلہ فنا اور اشتیاق الی الموت، قوی کو کبھی ضعیف سے علم حاصل ہو جاتا ہے، غیر اللہ میں علم و قدرت کی نفی، کبر بعض اوقات کفر تک پہنچا دیتا ہے، جاہ اور کمال میں تنافی نہیں، جس حیلہ میں مقصود شرعی کا ابطال ہو وہ جائز نہیں، تصوف باطل ہر فرحت کی مذمت، شیخ کو خود بھی عامل ہونا چاہیئے، کمالات سب موہوب ہیں، جس کی اصلاح کی امید نہ ہو اس سے قطع تعلق جائز ہے، معصیت سے اعمال کے انوار و برکات مضمحل ہو جاتے ہیں، کفار کو بھی بلا مجاہدہ کشف ہو سکتا ہے، قسوت طویل غفلت سے پیدا ہوتی ہے، محبت الٰہی کی مخالفت کرنیوالے سے نفرت لازم ہے، اسباب فتنہ سے بچنا مطلوب ہے، محض عدم مال و جاہ کی بناء پر اہل اللہ کے استحقار کی مذمت، جاہل سے غایت شفقت مطلوب ہے، صوفی کے مشاغل، شراب طہور کے حقائق و اسرار، نخوت قبول حق سے مانع ہے، مراقبات نافعہ فی الاصلاح، تکمیل مراتب اخلاص، مشائخ کو بعد ارشاد متوجہ الی اللہ ہونا چاہیئے، اسباب طبعیہ سے اہلِ باطل کا اثر بھی ہو سکتا ہے، غفلت کا علاج ذکر ہے۔۔۔وغیرہ"[1]

قرآن کی روشنی میں مسائلِ تصوف۔۔۔مولانا تھانویؒ کے اجتہادات:۔

1۔ "يَابَنِي إِسۡرَائِيلَ اذۡكُرُوا نِعۡمَتِيَ الَّتِي أَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَأَوۡفُوا بِعَهۡدِي أُوفِ بِعَهۡدِكُمۡ "[2]

ترجمہ: اے بنی اسرائیل یاد کرو تم لوگ میرے احسانوں کو جو کئے ہیں میں نے تم پر اور پورا کرو میرے عہد کو پورا کروں گا میں تمہارے عہد کو۔[3]

مولانا اشرف علی تھانویؒ اس آیت کی تفسیر میں وفا کے مراتب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وفا کے مراتب:۔

"(اوفو ابعھدی) مراتب وفا میں نہایت وسعت ہے۔ پس ہماری جانب سے اول مرتبہ ادائے کلمہ شہادت ہے۔ اور حق تعالیٰ کی طرف سے جان و مال کی حفاظت ہے اور آخیر ہماری طرف سے فنا ہے۔ یہاں تک کے فنا سے بھی فنا ہو جانا اور حق تعالیٰ کی طرف سے صفات و اسماء کے انوار سے آراستہ کر دینا پس وفا کی تفسیر ہیں جو آثار مختلفہ آئے ہیں اور وہ باعتبار مراتب متوسطہ کے ہیں اور وہ بکثرت ہیں اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اول مرتبہ ہماری طرف سے توحید افعال ہے

1۔ تھانوی، اشرف علی، مولانا، مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، عنوانات، محمد اقبال قریشی، ادارہ اسلامیات، لاہور ، 1990ء، ص:7 تا 43

2۔ البقرۃ 40:2

3۔ تھانوی، اشرف علی، مولانا، القرآن الکریم مع ترجمہ و تفسیر بیان القرآن (اختصار شدہ)، پاک کمپنی، اردو بازار لاہور، س۔ن، ص:9

toobaafoundation.com

اور آخر توحید صفات اور توحید ذات، اور حق تعالیٰ کی طرف سے وہ معارف واخلاق ہیں جو ہر مرتبہ میں مناسب اس مرتبہ کے سالک پر فائض کئے جاتے ہیں۔"[1]

2۔ "وَإِذْ وَاعَدْنَا مُوسَى أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ"[2]

ترجمہ:۔ اور جب کہ وعدہ کیا تھا ہم نے موسیٰؑ سے چالیس رات کا پھر تم لوگوں نے تجویز کر لیا گوسالہ کو اور تم نے ظلم پر کمر باندھ رکھی تھی۔

اس آیت میں موسیٰؑ کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی مدت ۴۰ راتیں بیاں ہوئی ہے۔ ان ۴۰ راتوں سے مولانا تھانویؒ نے صوفیاء کے چلے کی دلیل بیان کی ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

چلہ کی اصل:۔

یہ آیت اہل سلوک کے چلہ کی اصل ہے اور گو یہ موسیٰؑ کا قصہ ہے۔ لیکن جب اس کو نقل کر کے اسپر انکار نہیں کیا گیا تو یہ ہمارے لئے حجت ہو گیا خصوصاً جبکہ اس باب میں حدیث بھی آئی ہے۔[3]

چلہ کی اصل کے حوالے سے حدیث سے استشہاد:۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں مولانا تھانویؒ نے چلہ کی اصل کے حوالے سے ایک حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ذیل میں اس حدیث کا عربی متن اور ترجمہ ذکر کیا جاتا ہے۔

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: "مَنْ أَخْلَصَ لِلّٰهِ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا ظَهَرَتْ يَنَابِيعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهِ عَلَى لِسَانِهِ "[4]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جو شخص چالیس روز تک اللہ کے لئے خلوص (کے ساتھ عبادت) اختیار کرے، علم کے چشمے اس کے قلب سے (جوش زن ہو کر) اس کی زبان سے ظاہر ہوتے ہیں۔[5]

1۔ تھانوی، اشرف علی، مولانا، تفسیر بیان القرآن (مکمل)، مکتبہ رحمانیہ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور، س۔ن، 1/48؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، ص:54

2۔ البقرہ 2:51

3۔ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، ص57؛ بیان القرآن، 1/52

4۔ التکشف عن مہمات التصوف، ص:652

5۔ شریعت وطریقت، ص:427

toobaafoundation.com

3۔ "وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ" [1]

ترجمہ: اور ملت ابراہیمی سے تو وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ذات ہی سے احمق ہو۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا تھانویؒ نے صوفیاء کے ایک مشہور قول کا اثبات کیا ہے جو درج ذیل ہے۔

" مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ "یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا
اس میں اس قول کی اصل ہے۔"مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ " [2]

4۔ "قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ" [3]

ترجمہ: آپ ﷺ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب نہ قرار دے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر۔

اس آیت کے ضمن میں مولانا تھانویؒ نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو زندہ یا فوت شدہ شیوخ کی محبت اور تعظیم میں غلو کرتے ہیں:

بزرگان دین کی تعظیم میں غلو کا رد:۔

اس میں ان لوگوں پر رد ہے جو شیوخ کے انقیاد یا تعظیم میں خواہ وہ احیاء ہوں یا اموات ہوں غلو کرتے ہیں گو یہ حضرات حق کے مظاہر کامل ہیں۔ چنانچہ امام ترمذیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں روایت نقل کی ہے اور روایت کی تحسین بھی کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عدی بن حاتم نے عرض کیا کہ یا رسول ﷺ ہم تو انکی عبادت نہ کرتے تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بات نہ تھی کہ وہ لوگ بہت سی اشیاء کو تمہارے لئے حلال کر دیتے تھے اور بہت سی اشیاء کو حرام کر دیتے تھے (یعنی بلا دلیل شرعی) پھر تم ان کے قول کو قبول کرتے تھے۔ عرض کیا ہاں یہ تو تھا۔ بس اسکا یہی مطلب ہے۔[4]

5۔ "لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ " [5]

1۔ البقرہ 130:2

2۔ بیان القرآن، 1/ 95 ؛مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، ص:67

3۔ آل عمران 64:3

4۔ بیان القرآن، 1/ 247؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، ص: 102؛ آلوسی، محمود بن عبد اللہ، شہاب الدین، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع الثانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1415ھ، 2/ 186

5۔ آل عمران 164:3

toobaafoundation.com

ترجمہ: حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جبکہ انمیں انہی کے جنس سے ایک ایسے پیغمبرؐ کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں۔ کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں۔

اس آیت میں سلوک کے مختلف طرق بیان کیے گئے ہیں۔ مولانا تھانویؒ اس آیت کی روشنی میں ''مسائل السلوک من کلام ملک الملوک ''میں علم اسرار اور طرق سلوک یوں بیان کرتے ہیں:

بعض طرق سلوک کی تعلیم:۔

''مجموع آیت میں ایک تو علم اسرار کا اثبات ہے اور نیز بعض طرق سلوک کی تعلیم ہے جیسا کہ روح (المعانی) میں ہے کہ تلاوت سے مراد آیات توحید و نبوت کی تبلیغ ہے اور تزکیہ سے مراد کلمہ طیبہ کی طرف بلانا جو توحید و رسالت پر دال ہے (کہ وہ سبب ہے شرک سے پاک ہونے کا) اور تعلیم کتاب سے مراد الفاظ قرآن کی تعلیم ہے اور تعلیم حکمت سے مراد اسرار قرآنیہ پر واقف بنانا ہے۔ پس اول تلاوت ہے کیونکہ وہ تمہید ہے۔ پھر تزکیہ جس کے ساتھ سب سے اول مومن موصوف ہوتا ہے۔ پھر تعلیم جس کی حاجت بعد ایمان کے ہوگی پس اس سے تخلیہ کی (تزکیہ اس کی ایک فرد ہے) تقدیم تحلیہ پر (کہ تعلیم اس کی فرد ہے) مفہوم ہوئی۔ اب یہ بات رہ گئی کہ آیت بقرۃ میں تزکیہ کو تعلیم پر کیوں مقدم فرمایا سو شاید اس میں تنبیہ ہو تحلیہ کے شرف پر۔''[1]

6۔ ''وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْأَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا''[2]

ترجمہ: اور تم کسی ایسے امر کی تمنا مت کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعض پر فوقیت بخشی ہے۔ مردوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کیلئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

مولانا تھانویؒ نے اس آیت کے حوالے سے لکھا ہے کہ کسی انسان کو ان فضائل کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیئے جو اس کے اختیار میں نہیں ہیں۔ اور اسطرح اسے اپنے مجاھدات پر عُجب نہیں ہونا چاہیئے۔

فضائل غیر اختیاریہ کے درپے نہ ہونا چاہیے:۔

''اس میں نہی ہے اس سے کہ فضائل غیر اختیاریہ کے درپے ہو کہ اس سے سخت تشویش پیدا ہوتی ہے جو کہ توجہ الی المقصود سے مانع ہوتی ہے۔''

1۔ بیان القرآن، 1/298؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک ص: 113؛ روح المعانی، 2/325

2۔ النساء 4:32

toobaafoundation.com

مجاہدات پر نظر اور عجب نہ ہونا چاہیے:۔

"اور نصیب مما اکتسبوا اور مما اکتسبن کے بعد واسئلو اللہ من فضلہ کے لانے سے نہی ہے کہ مجاہدات پر نظر اور عجب ہو۔"[1]

7۔ "لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ"[2]

ترجمہ: عام لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر نہیں ہوتی ہاں مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ خیرات کی یا کسی اور نیک کام کی یا لوگوں میں باہم اصلاح کر دینے کی ترغیب دیتے ہیں۔

اس آیت کی روشنی میں مولانا تھانویؒ ان لوگوں کا رد کرتے ہیں جو خفیہ تعلیم کے قائل ہیں۔ خاص طور پر جاہل صوفیاء کا نظریہ ہے کہ تصوف کی تعلیمات خفیہ طریقے سے سینہ بہ سینہ چلی آ رہی ہیں۔

خلافِ سنت تعلیم خفی کا بطلان:۔

"جو تعلیم خفی موافق کتاب و سنت کے نہ ہو جیسا کہ بہت سے جاہل صوفی اس کو حق سمجھتے ہیں کہ طریقت مفاد شریعت کی تعلیم سینہ بہ سینہ جاری ہے۔ یہ آیت اس کے بطلان پر دلالت کرتی ہے۔"[3]

8۔ "وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ"[4]

ترجمہ: .اور آپ ان میں بہت سے ایسے آدمی دیکھتے ہیں جو دوڑ دوڑ کر گناہ اور ظلم اور حرام کھانے پر گرتے ہیں۔

اس آیت میں چند رذائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ مولانا تھانویؒ نے اس آیت کی روشنی میں ان قوتوں کا ذکر کیا ہے جو ان رذائل کے پیچھے کار فرما ہوتی ہیں:

قوت نطقیہ، قوتِ غضبیہ اور قوتِ شہویہ:۔

"اثم ایک رذیلہ ہے جو قوت نطقیہ[5] سے پیدا ہوتا ہے اور عدوان (ظلم) ایک رذیلہ ہے جو قوت غضبیہ[6] سے پیدا ہوتا ہے اور اکل سحت (حرام کھانا) ایک رزیلہ ہے جو قوت شہویہ[7] پر مرتب ہوتا ہے۔ (تو اس میں دلالت ہے کہ افعال کے مصادر ملکات ہیں)"[8]

1۔ بیان القرآن، 1/354؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، ص: 124

2۔ النساء 114:4

3۔ بیان القرآن، 1/407؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، ص: 135

4۔ المائدہ 62:5

5۔ قوت گویائی

6۔ غصہ پیدا / دلانے والی قوت

7۔ شہوت پیدا کرنے والی قوت

8۔ بیان القرآن، 1/496؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، ص:151

toobaafoundation.com

9۔ "فَلَمَّآ أَلْقَوْا سَحَرُوٓا أَعْيُنَ ٱلنَّاسِ"[1]

ترجمہ: پس جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کر دی۔

اس آیت سے مولانا تھانویؒ نے تین چیزوں کو ثابت کیا ہے۔:

1. اول یہ کہ ناس میں موسی علیہ السلام بھی داخل ہیں۔
2. دوم یہ کہ خوارق اہل باطل سے بھی ظاہر ہو سکتے ہیں۔
3. اور سوم یہ کہ سحر کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے لوگوں کے خیالات میں تصرف کیا جاتا ہے جس کے اندر مسمریزم بھی داخل ہے۔

مسمریزم کی حقیقت:۔

اس "ناس" میں حضرت موسیٰ علیہ اسلام بھی داخل ہیں۔ چنانچہ سورہ طٰہٰ میں ہے "یخیل الیہ۔"[2]

"اور پس اس سے کئی امر مستفاد ہوئے۔ اول خوارق[3] سے دھوکہ نہ کھانا کہ اہل باطل سے بھی ظاہر ہو سکتے ہیں۔ ثانی سحر کی ایک قسم خیال میں تصرف کرنا بھی ہے اس میں مسمریزم[4] بھی داخل ہے۔ ثالث ایسی چیزوں سے متاثر ہو جانا کمال باطنی کے خلاف نہیں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام خائف ہوئے اور اہل حق کا ایسے امور پر یا ان کے ابطال پر قادر ہونا لازم نہیں۔"[5]

10۔ "إِنَّ ٱلَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَٱدْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا۟ لَكُمْ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ"[6]

ترجمہ: واقعی تم خدا کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں سو تم ان کو پکارو پھر ان کو چاہیئے کہ تمہارا کہنا کر دیں اگر تم سچے ہو۔

اس آیت کی روشنی میں مولانا تھانویؒ نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ فریاد کے طور پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو پکارنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ اگرچہ یہ آیت اصنام (بتوں) کے بارے میں ہے لیکن اس کی علت عباد کو قرار دیا گیا ہے۔

1۔ الاعراف:116:7

2۔ طٰہٰ:66:20

3۔ خوارق: عادت سے ہٹ کر کے کسی کام کا ہونا

4۔ مسمریزم: حقیقت اس عمل کی یہ ہے کہ قوت نفسانیہ کے ذریعہ سے بعض افعال کا صادر کرنا جیسے اکثر افعال قوی بدنیہ کے ذریعہ سے صادر کئے جاتے ہیں۔ پس قوی نفسانیہ بھی مثل قوت بدنیہ کے ایک آلہ ہے صدور افعال کا۔؛ تھانوی، اشرف علی، مولانا، بوادر النوادر، ادارہ اسلامیات لاہور، اگست 1985ء، ص:362

5۔ بیان القرآن، 2/49؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، ص: 201

6۔ الاعراف 194:7

toobaafoundation.com

ندائے غیر اللہ بطور استغاثہ کے ناجائز ہے:۔

آیت گو اصنام کے بارے میں ہے بقرینہ مابعد "اَلَهُمْ اَرْجُلٌ۔"[1] لیکن حکم کا مناط ان کے عباد یعنی مملوک ہونے پر رکھا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ نداء غیر اللہ بطور استغاثہ کے ناجائز ہے تو کہاں یہ آیت اور کہاں غالی جاہلوں کا فعل![2]

11۔ "فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ"[3]

ترجمہ: سو تم ان سب مہینوں کے بارے میں اپنا نقصان مت کرنا۔

یہ آیت اگرچہ حرمت والے مہینوں کے تقدس کے بارے میں ہے لیکن مولانا تھانویؒ نے اس ایک آیت پر مقدس مقامات کو قیاس کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان مقامات پر گناہوں اور بدعات کا صُدور باقی مقامات کی نسبت زیادہ برا ہے۔

اولیاء کے مزارات پر فجور اور بدعات کا صدور قبح میں اشد ہے:۔

"ای فی الشھر الحرم (یعنی حرمت والے مہینے میں) اس سے معلوم ہوا کہ ازمنہ مبارکہ (بابرکت اوقات) میں۔ اور اسی پر امکنہ مبارکہ (مقدس مقامات) کو قیاس کیا جاتا ہے۔ کہ یہاں پر معصیت کرنا قبح میں اشد ہے۔ تو ان لوگوں کا کیا حال ہے کہ اولیاء کے مزارات پر فجور اور بدعات کرتے ہیں جن کا عُرس کے موقع پر زیادہ صدور ہوتا ہے۔"[4]

12۔ "رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ"[5]

ترجمہ: اے ہمارے رب میں اپنی اولاد کو آپ کے معظم گھر کے قریب ایک میدان میں جو زراعت کے قابل نہیں آباد کرتا ہوں۔

اس آیت کی روشنی میں مولانا تھانویؒ نے غالی صوفیاء کے اس طرزِ عمل کا رد کیا ہے جو توکل کا بہانہ بنا کر خود کوئی ذریعہ معاش اختیار نہیں کرتے اور اپنی اولاد کو بھی لوگوں کے سہارے پر چھوڑ دیتے ہیں۔

توکل سے متعلق بعض غلاۃ صوفیاء کا غلط استدلال:۔

"بعض غلاۃ (جمع غالی کی۔ حد سے گزرے ہوئے) صوفیاء نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اپنے اہل وعیال کو توکل پر ایسی جگہ رکھنا جائز ہے جہاں کچھ سروسامان نہ ہو۔ مگر یہ استدلال اس لئے غلط ہے کہ یہ رکھنا وحی سے تھا تو اس پر دوسرے فعل کو جو بلا وحی ہو کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا کہ کیا آپ کو خدا

1۔ الاعراف:7:195

2۔ بیان القرآن،2/77؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، ص: 210

3۔ التوبہ:9:36

4۔ بیان القرآن، /130؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک ص: 229

5۔ ابراہیم 14:35

toobaafoundation.com

تعالیٰ نے حکم دیا ہے؟ ابراہیم علیہ اسلام نے فرمایا: ہاں۔ انہوں نے کہا وہ ہم کو ضائع نہ کریں گے۔"[1]

13۔ "وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ"[2]

ترجمہ: اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیئے یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔

اس آیت کے ضمن میں مولانا تھانویؒ نے لکھا ہے کہ تکالیف شرعیہ سلوک کے کسی بھی مرتبہ پر ذمہ سے ساقط نہیں ہوتیں جیسا کہ بعض جہلاء صوفیاء کا خیال ہے اور اسیطرح بعض جاھل لوگوں سے بھی کسی نام نہاد شیخ کے بارے میں یہ بات سننے میں آتی ہے کہ یہ پہنچی ہوئی سرکار ہے۔

تکالیف شرعیہ کے ساقط ہونے کا اعتقاد الحاد محض ہے:۔

"یقین کی تفسیر موت ہے تو اسمیں ان لوگوں پر رد ہے جو کہتے ہیں کہ کوئی مرتبہ سلوک میں ایسا ہے جس میں تکالیف شرعیہ ساقط ہو جاتی ہیں اور یہ اعتقاد الحاد محض ہے۔"[3]

14۔ "وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ"[4]

ترجمہ:۔ اور جن چیزوں کے بارے میں تمھارا جھوٹا زبانی دعویٰ ہے۔ ان کی نسبت یوں مت کہہ دیا کرو کہ فلانی چیز حلال ہے اور فلانی چیز حرام ہے۔

کسی چیز کے حلال اور حرام قرار دینے کا اختیار صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے پاس ہے۔ اس آیت کی روشنی میں مولانا اشرف علی تھانویؒ نے شریعت و طریقت کے درمیان تلازم کو ثابت کیا ہے۔ جس سے ان لوگوں کے نظریہ کی تردید ہوتی ہے۔ جو شریعت و طریقت کو جدا جدا چیز خیال کرتے ہیں۔

طریقت کے احکام شریعت کے مبائن نہیں:۔

"اس سے معلوم ہوا کہ طریقت کے احکام شریعت کے مبائن نہیں کہ یہاں کا حلال وہاں حرام ہو یا بالعکس۔"[5]

15۔ "وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ"[6]

ترجمہ: اور ہم ایسی چیز یعنی قرآن نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں تو شفاء اور رحمت ہے۔

مولانا تھانویؒ نے اس آیت کے ضمن میں تفسیر روح المعانی کے حوالے سے تصوف کی دو اصطلاحات تخلیہ اور تحلیہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

1۔ بیان القرآن، 2/308-309؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک ص: 286

2۔ الحجر 99:15

3۔ بیان القرآن، 2/325؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک ص: 292

4۔ النحل 116:16

5۔ بیان القرآن، 356:2؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک ص: 299

6۔ بنی اسرائیل 82:17

toobaafoundation.com

تخلیہ اور تحلیہ:۔

"روح میں ہے کہ شفاء اشارہ ہے تخلیہ کی طرف اور رحمت اشارہ ہے تحلیہ[1] کی طرف[2]"

16۔ "وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَت تَّزَاوَرُ عَن كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ"[3]

ترجمہ: اور اے مخاطب! جب دھوپ نکلتی ہے تو تو دیکھے گا کہ وہ غار کے داہنی جانب کو بچی رہتی ہے۔

صوفیاء بعض اوقات حضور قلب کیلیے آنکھیں بند کر کے اللہ تعالی اور اس کائنات کے بارے میں غور و فکر کرتے ہیں۔ اس عمل کو تصوف کی اصطلاح میں مراقبہ کہتے ہیں۔ مولانا تھانویؒ نے اس آیت سے اس عمل کو ثابت کیا ہے۔

مراقبہ کیلیے آنکھیں بند کرنا:۔

"اس کی حکمت یہ ہے کہ غار میں روشنی زیادہ نہ ہو کہ اس سے حضور و جمعیت قلب میں خلل پڑتا ہے۔ کیونکہ ظلمت سے فکر اور جمع حواس میں اعانت ہوتی ہے۔ اس لیے اہل خلوت کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ اپنی خلوت کیلیے ایسا مکان تجویز کرتے ہیں جس میں روشنی کم ہو اور باوجود اس کے بھی مراقبہ کے وقت آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔"[4]

17۔ "فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَن لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرْدَىٰ"[5]

ترجمہ: سو تم کو قیامت سے ایسا شخص باز نہ رکھنے پائے جو اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہشوں پر چلتا ہے کہیں تم تباہ نہ ہو جاؤ۔

بعض جہلا صوفیاء اباحیت پسندی کی آڑ لیکر اپنے آپ کو اسلامی شریعت کی پابندیوں سے مبرا اور ماوراء قرار دیتے ہیں۔ مولانا تھانویؒ اس آیت کی روشنی میں لکھتے ہیں کہ تکالیف شرعیہ تو منتہی کامل سے بھی ساقط نہیں ہوتیں۔

منتہی کامل سے بھی تکالیف شرعیہ ساقط نہیں ہوتیں:۔

"اس سے ثابت ہوتا ہے کہ منتہی کامل سے بھی تکالیف شرعیہ ساقط نہیں ہوتیں اور اس سے اباحیت کا ابطال ہوتا ہے"[6]

18۔ "وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ"[7]

ترجمہ: اور ہم نے (آپ ﷺ) سے قبل صرف آدمیوں کو ہی پیغمبر بنایا جن کے پاس ہم وحی بھیجا کرتے تھے۔

1۔ تخلیہ: اوصاف مذمومہ کو دور کرنا؛ تحلیہ: اوصاف محمودہ کو پیدا کرنا (شریعت و طریقت، ص49)

2۔ بیان القرآن، 2/392؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک ص:309؛ روح المعانی، 8/138

3۔ الکھف 17:18

4۔ بیان القرآن، 2/406؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک ص: 315

5۔ طٰہٰ 16:20

6۔ بیان القرآن، 2/459؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک ص: 335

7۔ الانبیاء 7:21

toobaafoundation.com

اس آیت سے جمہور علماء نے استدلال کیا ہے کہ رسالت صرف مردوں کے ہی ساتھ خاص ہے اسی طرح مولانا تھانویؒ کے بقول اہل طریق کے ہاں طریقت کی خلافت بھی صرف مردوں کو ہی دی جاتی رہی ہے۔

خلافت مردوں کو ہی دی جاتی ہے:۔

"اس آیت سے جمہور نے استدلال کیا ہے مردوں کے ساتھ رسالت خاص ہونے پر۔ اور میں کہتا ہوں اگر تخصیص بھی مسلم نہ ہو تو غالب کا تو انکار ہی نہیں ہو سکتا۔ اور یہ اصل ہے اہل طریق کی اس عادت کی کہ خلافت صرف مردوں ہی کو دیتے ہیں۔"[1]

19۔ "وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنكَرَ"[2]

ترجمہ: اور جب ان لوگوں کے سامنے ہماری آیتیں جو کہ خوب واضح ہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو تم ان کافروں کے چہروں میں برے آثار دیکھتے ہو۔

اس آیت کی روشنی میں مولانا تھانویؒ نے متصوفین کا رد کیا ہے جو طریقت میں خلاف شریعت اعمال کو بھی جائز سمجھتے ہیں اور جب ان سے اس حوالے سے بات کی جاتی ہے تو ان کے چہروں سے ناگواری کے آثار ظاہر ہو رہے ہوتے ہیں۔

دور حاضر کے مدعیان تصوف کی مذمت:۔

اس میں ان مدعیان تصوف کی مذمت ہے کہ جب ان کے سامنے ان کے رد کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور ایسے لوگ اس زمانے میں کثرت سے ہیں۔[3]

20۔ "اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ"[4]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نور دینے والا ہے آسمانوں کا اور زمینوں کا۔

مولانا تھانویؒ نے اس آیت کی تفسیر میں امام غزالیؒ کا قول ذکر کر کے اس آیت کو وحدت الوجود کا حاصل قرار دیا ہے۔

مسئلہ وحدت الوجود کا حاصل:۔

امام غزالیؒ نے نور کی تفسیر "ظاہر بنفسہ ومظہر لغیرہ"[5] سے کر کے اس کا مصداق وجود کو ٹھرایا ہے۔ تو نور السمٰوٰۃ والارض کے معنی وجود السمٰوٰۃ والارض ہوئے اور حاصل مسئلہ وحدت الوجود کا یہی ہے۔[6]

1۔ بیان القرآن، 2/483؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، ص:345

2۔ الحج 22:72

3۔ بیان القرآن، 2/534؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، ص: 363

4۔ النور 24:35

5۔ صدیقی، محمد اسحاق، الفکرۃ السنیۃ والحاجۃ الیھا، الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنورۃ، ذوالحجہ 1403ھ، 1/56؛ تھانوی، اشرف علی، مولانا، بوادر النوادر، رسالہ: ظہور العدم بنور القدم، ادارہ اسلامیات، لاہور، 1985ء، ص:664

6۔ بیان القرآن، 2/582؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، ص:375

toobaafoundation.com

اسی طرح مولانا تھانویؒ نے سورۃ القصص کی اس آیت "كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَه "[1] یعنی سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں بجز اس کی ذات کے۔ کی روشنی میں بھی مسئلہ وحدت الوجود کا حاصل بیان کیا ہے۔

روح میں ہے کہ بجز وجہ ء حق یعنی ذات حق کے ہر شئی یعنی ہر موجود ہالک ہے۔ یعنی معدوم ہے۔ مراد یہ ہے کہ کالمعدوم ہے۔ کیوں کہ اس کا وجود ذاتی نہ ہونے کے سبب ہر وقت قابل عدم ہے پس وہ وجود مثل لاوجود کے ہے اور وحدۃ الوجود کا یہ ہی حاصل ہے۔ پس آیت دلیل ہے مسئلہ وحدۃ الوجود کی۔[2]

21۔ "وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةُ أَوْ نَرَى رَبَّنَا "[3]

ترجمہ: اور جو لوگ ہمارے سامنے پیش ہونے سے اندیشہ نہیں کرتے وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیں۔

اس آیت کی روشنی میں مولانا تھانویؒ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اسلامی تصوف میں اصل اعمال ہیں نہ کہ احوال اس لیے کہ احوال باطنیہ غیر اختیاری ہیں اختیاری نہیں ہیں لہذا جو لوگ احوال کے منتظر رہتے ہیں تو یہ بات ان میں تکبر کی علامت ہے۔

احوال باطنیہ غیر اختیاریہ کے منتظر رہنے کا منشاء تکبر ہے:۔

"اس میں اس شخص کی مذمت کی طرف اشارہ ہے جو سلوک میں احوال باطنیہ غیر اختیاریہ کا منتظر رہتا ہے۔ اور اس طرف اشارہ ہے کہ منشاء اس انتظار کا حقیقت میں تکبر ہے اور اپنے مجاہدات اور اعمال پر استحقاق کا دعویٰ"[4]

22۔ "لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ "[5]

ترجمہ: کہیں تم کو سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر بے خبری میں نہ کچل ڈالیں۔

عام عوام میں یہ بات رواج پا گئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیا کو بھی اللہ تعالی کی طرح غیب کا علم حاصل ہے۔ مولانا تھانویؒ نے اس آیت کے ضمن میں اس بات کی تردید کی ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاءؒ کو علم غیب نہیں:۔

"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء اور اولیاء کو علم غیب نہیں۔"[6]

1۔ القصص 88:29

2۔ بیان القرآن، 3/106؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، ص:422

3۔ الفرقان 21:25

4۔ بیان القرآن 3/20؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک ص: 382

5۔ النمل 18:27

6۔ بیان القرآن، 3/61؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک ص:406

toobaafoundation.com

23۔ "لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ "[1]

اللہ تعالیٰ کی اس پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام آدمیوں کو پیدا کیا بدلنا نہ چاہیے اگر چہ یہ اصول ہے کہ انسان کی فطرت نہیں بدلتی لیکن ریاضت اور مجاہدے کے ذریعہ اس میں تعدیل ممکن ہے مولانا تھانویؒ اس آیت کی روشنی میں اسی بات پر زور دے رہے ہیں۔

ریاضت سے فطریات میں تعدیل ہو جاتی ہے:۔

"یہ اپنے اطلاق سے اس بات پر دال ہے کہ فطریات میں تبدل نہیں ہو تا ریاضت سے تعدیل ہو جاتی ہے اور یہ فن کا بہت بڑا مسئلہ ہے۔"[2]

24۔ "فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ○ وَمَا أَنتَ بِهَادِ الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ "[3]

ترجمہ: سو آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور بہروں کو آواز نہیں سنا سکتے جبکہ پیٹھ پھیر کر چل دیں اور آپ اندھوں کو ان کی بے راہی سے راہ پر نہیں لا سکتے۔

مولانا تھانویؒ اس آیت کی تفسیر میں بعض لوگوں کے اس نظریے کی تردید کرتے ہیں کہ پیر اور شیخ اپنے کسی بھی مرید کو پل بھر میں کامل بنا سکتے ہیں۔ اس لیے اللہ کے علاوہ کسی کو اختیار نہیں۔

کسی کو کامل بنا دینا شیخ کے اختیار میں نہیں:۔

"یہ تینوں جملے اس پر دال ہیں کہ ہدایت نہ کسی نبی کے قبضے میں ہے اور نہ کسی ولی کے تو بعض لوگ کیسے گمان کرتے ہیں کہ کامل بنا دینا شیوخ کے اختیار میں ہے۔"[4]

25۔ "فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن كَذَبَ عَلَى اللَّهِ "[5]

ترجمہ: سو اس شخص سے زیادہ بے انصاف کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔

اس آیت کی روشنی میں مولانا تھانویؒ نے ان غلاۃ صوفیاء کا رد کیا ہے جو طریقت کو اصل قرار دیتے ہیں اور شریعت کو قشر۔ پھر اپنے اس دعوے کی آڑ لے کر احکام خداوندی کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

شریعت کو قشر بتلانے والے دعویٰ ولایت میں کاذب ہیں:۔

"اپنے عموم لفظ سے ان کو بھی شامل ہے جو دعویٰ ولایت میں کاذب ہیں اور شریعت کو پس پشت ڈال کر اس کو قشر بتلاتے

1۔ الروم 30:30

2۔ بیان القرآن 3/138؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک ص: 432

3۔ الروم 30:52 تا 53

4۔ بیان القرآن، 3/141؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک ص: 433

5۔ الزمر 39:28

toobaafoundation.com

ہیں۔"[1]

26۔ "وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ "[2]

ترجمہ: اور کسی رسول سے یہ نہ ہو سکا کہ کوئی معجزہ بدون اذن الٰہی کے ظاہر کر سکے۔

اس آیت میں یہ مذکور ہے کہ جب ایک نبی بھی اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ نہیں لا سکتا۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی ولی کو مختار کل قرار دیا جائے:

اولیاء اللہ تصرفات مستقلہ سے عاجز ہیں:۔

"اس میں اولیاء کا تصرفات مستقلہ سے عاجز ہونا بالاولی مذکور ہے۔"[3]

27۔ "ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ "[4]

ترجمہ: پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کر دیا سو آپ اسی طریقہ پر چلے جایئے اور ان جہلاء کی خواہشوں پر نہ چلیے۔

دین اسلام میں کامیابی اور کاملیت کا معیار ایمان کے ساتھ ساتھ عمل صالح کو قرار دیا گیا ہے لہذا مولانا تھانویؒ نے اس آیت کے ضمن میں ان لوگوں پر نکیر فرمائی ہے جو عمل صالح سے تو کورے ہیں لیکن دعویٰ قرب و کمال کا کرتے ہیں۔

شریعت کی مخالفت کر کے دعویٰ قرب و کمال باطل ہے:۔

"جب رسول اللہ ﷺ کو اتباع شریعت کا حکم ہے تو دوسرا کس شمار میں ہے تو شرع کی مخالفت کر کے دعویٰ کمال و قرب کرنا کس قدر باطل ہے۔"[5]

28۔ "وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ "[6]

ترجمہ: اور اگر تم روگردانی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دے گا۔

اس آیت کے ضمن میں مولانا تھانویؒ نے عجب سے بچنے کی طرف ترغیب دی ہے۔ اس لیئے کہ شیطان انسان کو گمراہ کرنے کا کوئی موقع بھی نہیں جانے دیتا۔ بسا اوقات ایک مسلمان نیکی تو کر رہا ہوتا ہے لیکن ساتھ ہی عجب میں بھی مبتلا ہوتا ہے۔

1۔ بیان القرآن 3/299؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک ص:468

2۔ المومن 78:40

3۔ بیان القرآن، 3/325؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک ص: 472

4۔ الجاثیہ 18:45

5۔ بیان القرآن، 3/338؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، ص: 484

6۔ محمد 38:47

toobaafoundation.com

اپنے آپ کو دین کا مدار سمجھنا عجب میں شامل ہے:۔

"اس میں اس گمان کا قطع کرنا ہے کہ کسی خدمت دینیہ کو اپنی ذات پر موقوف سمجھے جیسے بعض اہل عجب[1] اپنے کو دین کا مدار سمجھتے ہیں۔"

29۔ "وَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعۡيُنِنَا وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ" [2]

ترجمہ: اور اپنے رب کی (اس) تجویز پر صبر سے بیٹھے رہیے کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں اور اٹھتے وقت (مجلس سے یا سونے سے) اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیا کیجیے۔

مولانا تھانویؒ نے اس آیت کی روشنی میں مراقبہ حضور[3] کو ذکر کیا ہے کہ اگر ایک سالک طریق اس مراقبے کو باقاعدگی سے کرتا رہے تو اس کو صبر اور سکون حاصل ہو جاتا ہے۔

مراقبہ حضور کو حصول صبر و سکینہ میں اثر قوی ہے:۔

"اس سے معلوم ہوا کہ مراقبہ حضور کو حصول صبر و سکینہ میں اثر قوی ہے"۔[4]

30۔ "مَا قَطَعۡتُم مِّن لِّينَةٍ أَوۡ تَرَكۡتُمُوهَا قَآئِمَةً عَلَىٰٓ أُصُولِهَا فَبِإِذۡنِ" [5]

ترجمہ: جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا انکو ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو خدا ہی کے حکم کے موافق ہے۔ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر مسلکی اختلاف اسلامی حدود اور خلوص پر مبنی ہو تو یہ کوئی عیب نہیں ہے۔ بلکہ اسلام کا حسن ہے۔ مزید براں مولانا تھانویؒ نے اس آیت سے مسالک صوفیاء میں اختلاف کو ذکر کیا ہے۔

اختلاف مسلک صوفیاء:۔

"اس پر دال ہے کہ اختلاف مسلک جبکہ شرعی حد کے اندر اور خلوص سے ہو مضر نہیں۔ اس میں صوفیاء کے مسالک کا اختلاف بھی آ گیا۔ بس ایک دوسرے پر عیب لگانے کا حق نہیں۔"[6]

1۔ عجب: اپنے کمال کو اپنی طرف نسبت کرنا اور اس کا خوف نہ ہونا کہ شاید سلب ہو جائے (یہ عجب ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ) نفس کا ایک خفی ہے کہ وہ یہ چاھتا ہے ممتاز ہو کر رہے اور اس میں اس کو حظ آتا سو یہ عجب ہے (شریعت و طریقت ص:217)

2۔ الطور 48:52

3۔ مراقبہ حضور وقت یہ جانے کہ اللہ تعالی میرے ظاہر و باطن پر مطلع ہے اور کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کی عظمت وقدرت وجلال اور اس کے عذاب وعقوبت کو بھی یاد کرے۔ اس کی مواظبت سے وہ دیہان بندھنے لگے گا پھر کوئی کام اللہ کی مرضی کے خلاف اس سے نہ ہو گا۔ (شریعت و طریقت، ص:280)

4۔ بیان القرآن، 3/472؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، ص: 495

5۔ الحشر 5:59

6۔ بیان القرآن، 3/529؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، ص: 504

toobaafoundation.com

31۔ "يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا"۔[1]

ترجمہ: آپ ان سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی شئ کو شریک نہیں کریں گے۔

مولانا تھانویؒ نے اس آیت سے بیعت کے مقصد کو ثابت کیا ہے۔ ساتھ ہی ان لوگوں پر تنقید بھی کی ہے جو رسمی بیعت کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں اور کوئی عبادت یا عمل نہیں کرتے:

بیعت کی غرض وغایت:۔

"یہ آیت بیعت کی غرض میں صریح ہے اور اس میں بیعت مسمی کا جس میں عمل کا اہتمام نہ ہو ابطال لازم آتا ہے"۔[2]

32۔ "وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا"۔[3]

ترجمہ: اور نہ ود کو اور سواع کو اور یغوث کو اور یعوق کو اور نسر کو چھوڑنا۔

دور حاضر میں بعض لوگ نیک لوگوں کے تبرکات کو اس حد تک اہمیت دیتے ہیں کہ وہ اس ضمن میں دین اسلام کی بنیادی تعلیمات وشرائط کو بھی پس پشت ڈالدیتے ہیں۔

مولانا تھانویؒ نے اس آیت کی تفسیر میں راہ اعتدال کو بیان کیا ہے کہ اگر ان تبرکات و آثار کی وجہ سے دین میں خرابی پیدا ہو رہی ہو تو ان کو ترک کرنا واجب ہے۔

مفسدہ دینیہ کے خوف سے صلحاء کے آثار و تبرکات واجب الترک ہیں:

"یہ انجام ہوا صلحاء کی تصویریں رکھنے کا جو کہ اس وقت مباح تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ صلحاء کے آثار و تبرکات کا زیادہ اہتمام کرنا جب کہ اس میں مفسدہ دینیہ کا خوف ہو واجب الترک ہے۔"۔[4]

33۔ "لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ"۔[5]

ترجمہ: کہ تم لوگوں کو ضرور ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر پہنچنا ہے۔

اس آیت کے ضمن میں مولانا تھانویؒ نے عارفین وسالکین کے مراتب واحوال اور کیفیات کو بیان کیا ہے۔ وہ اس طرح کہ جو سالک اللہ کے دین کی پابندی اور اللہ تعالیٰ کے قرب میں جتنی کوشش کرتا ہے اسی قدر اس کے مرتبہ اور احوال میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔

1۔ الممتحنہ 12:60

2۔ بیان القرآن، 3/543؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، ص: 509

3۔ نوح 31:71

4۔ بیان القرآن، 3/597؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، ص: 520

5۔ الانشقاق 19:84

toobaafoundation.com

عارفین میں مراتب واحوال:

"ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس کا خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے تو مراد اس سے مراتب قرب میں ترقی ہے [1] اور یہی شان ہے آپ ﷺ کے ورثہ عارفین میں مراتب واحوال میں۔"[2]

34۔ "والعصر۔"[3]

ترجمہ: قسم ہے زمانہ کی۔

سورۃ العصر کی تفسیر میں مولانا تھانویؒ نے زندگی کے لمحات کی قدر کرنے کا تذکرہ کیا ہے کہ انسان کی زندگی کا ہر لمحہ قابل قدر اور قیمتی ہے لہذا زندگی میں کبھی بھی ایک لمحہ کیلیے بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہونا چاہیے جیسا کہ اہل اللہ کا یہ وصف ہے۔

زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے:

"ابن عباس رضی اللہ عنہمانے "دہر" سے تفسیر فرمائی ہے[4] پس اس میں تنبہ ہے وقت عمر کے نعمت مغتنم ہونے پر اور اس پر اہل اللہ خوب متنبہ ہوئے ہیں کہ ایک لمحہ ضائع نہیں کرتے یا کمال حاصل کرتے ہیں جس کا ذکر اٰمنوا و عملوا میں ہے یا تکمیل میں مشغول رہتے ہیں جس کا ذکر تواصوا میں۔"[5]

35۔ "إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ۔"[6]

ترجمہ: بالیقین آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے۔

جو لوگ اللہ اور اہل دین کا استہزاء کرتے ہیں اور بلا وجہ ان کی دشمنی دلوں میں لیے پھرتے ہیں مذکورہ بالا آیت میں ان لوگوں کے لیے تنبہ ہے کہ اپنی اس حرکت سے باز آجاؤ ورنہ تمہیں برے انجام کا سامنا کرنا پڑے گا۔

ولی اللہ کی مخالفت کا انجام:

"اطلاق سے دال ہے کہ آخرت کا ہر مخالف ہر خیر سے منقطع ہے کہ نہ اس کی حیات میں برکت ہے کہ زاد حیات اس سے جمع کرے نہ اس کے قلب میں خیر ہے کہ حق بات کو سمجھے یا اس میں حق تعالیٰ کی محبت و معرفت پیدا ہو۔ نہ اعمال میں برکت ہے کہ توفیق یا اخلاص ہو۔ اور یہی حالت ہوتی ہے آپ ﷺ کے ورثہ کی مخالفت کی جیسا کہ حدیث میں ہے۔

1۔ خطاب للنبی ﷺ، أی لترکبن یا محمد حالا بعد حال، قال ابن عباس (القرطبی، محمد بن احمد بن ابی بکر ابو عبد اللہ، الجامع لاحکام القرآن، تحقیق: احمد ابردونی وابراہیم الحفیض۔ دار الکتب المصریہ، القاہرہ، 1964ء، 19/278)

2۔ بیان القرآن، 3/643؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک ص:526

3۔ العصر 103:1

4۔ والعصر أی الدھر، قالہ ابن عباس وغیرہ۔ (القرطبی، محمد بن احمد بن ابی بکر ابو عبد اللہ، الجامع لاحکام القرآن، تحقیق: احمد ابردونی وابراہیم الحفیض۔ دار الکتب المصریہ، القاہرہ، 1964ء، 20/178)

5۔ بیان القرآن، 3/683؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، ص: 535

6۔ الکوثر 3/108

toobaafoundation.com

من عادی لی ولیا فقد اذنته بالحرب ۔۔۔الحدیث [1] کہ جو شخص میرے ولی سے عداوت کرے میں اس کو اشتہار جنگ دیتا ہوں۔" [2]

خلاصہ بحث:۔

تفسیر اشاری کا مطلب صوفیانہ طرز واسلوب پر کی گئی تفسیر کو کہتے ہیں۔تفسیر اشاری اور علم الاعتبار کا ذکر شاہ ولی اللہ نے "الفوز الکبیر" میں تفسیر کے مناہج کے طور پر کیا ہے۔علامہ زرقانیؒ نے تفسیر اشاری کی قبولیت کے لیے شرائط ذکر کی ہیں جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ورنہ یہ تفسیری اسلوب قابل قبول نہیں ہے۔مولانا تھانویؒ نے اس حوالے سے دو کتب "تائید الحقیقة بالآیات العتیقة" اور مسائل السلوک من کلام ملک الملوک" لکھی ہیں۔

بزرگوں کی تعظیم میں غلو نہیں کرنا چاہیے۔اسی طرح مجاہدات پر نظر اور عجب نہیں ہونا چاہیے۔خلاف سنت کسی خفیہ تعلیم کا ثبوت نہیں ہے۔اسی طرح اولیاء کے مزارات پر فجور اور بدعات کا صدور قباحت میں زیادہ شدید ہے۔تکالیف شرعیہ کے ساقط ہونے کا عقیدہ محض الحاد ہے۔اگر کسی شخص کا عمل شریعت کے مخالف ہو تو اس کے کمال کا دعویٰ باطل ہے۔کسی دینی خرابی کا خدشہ ہو تو صلحاء کے تبرکات وآثار کو ترک کرنا واجب ہے۔

1۔البخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبداللہ، صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، ح6502، المحقق: محمد زهیر بن ناصر الناصر، دار طوق النجاة، 1422ھ، 8/105

2۔بیان القرآن، 3/690؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، ص: 536

toobaafoundation.com

فصل دوم

مہمات و مسائل تصوف پر حدیثی استدلالات کی تجدیدی تشکیل

toobaafoundation.com

فصل دوم

مہمات و مسائل تصوف پر حدیثی استدلالات کی تجدیدی تشکیل

صوفیانہ ادب انتہائی وسیع ہے۔ بہت سارے صوفیاء نے تصوف کے موضوع پر قلم اٹھایا اور صوفیاء کا موضوع وہ احادیث بھی ہیں جن سے مسائلِ تصوف کا استنباط ہوتا ہے۔ مثلاً تزکیہِ نفس، زہد، تقویٰ، دنیا کی مذمت، اورادو اذکار اور ترہیب و ترغیب وغیرہ موضوعات پر انہوں نے کتب تصنیف کیں۔ ذیل میں تصوف کے موضوع پر مشہور صوفیاء کی اہم کتب کے نام ذکر کئے جاتے ہیں:

"صوفیانہ ادب کی بہترین نمائندہ کتب میں شیخ حارث محاسبیؒ (م ۲۴۳ھ) کی "الرعایة فی الاخلاق والزھد"، ابوالنصر السراجؒ (م ۳۷۸ھ) کی کتاب" اللمع"، شیخ ابو بکر کلابازیؒ (م ۳۸۰ھ) کی" التعرف المذھب اھلِ التصوف"، ابوطالب مکیؒ (م ۳۸۶ھ) کی "قوت القلوب"، ابو عبدالرحمٰن السلمیؒ (م ۴۱۲ھ) کی "طبقات الصوفیة"، ابو نعیم الاصبھانی (م ۴۳۰ھ) کی "حلیة الاولیاء"، ابوالقاسم القشیریؒ (م ۴۶۵ھ) کی "الرسالة القشیریة"، شیخ علی ھجویریؒ (م ۴۷۰ھ) کی "کشف المحجوب"، امام غزالیؒ (م ۵۰۵ھ) کی "احیاء علوم الدین"، شیخ محمد بن طاہر المقدسیؒ (م ۵۰۷ھ) کی" صفوۃالتصوف"، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (م ۶۲۰ھ) کی" غنیةالطالبین"، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (م ۶۳۲ھ) کی" عوارف المعارف"، محی الدین ابنِ عربی (م ۶۳۸ھ) کی "الفتوحات المکیہ"، شیخ نظام الدین اولیاءؒ (م ۶۴۵ھ) کی" فوائد الفواد"، شیخ فرید الدین گنج شکرؒ (م ۶۷۰ھ) کی "فوائد السالکین"، اور مولانا روم (م ۶۷۲ھ) کی" مثنوی معنوی"، قابلِ ذکر ہیں۔[1]

صوفیانہ ادب میں ضعیف اور موضوع روایات:

جب ہم صوفیانہ ادب کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات بھی حقیقت ہے کہ صوفیانہ ادب میں

[1] ہاشمی، سید ازکیا، ڈاکٹر، مولانا اشرف علی تھانوی اور احادیث تصوف کی تدوین و تحقیق، فکر و نظر (سہ ماہی)، اسلام آباد، جلد: 42- 43، شمارہ: 1-4، 2005ء، ص: 183

toobaafoundation.com

موضوع روایات کم اور ضعیف روایات کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ بہت سارے محدثین نے صوفیاء کی کتب میں موجود موضوع اور ضعیف احادیث کی نشاندہی کی ہے۔ اور اس حوالے سے کئی کتب لکھی گئی ہیں۔ اور اسی بات کو بنیاد بناتے ہوئے بہت سارے علماء نے صوفیاء پر تنقید بھی کی ہے۔ صوفیانہ ادب میں موضوع روایات کی یہاں تک بات ہے تو وہ تو کسی طرح بھی قابلِ قبول نہیں ہیں۔ جبکہ محدثین نے ترہیب و ترغیب کی غرض سے ضعیف روایات کو بیان کرنے کی اجازت دی ہے۔

صوفیاء کے اپنی کتابوں میں ضعیف روایات کو ذکر کرنے کی ایک وجہ ہمیں یہ بھی نظر آتی ہے کہ عام طور پر صوفیاء رواۃ کی روایات کو جرح و تعدیل کے بغیر قبول کر لیتے ہیں اسلئے کہ انہیں لوگوں پر اعتماد تھا۔ اسلئے بھی صوفیاء جرح و تعدیل کو پسند نہیں کرتے ہیں، وہ اسے لوگوں کی غیبت شمار کرتے ہیں۔

جس طرح مقدمہ میں ابنِ الصلاح نے یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ ابو محمد عبد الرحمٰن بن ابی حاتم جرح و تعدیل کے حوالے سے اپنی کتاب پڑھا رہے تھے تو اس حالت میں ان کے پاس یوسف بن حسین الرازی الصوفی داخل ہوئے تو انہوں نے اس موقع پر یہ بات کہی:

"کم من ھولاء القوم قد حطو رواحلھم فی الجنۃ منذ مئۃ سنۃ و مئتی سنۃ وانت تذکرھم و تغتابھم فبکٰی عبد الرحمٰن"۔[1]

یعنی صوفیاء کی قوم میں سے بہت سارے سو سال سے اور بہت سارے دو سو سال سے جنت میں داخل ہو چکے ہیں۔ اور آپ اس وقت انکا تذکرہ کر رہے ہیں اور انکی غیبت کر رہے ہیں تو اس موقع پر عبد الرحمٰن رو پڑے۔

اس قول سے صوفیاء کا بھولا پن ہمارے سامنے آتا ہے لیکن اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ علم جرح و تعدیل درست نہیں ہے اور غیبت میں شمار ہوتا ہے۔

[1] ابن الصلاح، عثمان بن عبد الرحمٰن، ابو عمرو، مقدمہ ابن الصلاح، المحقق، عبد اللطیف الھمیم، ماھر یاصین الفحل، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2002ء، ص: 210- 211

toobaafoundation.com

ترہیب وترغیب کیلئے ضعیف روایات کو بیان کرنے کا جواز:۔

علوم الحدیث کی کتب میں محدثین کے بہت سارے اقوال ملتے ہیں جن کی روشنی میں ضعیف روایات کو اس مقصد کیلئے بیان کرنے کا جواز ملتا ہے۔ ذیل میں صرف ابن الصلاح اور احمد بن حنبلؒ کا قول ذکر کیا جاتا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کا قول:۔

خطیب بغدادیؒ نے اپنی کتاب" الکفایۃ فی علم الروایۃ "میں امام احمد بن حنبلؒ کا قول اس طرح ذکر کیا ہے۔

" اذا روینا عن رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الحلال و الحرام السنن و الاحکام تشددنا فی الاسانید و اذا روینا عن النبیﷺ فی فضائل الاعمال و ما لا یضع حکماً و لا یرفعه تساھلنا فی الاسانید" [1]

یعنی جب ہم حلال وحرام سنن اور احکام کے حوالے سے احادیث روایت کرتے ہیں تو ہم اسانید میں سختی کرتے ہیں اور جب ہم نبی ﷺ سے فضائل اعمال اور ایسی چیزوں کے بارے میں جن سے نہ تو کوئی حکم ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی ختم ہوتا ہے تو ہم سندوں میں نرمی کرتے ہیں۔

ابن الصلاح کے اقوال:۔

"اعلم ان الحدیث الموضوع شر الاحادیث الضعیفة، ولایحل روایة لا حدٍ علم حاله فی ای معنی کان إلا مقروناً ببیان وضعه، بخلاف غیره من الاحادیث الضعیفة التی یحتمل صدقها فی الباطن، حیث جاز روایتها فی الترغیب و الترهیب" [2]

یعنی جان لو موضوع حدیث (گھڑی ہوئی) ضعیف احادیث میں سے سب سے بری ہے اور جو شخص کسی صورت میں بھی اسکے موضوع ہونے کی حالت کو جانتا ہے اسکے لئے اسکو روایت کرنا حلال نہیں ہے سوائے اس صورت کے کہ وہ اسکے

---

[1] الخطیب البغدادی، احمد بن علی ثابت بن احمد بن مھدی، الکفایۃ فی العلم الروایۃ، المحقق ابو عبداللہ الصورقی، ابراھیم حمدی المدنی، المکتبۃ العلمیۃ، مدینہ منورہ، س۔ن، ص: 134

[2] مقدمہ ابن الصلاح، ص:201-202

toobaafoundation.com

موضوع ہونے کو بتا رہا ہے۔ موضوع حدیث کے علاوہ جو ضعیف احادیث ہیں جنکی سچائی کا باطن میں احتمال ہو سکتا ہے، انکی روایت ترغیب وترھیب کیلئے جائز ہے۔

امام ابن الصلاح اس حقیقت کو مزید ان الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں۔

"یجوز عند اھل الحدیث و غیرھم التساھل فی الاسانید وروایة ماسوی الموضوع من الانواع الاحادیث الضعیفة من غیر اھتمام ببیان ضعفھا فیما سوٰی صفات اللہ تعالیٰ و احکام الشریعة من الحلال و الحرام و غیرھما، وذلک بمواعظ و القصص و فضائل الاعمال و سائرفنون الترغیب و الترھیب و سائر مالا تعلق له بالاحکام و العقائد" [1]

یعنی اللہ کی صفات اور حلال اور حرام کے متعلقہ شرعی احکام کے علاوہ مواعظ، قصص، فضائلِ اعمال، ترغیب و ترھیب اور ان تمام باتوں میں جن کا تعلق عقائد واحکام کے ساتھ نہیں ہے۔ موضوع حدیث کے علاوہ ضعیف احادیث کو ان کا ضعف بیان کیے بغیر محدثین وغیرہ کے نزدیک اسانید میں تساہل جائز ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی فنِ حدیث میں خدمات:۔

اللہ تعالی نے مولانا تھانویؒ کو دین اسلام کا خاص فہم عطا کیا تھا۔ چنانچہ مولانا نے فہمِ دین کی خداداد صلاحیت کے مطابق دینِ اسلام کے مختلف شعبوں میں خدمات سرانجام دیں۔ لیکن خاص طور پر مولانا تھانویؒ کو تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف میں دلچسپی تھی۔ پھر ان موضوعات میں سے بھی تصوف کو اپنا خاص موضوع بنایا۔ تصوف پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا اس طرح تصوف کے اندر جو بدعات درآئی تھیں انکا انہوں نے قلع قمع کیا۔ چنانچہ جب ہم فنِ حدیث میں انکی خدمات کو دیکھتے ہیں تو ان کے خاص خاص موضوعات پر بہت سارے چھوٹے چھوٹے رسالے اور کتب نظر آتی ہیں۔ ان رسائل اور کتب میں سے چند کے نام یہاں ذکر کئے جاتے ہیں: المسک الزکی، الثواب الحلی، موخر الظنون عن مقدمةابنِ خلدون، عبور البراری فی سرور الزراری، الادراک و التوصل الی حقیقةالاشراک والتوسل، الحصحصه فی حکم الوسوسه، الارشاد الی الاستعداد، النھر للمومن بالدھر، التحریض علی صالح

---

[1] مقدمہ ابن الصلاح، ص: 210

toobaafoundation.com

التعریض،الخطب الماثورۃ من الآثار المشھورہ،خطبات الاحکام لجمعات العام وغیرہ۔

اس کے علاوہ مولانا تھانویؒ کی کتب،خطبات اور ملفوظات میں جابجااور موقع محل کے اعتبار سے احادیث ملتی ہیں۔ یہاں تک کہ مآثر حکیم الامت میں ڈاکٹر عبدالحی نے سید سلیمان ندویؒ کا ایک مضمون نقل کیا ہے جن کا عنوان "حکیم الامت کے آثار علمیہ "ہے۔اس مضمون میں سید سلیمان ندویؒ کی یہ بات ملتی ہے:

"خصوصیت کے ساتھ شیخ کے مواعظ میں جو زبانی تقریریں ہیں بر محل حدیثوں کے حوالے اور اکثر حدیث کے بعینہ الفاظ مع انکی تخریجات اور کتابوں کے حوالے اس کثرت سے ہیں کہ ان کو دیکھ کر کسی انصاف پسند کو ان کے حافظ حدیث ہونے میں شبہ نہیں ہو سکتا ہے۔"[1]

اس طرح مولانا تھانویؒ کی خدمات احادیث کے حوالے سے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا یہ قول ملتا ہے:

"میرے اندازے کے مطابق حضرت تھانویؒ کے مواعظ ورسائل میں تقریباً پانچ ہزار(5000)احادیث موجود ہیں۔جن کی شرح کر کے امت کو تبلیغ کی گئی ہے۔"[2]

اعلاء السنن:-

مولانا تھانویؒ کی حدیث کے حوالے سے یہ خدمت بھی قابلِ ذکر ہے کہ انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کی فقہ کے حدیثی دلائل جمع کرنے کا کام مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے کروایا۔یہ کتاب کتبِ ذخیرہ احادیث میں ایک اہم اور وقیع اضافہ ہے۔یہ کتاب20۔21جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

اعلاء السنن کے مقدمہ میں ہے کہ:

"اگر خانقاہ امدادیہ میں صرف یہی کام انجام پایا ہوتا ہوتا تو اس کے فخر وفضل کے لئے کافی تھا۔کہ یہ کام اپنی نوعیت کے اعتبار سے بے نظیر ہے"۔[3]

---

[1] عارفی،محمد عبدالحی،ڈاکٹر،مآثر حکیم الامت،مرتب:مسعود احسن ندوی،ادارہ اسلامیات،لاہور، 1986ء،ص: 304

[2] عثمانی،ظفر احمد،مولانا،حضرت تھانویؒ کی خدمت حدیث،الحسن،(خاص نمبر بیاد حکیم الامت)،جامعہ اشرفیہ،لاہور، 1987ء،ص: 237

[3] عثمانی،ظفر احمد،مولانا،اعلاء السنن،تحقیق:حازم القاضی،دارالکتب العلمیہ،بیروت، 1997ء،ص:11

toobaafoundation.com

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی احادیثِ تصوف پر دو بنیادی کتب کا تعارف:-

مولانا تھانویؒ کی تجدیدِ تصوف میں یہ بھی عظیم خدمت ہے کہ اہلِ سلوک پر اہلِ حدیث و روایت کی طرف سے یہ اعتراض چلا آرہا تھا کہ فنِ سلوک اور اس کے مسائل احادیث سے ثابت نہیں ہیں۔ اور صدیوں سے اہلِ سلوک پر یہ اعتراض چلا آرہا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کتبِ تصوف میں ضعیف روایات تو ہیں ہی اس کے ساتھ ساتھ چندے موضوع روایات بھی ملتی ہیں۔

اگرچہ مولانا تھانویؒ سے پہلے بھی بعض اہلِ سلوک نے مسائلِ تصوف کو احادیث سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن مولانا تھانویؒ نے اس فن کو مستقل طور پر انجام دیا اور اس کے حوالے سے دو بنیادی کتب تصنیف کیں، جو درج ذیل ہیں:

1۔ التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف

2۔ حقیقۃ الطریقۃ من السنۃ العتیقۃ

1۔ التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف:-

مولانا تھانویؒ کی یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں مولانا تھانویؒ نے ان احادیث کی تحقیق کی ہے جو تصوف کی کتابوں میں یا صوفیہ کے کلام میں آتی ہیں۔ اور یہ دکھایا ہے کہ اصول و فن حدیث کی رو سے یہ حدیث کس درجہ کی ہے اور حدیث کی کس کتاب میں ہے۔ جو روایات ان میں دراصل حدیث نہ تھیں بلکہ عوام نے غلط فہمی سے ان کو احادیث سمجھ رکھا ہے۔ اگر صوفیاء کے یہ اقوال نتیجہ کے طور پر کسی دوسری حدیث یا آیت سے ثابت ہیں تو ان احادیث

و آیات اور ان سے ان اقوال کی صحت کے طریق و استنباط پر گفتگو فرمائی ہے۔

التشرف کا حصہ اول:-

التشرف کے حصہ اول میں مولانا تھانویؒ نے امام غزالیؒ کی احیاء العلوم کی احادیث کی تخریج کی ہے۔ اس حصہ کا ماخذ زیادہ تر امام غزالی کی تخریج احیاء العلوم ہے۔ جس کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ احادیث کی دیگر کتب بھی ہیں۔ جن کا بھی حوالہ دیا گیا ہے۔

toobaafoundation.com

التشرف کا حصہ دوم:-

اس کتاب کے حصہ دوم میں مولانا رومؒ کی مثنوی کے دفتر اول اور اس کی شرح کلید مثنوی میں جو احادیث وروایات آئی ہیں ان کی تخریج کی گئی ہے۔اس حصہ میں موجود احادیث کی تخریج کا زیادہ تر ماخذ امام سخاویؒ کی المقاصد الحسنہ ہے۔

التشرف کا حصہ سوم و چہارم:-

التشرف کے اس حصہ میں مولانا تھانویؒ نے زیادہ تر احادیث امام سیوطیؒ کی " جامع صغیر " سے اور کچھ "کنوزالحقائق " سے لی ہیں۔حصہ سوم وچہارم میں احادیث حروفِ تہجی کے اعتبار سے دی گئی ہیں۔وہ اس طرح کہ حصہ سوم میں وہ احادیث ذکر کی گئی ہیں جن کا متن "الف" سے شروع ہو رہا ہے۔اور حصہ چہارم حصہ سوم کی نسبت انتہائی مختصر ہے۔اس حصے میں "ب سے ی "تک کی احادیث پر مشتمل ہے۔"[1]

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اس کتاب کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

" التشرف سے پہلے احادیث تصوف میں مستقل کتاب سننے میں نہیں آئی۔ ان کے خیال میں یہ موضوع تا ہنوز تکمیل اور کسی صاحب ہمت کی تحقیق کا متقاضی ہے۔کیونکہ اس میں جملہ احادیث تصوف کا استیعاب ہوا۔"[2]

اس کتاب میں کل 630 احادیث سے مسائل تصوف اخذ کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب پہلے تو اس طرح چھپ رہی تھی کہ صفحے کے دائیں طرف عربی متن اور بائیں طرف تکمیل التصرف فی تسہیل التشرف' کے عنوان سے مولانا تھانویؒ نے جو اس کتاب کا ترجمہ کیا تھا۔ وہ چھاپا جاتا ہے۔ لیکن اب یہ کتاب ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ ملتان سے صرف اردو میں شائع ہو رہی ہے اور اس کا عربی متن ساتھ نہیں ہے۔اس ادارے کی یہ کتاب 360 صفحات پر مشتمل ہے۔اس کتاب کے شروع میں پہلے تمہید ہے۔ پھر اس کتاب کے حصہ اول کے موضوعات،عبادات،عادات،منجیات اور مھلکات کے تحت ذیلی موضوعات ذکر

---

[1] مولانا اشرف علی تھانویؒ اور احادیث تصوف کی تدوین و تحقیق،ص: 188۔190،ملخصاً؛ندوی، سلیمان احمد،سید علامہ،مجدد الملت کے آثار علمیہ،حسن تدبیر،دہلی،جلد:1،شمارہ: 3،مئی۔اکتوبر2007،ص: 110؛ مآثر حکیم الامت،ص: 306

[2] شیروانی،وکیل احمد،مولانا،،اشرف المقالات، مجلس صیانۃ المسلمین،لاہور، 1995ء،197/2

toobaafoundation.com

کیے گئے ہیں۔ جبکہ حصہ دوم، سوم اور چہارم میں مسائل تصوف کے متعلقہ احادیث مختلف عنوانات کے تحت ذکر کی گئی ہیں۔ اور 'ف' یعنی فائدہ کے عنوان سے مسائلِ تصوف بیان کیے گئے ہیں۔

نمبر ۲ : حقیقۃ الطریقۃ من السنۃ العتیقۃ:-

یہ کتاب مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصوف کے موضوع پر مشہور کتاب 'التکشف عن مہمات التصوف' کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس کتاب میں ان 13 موضوعات کے متعلق احادیث ذکر کی گئی ہیں۔

1. اخلاق
2. احوال
3. اشغال
4. تعلیمات
5. علامات
6. فضائل
7. عادات
8. رسوم
9. مسائل
10. اقوال
11. توجیہات
12. اصلاح
13. متفرقات

اس کتاب میں کل 330 احادیث ذکر کی گئی ہیں۔ اس کتاب کا اسلوب یہ ہے کہ عنوان عربی یا فارسی زبان میں ذکر کرنے کے بعد حدیث کا عربی متن ذکر کیا جاتا ہے۔ اور عربی متن کی تخریج بھی کی گئی ہے۔ پھر متن حدیث کا اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ سب سے آخر میں 'ف' یعنی فائدہ کے عنوان سے اس حدیث سے مستنبط مسائلِ تصوف ذکر کئے گئے ہیں۔

ذیل میں اس کتاب کے چند اردو عنوانات ذکر کیے جاتے ہیں:

toobaafoundation.com

خطرات کی طرف توجہ نہ کرنا، شیخ کے حکم کو بجالانے میں مبالغہ کرنا، فضیلت جماعتِ صوفیہ، بزرگوں کے تبرکات کو رکھنا، محبوب کی ناراضگی سے لذت حاصل کرنا، غیر یقینی اسباب کو ترک کرنا، حقیقت پر شریعت کو ترجیح دینا، قبض سے دل گرفتہ نہ ہونا، ریاضت و مجاہدہ میں غلو کرنے کی ممانعت، شیخ کے حکمِ ظاہری پر حکمِ باطنی کو ترجیح دینا، قبروں پر چادر اور غلاف چڑھانا برا ہے، زمین کا سکڑ جانا ممکن ہے، خلافِ شرح تعویذ اور گنڈوں کا استعمال درست نہیں، بعض گناہوں پر کفر کا اطلاق کرنا، عام طور پر شائع رسموں کا ترک کرنا، انسان کا حق تعالیٰ کا مظہر ہونا، پیر بنانے میں احتیاط ضروری ہے،

تصرف کے ذریعے اثر پہنچانا، کرامات کا صادر ہونا صحیح ہے، احتیاطاً امر مباح کو ترک کرنا، اثبات عالم مثال، اصلاح معاملات قبور، بزرگوں کی جوتیاں اٹھانا، حقیقت دست غیب، اپنے کو بددین وغیرہ کہنا، نفس سے جہاد کو جہاد اکبر کہنا، وجد و استغراق، توسل، ہر جگہ حق تعالی کے موجود ہونے کا حکم، تہمت کے اسباب سے بچنا، فتنوں کی جگہوں سے دور رہنا، مرید کو زیر بادنہ کرنا چاہیئے، اکابر کو اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے وغیرہ انتہائی وقیع موضوعات اس کتاب میں موجود ہیں۔

تصوف کے اہم مسائل پر مولانا تھانویؒ کے حدیثی استدلالات۔۔۔تعارف وجائزہ

ذیل میں مولانا تھانویؒ کی اس حوالے سے دو بنیادی کتب: حقیقۃ الطریقۃ من السنۃ الانیقۃ اور التشرف بمعرفۃ عن احادیث التصوف سے چند احادیث کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ احادیث سے مسائل تصوف کے اخذ واستنباط میں مولانا تھانویؒ کے اسلوب کا اندازہ ہوسکے۔

نمبر 1) تصوف کے اصولی مسائل پر استدلالات:-

ا۔ علم باطن اور معرفت ربانی:۔

علم باطن اور معرفت ربانی کے حوالے سے درج ذیل احادیث کا ذکر کیا جاتا ہے۔

i۔ مسئلہ، ثبوت اعتبارِ باطن:-

اس عنوان کے تحت مولانا تھانویؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ذکر کی ہے۔ اور اس سے علمِ باطن اور طریقِ تصوف کو ثابت کیا ہے۔

toobaafoundation.com

حدیث:۔ "عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال:قال رسول اللہ ﷺ فی حدیث طویل: " ان اللہ لا ینظر الیٰ صورکم و اجسادکم ولکن ینظر الیٰ قلوبکم و اعمالکم، التقوی ھٰھنا والتقوی ھٰھنا و یشیر الی صدرہ "۔[1]

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ: حق تعالیٰ تمھاری صورت اور جسم کو نہیں دیکھتے (کہ حسین و جسیم ہے یا نہیں) لیکن تمھارے قلوب اور اعمال کو دیکھتے ہیں اور دو مرتبہ یہ ارشاد فرمایا کہ تقویٰ اس جگہ ہے یعنی سینہ میں۔

"اس حدیث سے بھی طریق تصوف کا اثبات ہوتا ہے کیوں کہ خلاصہ اس کا یہی تصفیہ قلب و تہذیب اعمال ہے اور تنفیر سے تعمیر بدن سے اور اس تعمیر بدن میں اعمالِ ریائیہ بھی آ گئے، کیونکہ حدیث میں ان ہی اعمال کو منظور الیہا فرمایا گیا ہے جو مقرون بخلوص القلب و تقویٰ ہوں اور بعض بزرگوں کے کلام میں جو ظاہر کا مطلقاً غیر معتدبہ ہونا اور مدار محض باطن پر ہونا وارد ہے اس کی توجیہ یہی ہے خود احادیث میں ایسے اطلاقات آئے ہیں مثلاً' لاایمان لمن لاأمانۃ لہ"[2]

ii۔ مسئلہ، اثبات اسرار غیر منقولہ:۔

اس عنوان کے تحت مولانا تھانویؒ نے ایک حدیث کی روشنی میں علم لدنی اور علم وھبی کو ثابت کیا ہے جو اکثر اہل اللہ سے منقول ہے جبکہ اہلِ ظاہر اس کا انکار کرتے ہیں۔

حدیث:"عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ وابی خلاد رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال:' اذا رأیتم العبد یعطیٰ زھدفی الدنیاوقلۃ منطق، فاقتربوامنہ فانہ یلقی الحکمۃ۔"[3]

ترجمہ: حضرت ابوھریرہؓ اور ابنِ خلادؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ: جب کسی شخص کو دیکھو کہ زہد فی الدنیا

---

[1] صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ واحتقارہ ودمہ وعرضہ ومالہ رقم:32 (2564)؛ سنن أبو داؤد، کتاب الأداب، باب الغیبۃ، رقم:4882؛ جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب شفقۃ المسلم علی المسلم، رقم:1927، وقال: حسن غریب؛ سنن ابن ماجۃ، کتاب الزھد، باب القناعۃ، رقم:4143

[2] تھانویؒ، اشرف علی، مولانا، التکشف عن مھمات التصوف، ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، 1430ھ، ص:546

[3] سنن للبیھقی، کتاب شعب الایمان، باب فی الحفظ اللسان، فصل فی فضل السکوت عمالایعینہ، 4/254، رقم:4985

toobaafoundation.com

اور قلت کلام اس کو عنایت ہوا ہے، تو اس کے نزدیک رہا کرو، کیوں کہ اس کو حکمت (حکم اسرار وہبیہ) کی تعلیم و تلقین کی جاتی ہے۔

"اس کو علم لدنی اور علم وہبی بھی کہتے ہیں۔ جس کا عطا ہونا اہل اللہ کو بکثرت اور بتواتر منقول ہے اور ان حضرات کی کتب بھی ان علوم کی مدون و محفوظ ہیں جس پر اہل تکشف بے سمجھے بوجھے انکار کر کے اس شعر کا مصداق بنتے ہیں:

ے وکم من غائب قولاً صحیحا وافته من الفهم السقیم"[1]

iii۔ضرورتِ فکر و معرفت:-

اس عنوان کے تحت مولانا تھانویؒ نے صوفیاء کے بارے میں بیان کیا ہے کہ قرآن، کائنات اور عبادت کی فکر و معرفت، ان کے طریقے کا سب سے بڑا مدار رہا ہے۔

حدیث:"عن علی رضی الله عنه قال: " لا خير فی قراءة ليس فيها تدبر ولا عبادة ليس فيها فقه"۔[2]

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا: ایسے قرآن پڑھنے میں کوئی (معتد بہ) نفع نہیں جس میں فکر نہ ہو اور نہ ایسی عبادت میں جس میں معرفت نہ ہو۔

"صوفیاء کے طریق کا مدارِ اعظم یہی فکر و معرفت ہے اس کے ضروری ہونے سے طریق صوفیاء کا کس درجہ ضروری ہونا معلوم ہوتا ہے۔"[3]

iv۔علامات، نسبتِ باطنی:-

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے مولانا تھانویؒ نے نسبتِ باطنی کی علامت کو ذکر کیا ہے جو شیخ کی تلاش اور پہچان میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ لیکن کسی شخص کے اندر اس خوبی کا پایا جانا اس کے مکمل ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

---

[1] التکشف عن مہمات التصوف، ص: 674

[2] الفردوس للدیلمی، باب لام الف، رقم: 7879

[3] التکشف عن مہمات التصوف، ص: 629

toobaafoundation.com

حدیث:عن ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ قال: تلا رسول اللہ: (فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام)[1]۔

"فقال رسول اللہ ان النور اذا دخل الصدر تفسح فقیل: یا رسول اللہ! ھل لتلک من علم یعرف بہ ؟ قال: نعم، التجأ فی من دار الغرور، والا نابۃ الیٰ دار الخلود، والاستعداد للموت قبل نزولہ"۔[2]

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی، 'فمن یرد اللہ' الخ (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو ہدایت فرمانا چاہتے ہیں اس کا سینہ اسلام کے لئے کشادہ کر دیتے ہیں) اور فرمایا کہ: 'نور جب قلب میں داخل ہوتا ہے وہ کشادہ ہو جاتا ہے'، عرض کیا گیا یارسول اللہ! کیا اسکی کوئی علامت اور پہچان بھی ہے؟ فرمایا: 'ہاں اس دھوکہ کے گھر (یعنی دنیا) سے (دل کی) علیحدگی، اور دارالخلود کی طرف توجہ، اور موت کے آنے سے پہلے اس کے لئے تیاری۔"

"اس نسبت باطنی کا نام نور اور شرح صدر بھی ہے اور علامت اس کی حدیث میں منصوص ہے ایسی علامتیں تلاش پیر میں معین ہوتی ہیں اور مشیخت کی اہلیت کے لئے اس کے ساتھ دوسرے صفات بھی ضروری ہیں مگر یہ صفات بھی موقوف علیہ ہیں پس یہ صفات شرط ہیں علت تامہ نہیں۔"[3]

2)۔ تجلیاتِ الٰہی:۔

اس عنوان کے تحت عالم غیب کی آواز کا منکشف ہونا، عارف کامل کی ترقی کی انتہاء، دنیا میں اللہ کا دیدار، اولیاء مقربین کی علامت، انوار کی طرف توجہ اور اللہ کا اپنی مخلوق میں ظہور کیسا ہوتا ہے؟ کو بیان کیا جائے گا۔

i۔عالمِ غیب کی آواز کا منکشف ہونا:

حدیث:" عن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ اذا نزل علیہ الوحی یسمع عند وجھہ کدوی النحل۔"[4]

---

[1] الانعام6:125
[2] سنن للبیھقی، کتاب شعب الایمان، باب فی الزھد وقصر الأمل، 10552/7
[3] التکشف عن مھمات التصوف، ص: 673
[4] سنن ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، سورۃ المومنون، رقم:3173

toobaafoundation.com

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ پر جب وحی نازی ہوتی تو آپ کے چہرے کے قریب ایک ایسی غیر مفہوم آواز سنائی دیتی جیسے شہد کی مکھی کی آواز ہوتی ہے۔

ف:"بعض اوقات کسی شغل سے، بعض اوقات کسی بزرگ کے قرب کی برکت سے، بعض اوقات دوسرے اسباب سے عالمِ غیب کی آواز منکشف ہو جاتی ہے، حدیث میں ایسی ہی آواز کا ذکر ہے، لیکن شغل کی ہر آواز آوازِ غیبی نہیں اکثر اوقات خود شاغل ہی کے دماغ میں ہوا کا احتباس اور تموج ہو کر بھی آواز محسوس ہونے لگتی ہے۔"[1]

ii۔ دنیامیں اللہ کی رؤیت ممتنع ہے:۔

اس عنوان کے تحت مولانا تھانویؒ نے جو حدیث ذکر کی ہے اس سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس دنیا میں اللہ کا دیدار ممکن نہیں ہے۔لہذا جن جہلا صوفیاء کا دنیامیں دیدار الٰہی کا عقیدہ ہے وہ درست نہیں ہے اور اس کا ترک واجب ہے۔

حدیث:" عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ قال قام فینا رسول اللہ بخمس کلمات وفیھا: حجابہ النور لو کشفتہ لاحرقت سبحات وجھہ ما انتھی الیہ بصرہ من خلقہ"۔[2]

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ہم میں کھڑے ہو کر پانچ مضمون بیان فرمائے، ان میں یہ بھی مضمون تھا کہ:' اللہ تعالیٰ کا حجاب نور ہے، اگر وہ اس نور کو اٹھادے تو اس کے انوارِ جلال ذاتی تمام مخلوق کو جہاں تک اللہ تعالیٰ کی نگاہ پہنچے سب کو جلادے'، اور ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کی نظر تمام مخلوق کو محیط ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ تمام مخلوق اس کے نور ذات سے سوختہ ہو جائے۔

"اکثر جہلاء صوفیاء کا اعتقاد ہے کہ سالک کو دنیامیں ہی مثلِ آخرت کے اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو سکتا ہے، یہ حدیث اس اعتقاد کی تغلیط کرتی ہے، ان لوگوں کو اپنے اس اعتقاد کی اصلاح واجب ہے۔"[3]

---

[1] التکشف عن مھمات التصوف، ص: 648

[2] صحیح مسلم، کتاب الایمان، قولہ علیہ السلام: ان اللہ لاینام، رقم:۲۹۳ (۱۷۹)؛ سنن ابن ماجۃ، المقدمۃ، فیما انکرت الجھمیۃ، رقم: 192

[3] التکشف عن مھمات التصوف، ص:552

toobaafoundation.com

iii۔ تعلیم، عدم التفات الی النور:۔

حدیث:"عن قتادہ رضی اللہ عنہ قال: کان رسول اللہ اذا رأی الھلال صرف وجھہ عنہ۔"[1]

ترجمہ: حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ جب ہلال دیکھتے تو اس کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیتے تھے۔

"ائمہ فن کی تعلیم ہے کہ اگر مراقبات میں کچھ انوار ہوں تو انکی طرف توجہ نہ کرنا چاہیے اور ان ہی انوار کی نسبت کہا ہے کہ حجابِ نورانی اشد ہے حجابِ ظلمانی سے، اس حدیث سے اس تعلیم کی تائید ہو سکتی ہے: کیونکہ آپ ﷺ کا چاند سے اعراض فرمانا اس وجہ سے تھا کہ بعض عوام کواکب کی طرف ایسی نظرِ تعظیمی سے توجہ رکھتے تھے کہ صانع عالم کی طرف توجہ کرنے سے وہ مانع ہو جاتی تھی، سو یہی علت انوارِ مذکورہ میں محقق ہے کہ ان کی طرف التفات کرنا مانع وشاغل ہو جاتا ہے مقصودِ حقیقی کی طرف توجہ کرنے سے، خوب سمجھ لو۔"[2]

اس حدیث کی روشنی میں مولانا تھانویؒ نے سالکین کو اس بات کی تلقین کی ہے کہ اگر مراقبے یا کسی عمل کے دوران انوار ظاہر ہوں تو ان کی طرف توجہ نہ کی جائے بلکہ اصل مقصد کی طرف توجہ کی جائے۔

iv۔ مسئلہ، عدم انتہائے ترقی عارف:۔

حدیث:" عن ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فی قولہ تعالیٰ: (لترکبن طبقاً عن طبق)[3] قال: حالا بعد حال قال: ھذا نبیکم ﷺ۔"[4]

ترجمہ: حضرت ابنِ عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں (لترکبن طبقا عن طبق) منقول ہے کہ انہوں نے اس کے یہ معنی کہے ہیں۔ 'حالاً بعد حال' اور کہا ہے کہ اس کے مخاطب تمہارے پیغمبر ﷺ ہیں (یعنی آپ ﷺ یکے بعد دیگرے حالات کو طے فرمادیں گے)

---

[1] سنن ابوداود، کتاب الأدب، باب مایقول الرجل اذا رأی الھلال، رقم:۵۰۹۳، قال أبوداود: لیس عن النبی فی ھذا الباب حدیث مسند

[2] التکشف عن مھمات التصوف، ص525-526

[3] الانشقاق 19:84

[4] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ اذا السماء انشقت، رقم:4940

toobaafoundation.com

"اہلِ طریق کے ملفوظات میں منقول ہے کہ عارف کامل کی ترقی کبھی منتہیٰ نہیں ہوتی، یہ حدیث اپنے اطلاق الفاظ سے اس پر منطبق ہے کیوں کہ حالاً بعد حال سے نہ تثنیہ مقصود ہے اور نہ اس میں کوئی عدد اور حد مذکور ہے، اس لئے احوال لا تقف عند حد اس کا مصداق ہو گا اور یہی مطلب ہے ان الفاظ مذکور کا۔"[1]

اس حدیث کے ضمن میں مولانا تھانویؒ نے ایک کامل کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ کسی مقام پر رکتا نہیں ہے اسلئے کہ اس کی ترقی کی کوئی حد نہیں ہوتی ہے۔ عارف کی ترقی کا کوئی منتہیٰ نہیں۔

3)۔ ذکر و مراقبہ:۔

ذکر و مراقبہ کے عنوان کے تحت ان مسائل کا ذکر کیا جائے گا: اللہ کے ذکر کے ذریعہ وسوسہ کو ختم کرنا، حلقہ بنا کر ذکر کرتے ہوئے مل کر بیٹھا جائے، اگر کسی کو تکلیف نہ ہو تو بلند آواز میں بھی ذکر کیا جاسکتا ہے، بلند آواز میں ذکر کرنا قربتِ مقصودہ نہیں ہے، مراقبہ اور مراقبہ کی یہ کیفیت کہ مرنے سے پہلے مر جاؤ۔

i۔ تعلیم، انقطاع، وسوسہ بذکر:

حدیث: "عن ابنِ عباس رضی الله عنه قال: قال رسول الله " الشیطان جاثم علیٰ قلب ابن ادم فاذا ذکر الله تعالیٰ خمس، وإذ غفل وسوس" ۔[2]

ترجمہ: حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ: " شیطان آدمی کے قلب پر جما ہوا بیٹھا ہے، جب آدمی اللہ کو یاد کرتا ہے تو وہ ہٹ جاتا ہے اور جب غافل ہوتا ہے تو وسوسہ ڈالنے لگتا ہے۔"

عبداللہ بن عباسؓ کی اس روایت کردہ حدیث کے ضمن میں مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں کہ وسوسہ اگرچہ غیر اختیاری ہے لیکن اللہ کے ذکر کے ذریعہ وسوسہ کی کلفت سے بچا جاسکتا ہے۔

---

[1] التکشف عن مہمات التصوف، ص: 489

[2] جامع الاصول فی احادیث الرسول، باب سورۃ المعوذتین، رقم:899؛ مصنف ابن ابی شیبہ، باب کلام ابن عباس، رقم:34774؛ سنن ابوداؤد، باب اخبار ابن عباس، رقم:337

toobaafoundation.com

ذکر اللہ کے ذریعہ وسوسہ کا ختم ہونا:

"اس حدیث میں علاج ہے وسوسہ کا کثرتِ ذکر سے، اور اس کی وجہ عقلاً بھی ظاہر ہے، کیوں کہ مسئلہ عقلیہ مسلمہ ہے کہ نفس ایک آن میں دو طرف توجہ نہیں کر سکتا جب ذکر میں مشغول ہو گا ظاہر ہے کہ وساوس غیر ذکر میں منقطع ہو جاویں گے اور یہ علاجِ مشترک ہے اختیاریہ موثمہ وساوس اختیاریہ مباحہ ووساوس اختیاریہ میں یعنی وسوسہ معصیت کا ہو اور قصداً ہو اور اس کے مقتضاء پر عمل بھی ہو خواہ ظاہراً یا باطناً جس میں گناہ ہوتا ہے اور جو ایسا نہ ہو اور اس میں گناہ نہ ہوتا ہو گو قصداً ہو اور جو بلا قصد ہو یہ تینوں کا علاج ہے اور وساوس مباحہ میں گو ضرر معصیت نہ ہو لیکن قلب کی استعداد ردی ہو جاتی ہے، جس سے معصیت کے لئے اسرع للقبول ہونے کا اندیشہ قوی ہے اور وسوسہ غیر اختیاریہ سے گو استعداد بھی خراب نہیں ہوتی لیکن کلفت اور تشویشِ قلب پیدا ہونے سے اندیشہ تعطل وترکِ ذکر کا ہوتا ہے لہٰذا اس کا علاج بھی مصلحت ہے۔"[1]

تراص فی الحلقہ:

حدیث:" عن ابنِ عمر رضی الله عنه قال: قال رسول اللهﷺ "اقیموا الصفوف وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل الینوا بأیدی اخوانکم ولا تذروا فرجات الشیطان"۔[2]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: صفوں کو سیدھا کیا کرو اور کندھوں کو برابر رکھا کرو اور درمیانی فصل کو بند کر دیا کرو اور اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جایا کرو اور شیطان کے فاصلے بیچ میں مت چھوڑا کرو۔

اس حدیث کی روشنی میں مولانا تھانویؒ نے اس بات کو بیان کیا ہے کہ جب حلقہ بنا کر ذکر کیا جائے تو آپس میں مل کر بیٹھنا چاہئے۔ اور اگر درمیان میں خلاء چھوڑی جائے تو اس سے زیادہ وساوس پیدا ہوتے ہیں۔

---

[1] التکشف عن مہمات التصوف، ص: 491

[2] صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب من أخف الصلاۃ عند بکاء الصبی، رقم: 709۔ 710؛ صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ، باب أمر الأئمۃ بتخفیف الصلاۃ فی تمام، رقم: 192(470)؛ سنن ترمذی: کتاب الصلاۃ، باب اذا أم أحدکم الناس فلیخفف، رقم: 237۔ وقال: حسن صحیح، ولفظہ من أخف الناس صلاۃ فی تمام؛ سنن نسائی: کتاب الامامہ، باب ما علی الامام من التخفیف، رقم: 826؛ سنن ابن ماجۃ، کتاب اقامۃ الصلوات، باب من أم قوما فلیخفف، رقم: 989

toobaafoundation.com

ii۔حلقہ بنا کر ذکر کرتے ہوئے مل مل کر بیٹھنا:

" مشائخ نے فرمایا کہ اگر ذکر حلقہ کے ساتھ کیا جائے تو خوب مل مل کر بیٹھیں اس حدیث میں "سدو الخلل ولا تذروا" اس کی اصل ہے اور بعض اہلِ وجدان نے فرمایا ہے کہ فرجات چھوڑنے سے وساوس زیادہ ہوتے ہیں، فرجات الشیطان میں اس طرف بھی اشارہ ہے۔"[1] حدیث:" عن أبی سعید رضی اللہ عنہ قال: اعتکف رسول اللہ ﷺ فی المسجد، فسمعھم یجھرون بالقرآن فکشف الستر فقال: "الان کلکم یناجی ربہ فلا یؤذین بعضکم بعضاً ولا یرفع بعضکم علیٰ بعض فی القرأۃ او فی الصلوٰۃ"[2]

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسولِ مقبول ﷺ نے مسجد میں اعتکاف فرمایا اور لوگوں کو قرآن پکار کر پڑھتے ہوئے سنا، پس پردہ اٹھایا اور فرمایا کہ سن لو! تم میں ہر شخص اپنے رب سے عرضِ معروض کر رہا ہے (اور وہ آہستہ اور پکار کر ہر طرح سن لیتا ہے) پس ایک دوسرے کو پریشان مت کرو یعنی قرآن پڑھنے میں یا نماز میں ایک دوسرے پر آواز بلند مت کرو۔

اس حدیث کی روشنی میں مولانا تھانویؒ نے ذکر بالجہر کی مشروعیت کو بیان کیا ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ بلند آواز میں ذکر کرنے کی صورت میں کسی کو تکلیف نہ ہو۔اس طرح مولانا تھانویؒ نے ان لوگوں پر نکیر فرمائی ہے جو بلند آواز میں ذکر کرتے ہوئے دوسروں کی تکلیف کی پرواہ نہیں کرتے۔

iii۔بآوازِ بلند ذکر کرنا اگر کسی کو تکلیف و پریشانی نہ ہو تو درست ہے:

"اس حدیث میں آپ نے نہی عن الجہر کو معلل فرمایا عدم ایذاء کے ساتھ اس سے دو امر مستفاد ہوئے، ایک یہ کہ ذکر جہر فی نفسہ مشروع ہے اور دوسرے یہ کہ اس کی مشروعیت مشروط ہے اس سے کسی کو ایذاء اور تشویش نہ ہو، پس اس میں فصل ہے درمیان افراط و تفریط کے اس مسئلہ میں جو اس وقت واقع ہو رہے ہیں کہ بعض مطلقاً جہر بالذکر کو خلاف سنت کہتے ہیں، اور بعض اس پر اس قدر مصر ہیں گا ہے اہلِ محلہ کو تکلیف ہو، نیندیں برباد ہو جاویں، نماز بھولنے لگیں، لیکن وہ اس طرف اصلاً التفات نہیں کرتے، اصل یہ ہے کہ عبادت مقصودہ تو نفس ذکر ہے اور جہر فی نفسہ عبادت نہیں، صرف اس میں بعض مصالح ہیں تاثر قلب، تقلیل خطرات ونحو ذالک، لیکن اگر کسی کو ایذاء پہنچے تو ایذاء رسانی سے جو مضرت باطنی ہوتی ہے وہ اس

[1] التکشف عن مہمات التصوف، ص: 541-542

[2] سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ التطوع، باب رفع الصوت بالقرائۃ فی صلاۃ اللیل، رقم:1332

toobaafoundation.com

مصلحت سے زیادہ اشد ہے، لہذا اس وقت اخفاء ضروری ہے، رہا یہ کہ اگر مفاسد و مصالح دونوں قسم کے عوارض نہ ہوں تو فی نفسہ جہر اولیٰ ہے یا خفی، تو احادیث سے اولویت خفی کی معلوم ہوتی ہے۔"[1]

اصلاح، عدم اعتقاد تقرب در جہر بذکر:

حدیث: "عن أبي موسیٰ رضی الله عنه قال: کنا فی سفر فجعل الناس یجھرون بالتکبیر، فقال النبی: اربعوا علیٰ انفسکم انکم لا تدعون اصم ولا غائب انکم تدعون سمیعا بصیراً وھو معکم والذی تدعونه اقرب إلی احدکم من عنق راحلته"[2]

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں تھے لوگ اللہ اکبر اللہ اکبر پکارنے لگے، حضور ﷺ نے فرمایا: "اپنی جانوں پر نرمی کرو تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو، تم ایک سمیع بصیر کو پکارتے ہو وہ تمھارے ساتھ ہے اور جس کو تم پکارتے ہو وہ تم سے ناقہ کی گردن سے بھی نزدیک تر ہے۔

بآوازِ بلند ذکر کے بارے میں لوگ افراط و تفریط کا شکار ہیں اس طرح کہ بعض لوگ ذکر بالجہر کرتے ہوئے کسی کا بھی کوئی خیال نہیں کرتے اور لوگوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ دوسری طرف بعض لوگ اس عمل کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ مولانا تھانویؒ اس حدیث کی روشنی میں اس نقطہ نظر کے حامل لوگوں کی اصلاح کرتے ہیں۔

iv۔ بآواز بلند ذکر کرنا قربتِ مقصودہ نہیں ہے:

"نفسِ جہر تو نصوص کثیرہ سے ثابت ہے اسمیں کسی کو کلام نہیں البتہ کلام جہر مفرط میں ہے، سو بعضے غالی اس کو قربتِ مقصودہ سمجھتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ نفع ذکر کا اسی پر موقوف ہے اور اسی وجہ سے ان کو کسی کی راحت اور ایذاء کی بھی پرواہ نہیں ہوتی، اور بعضے متشدد اس بناء پر کہ کسی روایت میں منقول نہیں بلکہ اس حدیث میں نہی منقول ہے، چنانچہ اَربعوا دال ہے کہ اس جہر میں افراط تھا اس کو مذموم و بدعت سمجھتے ہیں، مگر تحقیق یہ ہے کہ نہ قربت ہے اور نہ بدعت جبکہ اس کے قربت ہونے کا اعتقاد نہ کرے، بلکہ اس کو معالج سمجھے کیونکہ اس میں تجربہ سے خاصیت دیکھی گئی ہے کہ قلب میں رقت اور خواطر

---

[1] التکشف عن مھمات التصوف، ص:492

[2] صحیح البخاری، کتاب الجھاد، باب مایکرہ من رفع الصوت فی التکبیر، رقم:2992؛ صحیح المسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب استحباب خفض الصوت بالذکر الا فی المواضع التی ورد الشرع برفع فیھا کالتلبیۃ وغیرھا، رقم:44-46 (2704)؛ سنن ابوداؤد، کتاب الوتر، باب فی الاستغفار، رقم: 1026؛ سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب فضل التسبیح والتکبیر والتھلیل، رقم:3461، وقال: حسن صحیح

toobaafoundation.com

میں جمیعت حاصل ہوتی ہے پس اس بناء پر یہ مباح ہے اور مباح کی اباحت ہمیشہ مشروط ہوتی ہے رفع عوارض کے ساتھ، پس اس میں بھی قید ہوگئی کہ کسی کو تشویش وایذانہ ہو ورنہ آبادی سے دور جانا چاہیے، اور اس حدیث میں جو نہی آئی ہے، محمول ہوگی اعتقاد قربت پر جیسا کہ تعلیل لا تدعون اَصم الخ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے، جس کی تقریر یہ ہے کہ جہر مفرط قربت اس وقت ہو سکتا تھا کہ منادی 'سمیع وبصیر نہ ہوتا تو اس کے اسماع کے لئے جہر مفرط ضروری تھا اور جب کہ وہ واقع میں بھی اور تمھارے اعتقاد میں بھی سمیع وبصیر ہے پھر جہر موقوف الیہ اسماع کا نہ ہوا تو قربت بھی نہ ہو گا، باقی اس سے نفی اس فائدہ معالجہ کی لازم نہیں آتی، کیوں کہ وہ مسکوت عنہ ہے، رہا یہ کہ جب وہ بھی ایک امر قابل تحصیل ہے تو مرعوب فیہ لغیرہ ہوا پھر اس کی ترغیب کیوں نہ دی گئی، اصل یہ ہے کہ صحابہؓ کو یہ فائدہ بدون اس معالجہ کے حاصل تھا، اس لئے کہ اس وقت مرغوب فیہ نہ تھا بعد میں اس کی احتیاج ہوئی۔"[1]

4)۔ مراقبہ کا ثبوت:۔

حدیث:"عن ابنِ عباس رضی الله عنه قال: قال ابوبکر رضی الله عنه: یا رسول الله شبت قال: شیبنی هود والواقعة"[2]

ترجمہ: حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ:" مجھ کو سورہ ھود اور سورہ واقعہ نے بوڑھا کر دیا" (بوجہ اس کے کہ سورہ ھود میں امم سابقہ کے معذب اور مورد غضب الٰہی ہونے کا ذکر ہے اور سورہ واقعہ میں اہلِ نار وجنت کی حالت کی تفصیل ہے اور یہ دونوں مضمون عبرت اور خشیت حاصل کرنے کے لئے ہیں)

اس حدیث کے ضمن میں مولانا تھانویؒ نے مراقبہ کی تعریف اور اس کا جواز بیان کیا ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں دائمی غور وفکر سے تقویٰ کا ملکہ حاصل ہوتا ہے۔"ذات وصفات حق تعالیٰ یا کسی مضمون خاص کی طرف تدبر تام سے متوجہ ہونا اور اس کا تصور قلب میں مواظبت کے ساتھ جمانا یہ مراقبہ کہلاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اثر خشیت کا ہے کہ جو ان سے بوڑھا کر دے موقوف ہے تفکر دائم اور توجہ قوی پر، پس حدیث سے مثل حال ہیبت کے عمل مراقبہ کا بھی اثبات ہوتا ہے، چنانچہ ظاہر ہے۔"[3]

---

[1] التکشف عن مہمات التصوف، ص: 520-521

[2] ترمذی، محمد بن عیسی، ابوعیسی، محمد بن عیسیٰ، سنن ترمذی، کتاب التفسیر القرآن، باب سورۃ الواقعۃ، رقم:3297، وقال: حسن غریب

[3] التکشف عن مہمات التصوف، ص: 477-478

toobaafoundation.com

تائید قول، موتوا قبل اَن تموتوا(مرنے سے پہلے مر جاؤ):۔

حدیث:"عن ابنِ عمر رضی الله عنه قال: اخذ رسول الله بمنکبی وقال: کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل"۔[1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے میرا کندھا پکڑا اور ارشاد فرمایا کہ" دنیا میں اس طرح رہ گویا تو مسافر ہے، بلکہ گویا راہ میں گزر رہا ہے"،(روایت کیا اس کو بخاری اور ترمذی نے)اور ترمذی نے عابر سبیل کے بعد یہ والا جملہ اور زیادہ روایت کیا ہے کہ:"اپنے کو اہلِ قبور میں سے شمار کر۔

مولانا تھانویؒ اس حدیث کے تحت صوفیاء کے اس قول" موتوا قبل ان تموتوا" کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ قول آپ ﷺ کے ان الفاظ" وعد نفسک من اھل القبور" کی روایت بالمعنی محسوس ہوتا ہے۔لہذا صوفیاء پر وضاعین حدیث یعنی حدیث گھڑنے کا الزام لگانا زیادتی ہے۔اس طرح اس حدیث سے مراقبہ کا بھی اثبات ہوتا ہے۔

" یہ قول اس قوم کی زبان زد ہے، یہ حدیث اسی قول کے ہم معنی ہے پس اگر اس کو اسی حدیث کی روایت کے بالمعنی کہا جائے مستبعد نہیں اور اکثر صریح اقوال ان حضرات کے بنام احادیث جو مشہور ہیں اکثر ان کے مضامین احادیث میں وارد ہیں، اس لئے صوفیاء کرام کو وضاعین حدیث کہنا زیادتی ہے۔کسی مضمون کا دل سے اکثر احوال میں یا ایک محدود وقت تک اس غرض سے کہ اس کے غلبہ سے اس کے مقتضاء پر عمل ہونے لگے تصور رکھنا مراقبہ کہلاتا ہے، جو اعمال مقصودہ قلب میں سے ہے، اس حدیث میں اس کا امر ہے کہ اہل قبور میں سے اپنے کو شمار کرنا عمل قلب کا ہے اور اثر جو اس پر مرتب ہے وہ تقلیل تعلقات دنیویہ اور مثل میت کے شہوت وغضب واخلاق زمیمہ کا مضمحل اور انقیاد و تفویض کا غالب ہو جانا ہے۔"[2]

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب قول النبی کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل، رقم:6416؛ سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی قصر الأمل، رقم:2333؛ سنن ابن ماجۃ، کتاب الزھد، باب مثل الدنیا، رقم:4114

[2] التکشف عن مھمات التصوف، ص: 454

toobaafoundation.com

5)۔ مجاہداتِ اجتہادیہ:۔

اہلِ سلوک بعض اوقات سلوک کی منازل طے کرنے کے لئے مختلف مجاہدے کرتے ہیں۔اس حوالے سے مولانا تھانویؒ نے التکشف میں چند ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن سے ان مجاہدات کی اصل معلوم ہوتی ہے۔ذیل میں مجاہدات کے حوالے سے درج ذیل باتوں کو ذکر کیا جاتا ہے۔ریاضت و مجاہدہ میں غلو کرنے کی ممانعت، مجاہدہ اور ریاضت میں میانہ روی اختیار کرنا، صوفیاء کے کثرتِ مجاہدات پر لوگوں کے اعتراضات کا جواب اور چلہ کا ثبوت۔

منع عن الغلوفی الریاضۃ:

حدیث:"عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله: اذا قام احدكم من الليل فاستعجم القرآن على لسانه فلم يدر ما يقول فليضتجع"[1]۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:" جب تم میں سے کوئی شخص رات کو اٹھے پھر (غلبہ نوم سے) قرآن اس کی زبان سے صاف نہ نکلے اور (نوم کے غلبہ سے) کچھ خبر نہ ہو کہ کیا زبان سے نکل رہا ہے تو اس کو لیٹ جانا چاہیے" (تاکہ نیند آنے سے طبیعت ہلکی ہو جائے اس وقت پھر پڑھنا شروع کرے)

اس حدیث کی روشنی میں مولانا تھانویؒ نے ان لوگوں کی اصلاح کی ہے جو مجاہدات میں غلو کرتے ہیں جس کے نتیجے میں فرائض کی ادائیگی سے بھی وہ قاصر رہ جاتے ہیں

i۔ریاضت و مجاہدہ میں غلو کی ممانعت:

"بعض لوگ تقلیلِ طعام یا تقلیل منام وغیرہ اسباب مجاہدہ میں بہت زیادہ غلو کرتے ہیں کہ طرق ضرر کی طرف بھی التفات نہیں کرتے، اس حدیث میں اس کی اصلاح ہے اور راز اس میں دو ہیں: ایک یہ کہ غلو سے بعض اوقات ضرر جسمانی لاحق ہو جاتا ہے، پھر ضروری عبادت بھی نہیں ہو سکتی، دوسرا یہ کہ جب غلبہ نوم سے الفاظ صحیح نہیں نکلیں گے تو جو

---

[1] صحیح المسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب امر من نعس صلاتہ اوا ستعجم علیہ القران اوالذکربان یرقد اویقعد حتی یذھب عنہ ذلک، رقم:223 (787)؛ سنن أبوداؤد، کتاب التطوع، باب النعاس فی صلاۃ، رقم:1311؛ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوات، باب المصلی اذا نعس رقم:1372

toobaafoundation.com

ثواب خاص ان الفاظ کے متعلق ہے وہ حاصل نہ ہو گا پھر نرے جاگنے سے کیا فائدہ۔"[1]

تعلیم، توسط فی المجاہدہ:۔

حدیث:" عن أنس رضی الله عنه قال: دخل رسول الله ﷺ المسجد، فاذا حبل ممدود بین الساریتین فقال: ماھذا ؟ قالو: حبل لزینب فاذافترت تعلقت به فقال: " لا حلوه، لیصل احدکم نشاطه فاذافتر فلیقعد"[2]

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھتے کیا ہیں کہ ایک رسی دو ستونوں کے درمیان تنی ہوئی بندھ رہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کیا چیز ہے؟ حاضرین نے عرض کیا کہ یہ حضرت زینبؓ کی رسی ہے، جب وہ (عبادت سے) ماندہ و تعب خستہ ہو جاتی ہیں تو اس سے لگ جاتی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کچھ نہیں اس کو کھول دو، (نفل) نماز طبیعت کی تازگی تک پڑھنا چاہیے اور جب ماندگی اور تعب ہونے لگے تو بیٹھ جانا چاہیے۔

اس حدیث میں بھی مذکورہ بالا حکم بیان ہوا ہے کہ اتنا مجاہدہ نہیں کرنا چاہیے جس کے نتیجے میں انسان کی صحت خراب ہو جائے۔ ہاں اگر کسی کی طبیعت میں سختی یا تنگی نہ ہو تو وہ شخص مجاہدے میں کثرت سے کام لے سکتا ہے۔

ii۔ مجاہدہ وریاضت میں میانہ روی اختیار کرنا:

"ائمہ سلوک نے اتفاق کیا ہے کہ مجاہدہ وریاضت میں اس قدر افراط و غلو نہ کرے کہ طبیعت تنگ ہو جائے یا صحت میں فتور پڑ جاوے اس حدیث میں اس تعلیم کی تصریح موجود ہے اور جن حضرات سے اس کی کثرت اور مبالغہ منقول ہے ان پر شبہ نہ کیا جائے کیونکہ غلبہ شوق اور قوتِ محبت میں ان کو فتور وسستی و تنگی عارض نہ ہوتی تھی اور حدیث میں قعود کو فتور پر مرتب فرمایا ہے۔"[3]

---

[1] التکشف عن مہمات التصوف، ص: 495

[2] صحیح البخاری، کتاب التہجد، باب مایکرہ من التشدید فی العبادۃ، رقم:1150؛ صحیح المسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضیلۃ العمل الدائم، رقم: 784؛ سنن ابوداؤد، کتاب (التطوع) قیام اللیل، باب النعاس فی الصلاۃ، رقم:1312؛ سنن النسائی، کتاب قیام اللیل، باب احیاء اللیل، اختلاف علی عائشۃ فی احیاء اللیل، رقم:1244؛ سنن ابنِ ماجۃ، کتاب اقامۃ الصلوۃ، باب المصلیٰ اذا نعس، رقم:1371

[3] التکشف عن مہمات التصوف، ص: 451

toobaafoundation.com

جہد فی العمل پر اعتراض کا جواب:۔

حدیث:" عن أبي ذر رضی اللہ عنه ان رسول اللہ قام حتی اصبح بآیة (ان تعذبهم فانهم عبادک وان تغفرلهم فانک انت العزیز الحکیم۔[1]) "[2]

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ تمام رات نماز میں کھڑے رہے یہاں تک کہ ایک ہی آیت پڑھتے پڑھتے صبح کردی اور آیت یہ ہے۔" ان تعذبھم" اے اللہ اگر آپ میری امت کو سزا دینے لگیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ نے ان کی مغفرت فرمائی تو آپ زبردست حکمت والے ہیں۔

اس حدیث کی روشنی میں مولانا تھانویؒ نے ان لوگوں کے اعتراض کا جواب دیا ہے جو صوفیاء پر ان کے کثرتِ مجاہدات کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں۔

iii۔ کثرتِ مجاہدات پر اعتراضات کا جواب:

"بعض بزرگوں پر ان کے کثرتِ مجاہدہ کے بارے میں متشددین نے اعتراض بدعت ہونے کا کیا ہے، اس حدیث میں اس کی سنیت ثابت ہوتی ہے اور بعض احادیث میں جو اس کی نہی آئی ہے تو خود انہی حدیثوں میں مصرح ہے کہ وہ اس شخص کے لیے ہے جس کو اس میں نشاط نہ ہو اور اس پر دوام نہ کرسکے۔[3]

iv۔ چلہ کا ثبوت:۔

حدیث:" عن ابنِ عباس رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ: من اخلص للہ اربعین صباحاً ظهرت ینابیع الحکمة من قلبه علی لسانه "[4]

---

[1] المائدہ:5:118

[2] سنن النسائی، باب تردید الآیۃ، رقم:1011

[3] التکشف عن مہمات التصوف، ص: 534

[4] مسند الشھاب، باب من اخلص للہ اربعین، رقم:٤٦٦؛ الاصبہانی، احمد بن عبد اللہ، ابونعیم، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، باب مکحول الشامی۔۔۔، دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبع1409ھ، 5/189

toobaafoundation.com

ترجمہ: حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:" جو شخص چالیس دن تک اللہ کے لئے خلوص (کے ساتھ عبادت) اختیار کرے، علم کے چشمے اس کے قلب سے (جوش زن ہو کر) اس کی زبان سے ظاہر ہوتے ہیں۔

صوفیاء بعض اوقات اپنے مقصد کے حصول کے لئے چلہ کشی کرتے ہیں، چنانچہ اس حدیث سے مولانا تھانویؒ نے چلہ کے جواز کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اکثر بزرگوں سے چلہ کشی کا اہتمام منقول ہے، یہ حدیث اس کی اصل ہے۔"[1]

6)۔ زھد عن الدنیا (دنیا سے بے رغبتی)

زھد کی حقیقت:۔

"کسی رغبت کی چیز کو چھوڑ کر اس سے بہتر چیز کی طرف مائل ہو جانا مثلاً دنیا کی رغبت علیحدہ کر کے آخرت کی رغبت کرنا زھد ہے۔"[2]

اس عنوان کے تحت مندرجہ ذیل مسائل کو بیان کیا جائے گا: ترکِ زینت بقصدٍ، گوشہ نشینی، ورع اور تقویٰ میں مبالغہ کرنا، حلال چیزوں کے چھوڑنے میں غلو کر نیکی ممانعت اور کسی مصلحت کی بنا پر نکاح نہ کرنا۔

i. ترکِ زینت بقصدٍ:

حدیث:" عن معاذ بن أنس رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللهﷺ: (من ترک اللباس تواضعاً وهو یقدر علیه، دعاه الله تعالىٰ یوم القیمة علی رؤوس الخلائق حتی یخیره من ای حلل الایمان شاء یلبسها"[3]

ترجمہ: حضرت معاذ بن انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ:" جو شخص (زینت کے) لباس کو تواضع کی راہ میں چھوڑ دے گا باوجود اس کے کہ اس پر قادر ہو تو اللہ اس کو قیامت کے روز برسرِ مجمع بلائیں گے یہاں تک کہ اس کو اختیار دیں گے کہ ایمان کے جوڑوں میں جو چاہے پہن لے" (ایمان کے جوڑوں سے معنی یہ ہیں کہ ایمان کے انعام کے جو جوڑے عطا

---

[1] التکشف عن مھمات التصوف، ص: 652

[2] تھانوی، اشرف علی، مولانا، شریعت وطریقت، ادارہ اسلامیات، لاہور، 1981ء، ص: 146

[3] سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب البناء کلہ وبال، رقم: 2481

toobaafoundation.com

ہوں گے، جو بہ تفاوت کمال ونقصان ایمان متفاوت ہوں گے مگر اس شخص کو گو اپنے درجہ ایمان کے اعتبار سے اس کا مستحق نہ ہو مگر تواضع کی بدولت اس کو ہر جوڑے کے لینے کا اختیار ہو گا۔ واللہ اعلم)

اس حدیث کے ضمن میں مولانا تھانویؒ نے ان بزرگوں کا ذکر کیا ہے جو ارادۃً زینت کے لباس کو ترک کر دیتے ہیں اور بعض بزرگ ترکِ زینت کا اہتمام نہیں کرتے، ان دونوں افعال کا جواز ہے۔

"اس میں بزرگوں کا معمول مختلف ہے، بعض تو نہ زینت کا اہتمام کرتے ہیں اور نہ ترکِ زینت کا اہتمام کرتے ہیں اور ہر ایک کی ایک نیت اور مصلحت ہے۔" الاعمال بالنیات" دوسری عادت اس حدیث کے موافق ہے۔" [1]

ii. گوشہ نشینی:

حدیث: "عن أبي سعيد رضي الله عنه قال: قيل رسول الله ﷺ اى الناس افضل ؟ قال: مؤمن مجاهد بنفسه وماله في سبيل الله" قيل: ثم من ؟ قال: رجل في شعب من الشعاب يتقي الله ويدع الناس من شره۔" [2]

ترجمہ: حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ کسی نے (حضورؐ) سے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ سب سے افضل کون شخص ہے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔" جو مومن اپنے جان ومال سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو" سوال کیا گیا پھر کون شخص افضل ہے ؟ آپؐ نے فرمایا: "جو شخص (پہاڑ) کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں رہتا ہو اور اللہ سے ڈرتا ہو اور خلق کو اپنے شر سے فارغ کر رکھا ہو۔

اس حدیث میں جہاد اور گوشہ نشینی دونوں کا ذکر ہے۔ مولانا تھانویؒ نے گوشہ نشین ہونے کے مسئلے کا خلاصہ اس طرح بیان کیا ہے کہ اگر کسی شخص سے لوگوں کا فائدہ وابستہ ہو تو اسے لوگوں میں رہنا بہتر ہے۔ اور اگر اس سے لوگوں کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہو تو اس کے لیے خلوت میں رہنا بہتر ہے۔

---

[1] التکشف عن مہمات التصوف، ص:620

[2] صحیح البخاری، کتاب الجھاد والسیر، باب افضل الناس مؤمن مجاھد بنفسہ ومالہ فی سبیل اللہ، رقم:2786؛ صحیح المسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الجھاد والرباط، رقم:122(1888)؛ سنن ابو داؤد، کتاب الجھاد، باب ثواب الجھاد، رقم:2485؛ سنن الترمذی، کتاب فضائل الجھاد، باب ای الناس افضل، رقم:1220 وقال: حسن صحیح؛ سنن النسائی، کتاب الجھاد، باب فضل من یجاھد فی سبیل اللہ بنفسہ ومالہ رقم:3107؛ سنن ابن ماجۃ، کتاب الفتن، باب العزلۃ، رقم:3978

toobaafoundation.com

" اکثر اہل اللہ کی عادت رہی ہے کہ خلق اللہ سے اختلاط کم کر رکھا ہے اور گوشہ نشین رہے ہیں، اس حدیث سے اس کی اجازت اور ایک درجہ میں افضلیت ثابت ہوتی ہے اور حدیث میں اس کے محل کی طرف بھی اشارہ ہے، کہ جب اختلاط میں احتمال ایصال شر الی الخلق کا ہو اور اسی پر قیاس کیا جائے گا وصول شر من الخلق کو، اور نیز حدیث مذکورہ ہی میں یہ اشارہ بھی ہے کہ جس شخص سے خیر و نفع عام زیادہ متوقع ہو اس کیلئے اختلاط افضل ہے، کیوں کہ مومن مجاھد کو صاحب عزلت سے افضل فرمایا اور یہی خلاصہ ہے تحقیق کا مسئلہ مبحوث عنہا میں، کہ جس شخص سے مسلمانوں کو نفع پہنچتا ہو اس کے لئے جلوت بہتر ہے اور جس سے نفع متعلق نہ ہو اور جلوت میں احتمال اضرار یا تضرر کا ہو اس کے لئے خلوت بہتر ہے"۔[1]

iii. ورع و تقویٰ میں مبالغہ کرنا:

حدیث:" عن نافع انه سمع اسلم مولى عمر رضى الله عنه يقول ابن عمر رضى الله عنه: راى عمر رضى الله عنه على طلحة رضى الله عنه ثوبا مصبوغا وهو محرم فقال: ما هٰذا؟ فقال: انما هوا مغرة او مذرة فقال: انكم ايها الرهط ائمة يقتدى بكم الناس، فلولا ان رجلا جاهلا رأى هٰذا لقال ان طلحة بن عبيد الله كان يلبس الثياب المصبغة فى الاحرام فلا تلبسوا ايها الرهط من هذه الثياب "۔[2]

ترجمہ: حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے اسلم سے جو کہ معتق حضرت عمرؓ کے تھے، سنا کہ ابنِ عمرؓ بیان کر رہے تھے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت طلحہؓ کے بدن پر رنگین کپڑے حالتِ احرام میں دیکھے تو پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو گیرو ہے یا مٹی ہے آپ نے فرمایا کہ تم لوگ (دین کے) پیشوا سمجھے جاتے ہو، لوگ تمھاری اقتداء کرتے ہیں، اگر کوئی جاھل آدمی اس (لباس) کو دیکھے تو یوں کہے کہ طلحہ بن عبید اللہ احرام میں رنگین کپڑے پہنے ہوئے تھے، سو تم لوگ ایسے رنگین کپڑے مت پہنا کرو۔

اس حدیث کے ضمن میں مولانا تھانویؒ بیان کرتے ہیں کہ صوفیاء چونکہ مقتداء ہیں لہذا ان کو بھی دوسرے مقتداء لوگوں کی طرح ورع اور تقویٰ میں زیادہ اہتمام و مبالغہ کرنا چاہیے۔

"اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ مقتداء ہیں ان کو اور عام لوگوں کی نسبت ورع و تقویٰ میں زیادہ اہتمام مناسب اور

---

[1] التکشف عن مہمات التصوف، ص: 500

[2] امام مالک، موطا، کتاب الحج، باب لبس الثیاب المصبغة فی الاحرام، ص: 126

toobaafoundation.com

ضروری ہے اور صوفیاء کا مقتداء ہونا ظاہر ہے، پس ان کو بھی اس کی رعایت ضروری ہے آج کل اس کا عکس ہے کہ بعضے لوگ طریق تصوف میں داخل ہو کر اور آزاد ہو جاتے ہیں اور بعض کا عقیدہ ہے کہ تصوف میں شریعت کی پابندی کی ضرورت نہیں (نعوذ باللہ منہ) مطلب یہ کہ عوام علی الاطلاق رنگین کپڑوں کو جائز سمجھ جائیں گے حالانکہ احرام میں خوشبو دار تک کے کپڑے تک ممنوع ہیں۔"[1]

iv. حلال چیزوں کے چھوڑنے میں غلو کرنے کی ممانعت:

" عن ابنِ عباس رضی اللہ عنہ ان رجلاً اتی النبی ﷺ فقال: انی اذا اصبت اللحم انتشرت للنساء واخذتنی شھوتی فحرمت علی اللحم، فانزل اللہ تعالیٰ: (یا ایھاالذین أمنوا لا تحرموا طیبٰت ما احل اللہ لکم)[2]"[3]

ترجمہ: حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ جب میں گوشت کھاتا ہوں تو میری طبیعت عورتوں کی طرف ابھرتی ہے، اور میری خواہش مجھ پر غالب آتی ہے، اس لئے میں نے گوشت اپنے اوپر حرام کر لیا ہے، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: لہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو تم پر حلال فرمایا ہے ان کو حرام مت کرو۔

بعض لوگوں کو تقویٰ کا ہیضہ ہو جاتا ہے اور وہ بہت ساری حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں۔ مولانا تھانویؒ نے اس حدیث کے تحت ایسے لوگوں کی تردید کی ہے۔

"بعض متشددین بعض حلال چیزوں کو جیسے مطلق گوشت یا مثلاً گائے کا گوشت وغیرہ اس طرح ترک کر دیتے ہیں جس طرح حرام چیزوں کو ترک کرتے ہیں یا ان کے ترک کو موجب تقرب الی اللہ اعتقاد کرتے ہیں، یہ عملاً علماء غلو وافراط فی الدین اور بدعت سیئہ ہے اور جس رہبانیت کا ابطال آیا ہے یہ اس میں داخل ہے، آیت کا شانِ نزول جو حدیث میں آیا ہے اور خود اس کا مدلول اس کی منع میں نص صریح ہے، اہلِ مجاہدہ نے جو لذات کو ترک کیا اس کا مرتبہ اس سے زیادہ نہیں ہے جس طرح بعض مضرات طبیہ کے سبب مریض بعض اغذیہ سے پرہیز کرتا ہے نہ عقیدہ اس کو حرام سمجھتا ہے نہ اس ترک کو عبادت

---

[1] التکشف عن مہمات التصوف، ص: 504

[2] المائدہ 87:5

[3] سنن الترمذی، محمد بن عیسی، ابو عیسی، کتاب التفسیر القرآن، باب تفسیر سورۃ المائدہ، رقم: 3054، وقال حسن غریب

toobaafoundation.com

جانتا ہے ایسے ترک کو البتہ رھبانیت سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ بعض کم فہم اس کے بھی منکر ہوئے ہیں۔"[1]

v. کسی مصلحت کی بناء پر نکاح نہ کرنا:

حدیث:"عن عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللهﷺ: انا وامرأة سفعاء الخدین کھاتین یوم القیمة، امرأة امت من زوجھا ذات منصب و جمال حبست نفسھا علی یتاماھا حتی بانوا اوماتوا "[2]

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہؐ نے کہ:"میں اور وہ عورت جس کے رخساروں کی رونق (محنت اور مشقت) سے جاتی رہی ہو مثل ان دو انگلیوں کے (یعنی سبابہ اور وسطیٰ کے قریب) ہوں گے قیامت کے روز یعنی وہ عورت جو اپنے شوہر سے بیوہ ہوگئی اور شان وصورت والی ہے اور اپنے کو اپنے یتیم بچوں کی پرورش کے لئے نکاح سے باز رکھا یہاں تک کہ وہ بڑے ہو کر الگ ہوگئے یا مر گئے۔

اس حدیث میں اس بیوہ عورت کی فضیلت کا تذکرہ ہے جو اپنے یتیم بچوں کی خاطر نکاح نہیں کرتی۔ مولانا تھانویؒ نے اس حدیث سے اس مسئلے کو ثابت کیا ہے کہ اگر کسی کو نکاح میں مشغولیت کی وجہ سے حقوق اللہ کی عدم ادائیگی کا خدشہ ہو تو وہ اگر ترکِ نکاح کرے تو اس کا جواز ہے۔

"بعض درویش آفات تعلقات سے بچنے کے لئے یا مشغول مع اللہ میں نقصان وخلل کے احتمال سے نکاح نہیں کرتے، بعض قاصر الفہم ان پر طعن ترک سنت کا کرتے ہیں، اس حدیث میں صریح اجازت بلکہ فضیلت ہے کہ جہاں بچوں کی اضاعت حقوق کا اندیشہ ہو نکاح نہ کرے، (بشرطیکہ اپنے دین کی حفاظت پر قادر ہو) جیسا عامہ نصوص سے معلوم ہے، جب بچوں کا ضیاع حق عذر ہے تو حق تعالیٰ کے حقوق وتعلقات خاصہ کا ضائع ہو جانا کیوں نہ عذر ہو گا (اور وہی شرط حفاظت دینی یعنی کف نفس عن الحرام پر قدرت یہاں بھی معتبر ہے)۔"[3]

7)۔ تصوف کے اخلاقی ضوابط پر استدلالات:۔

تصوف کے بہت سارے اخلاقی ضوابط ہیں۔ لیکن یہاں پر ان ضوابط میں سے شوقِ رحمت، مذمتِ ریاء، توکل علی اللہ، ومعالجہ

---

[1] التکشف عن مھمات التصوف، ص: 473

[2] سنن ابو داؤد، کتاب الآدب، باب فضل من عال یتامی، رقم:5149

[3] التکشف عن مھمات التصوف، ص: 460-461

toobaafoundation.com

نفس اور احوال وتواجد کو ذکر کیا جائے گا۔

i. شوقِ رحمت (محبت):

حدیث: "عن أنس فی قصة غزوة بئر معونة قال: بعث رسول الله ﷺ قوماً من بنی سلیم الی بنی عامر۔ وفی روایة بعث خالی حراماً اخا لام سلیم فی سبعین راکبا، فلما قدموا، قال لهم خالی: اتقدمکم فان امنونی حتی ابلغهم عن رسول الله ﷺ والا کنتم منی قریبا، فتقدم فامنوه فبینما هو یحدثهم عن رسول الله ﷺ اذا او مئوا الی رجل منهم فطعنه فانفذه فقال: الله اکبر، فزت و رب الکعبة۔"[1]

ترجمہ: حضرت انسؓ سے قصہ غزوہ بیر معونہ میں مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے بنی سلیم میں سے ایک جماعت کو (کہ مسلمان تھے) بنی عامر کے پاس (کہ کافر تھے) تبلیغ دین کی غرض سے بھیجا، اور ایک روایت میں ہے کہ میرے (یعنی انس کے) ماموں حرام بن ملحان کو کہ ام سلیم (والدہ انس) کے بھائی تھے ہمراہی ستر سواروں کے بھیجا، جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو ان سے میرے ماموں نے کہا کہ میں آگے جاتا ہوں کہ اگر ان لوگوں نے مجھ کو اتنا امن دیا کہ ان تک رسول اللہؐ کا حکم پہنچا سکوں تو خیر، ورنہ اس وقت تم میرے پاس آجانا غرض وہ آگے بڑھے اور ان لوگوں نے (ظاہر) میں امن دیا، پس اس درمیان میں کہ وہ ان سے رسول اللہؐ کی طرف بات چیت کر رہے تھے کہ دفعتاً انہوں نے اپنے میں سے ایک شخص کی طرف اشاہ کیا اس نے ایک نیزہ مارا اور پار کر دیا یہ (خوشی کے جوش میں) بول اٹھے اللہ اکبر قسم ربِ کعبہ کی میں مراد کو پہنچ گیا۔

اور بخاری کی ایک روایت میں حضرت انسؓ ہی سے مروی ہے کہ جب ان کے یوم بیر معونہ میں نیزہ لگا تو خوش ہو کر خون کو اس طرح لیکر اپنے چہرے اور سر پر چھڑکا (اور ملا) پھر کہا قسم ہے ربِ کعبہ کی میں مراد کو پہنچ گیا۔

صوفیاء میں سے بعض لوگ اللہ تعالیٰ سے حد درجہ کی محبت کرنے والے ہوتے ہیں اور اللہ سے ملاقات کی انتہائی تمنا کرتے ہیں۔ مولانا تھانویؒ کے بقول یہ حدیث صوفیاء کے اس عمل کی اصل ہے۔

"ان کے اس قول اور فعل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس عاشقانہ موت کی شدت سے تمنا اور اشتیاق تھا جس کے حصول پر شدت سے خوش ہوئے پس عشاق کے کلام میں جو یہ مضمون بکثرت پایا جاتا ہے، یہ اسکی اصل ہے۔"[2]

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب من ینکب اویطعن فی سبیل اللہ، رقم:2801

[2] التکشف عن مهمات التصوف، ص:569

toobaafoundation.com

ii. اپنے شیخ سے حد درجہ محبت، بلکہ ایسی محبت بعض کمالات کے لئے شرط ہے:۔

حدیث:"عن عبدالله بن هشام رضی الله عنه قال: کنا مع النبی ﷺ وهو الأخذ بید عمر، فقال عمر رضی الله عنه: یا رسول الله! لانت احب الی من کل شئ الا نفسی. فقال ﷺ : لا، والذی نفسی بیده حتی اکون احب الیک من نفسک" فقال عمر: فانه الأن لانت احب الی من نفسی فقال ﷺ: الان یا عمر"[1]۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ھشامؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہؐ کے ہمراہ تھے، اور آپؐ حضرت عمر کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! بیشک آپ مجھ کو ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں بجز میری جان کے، حضورؐ نے فرمایا: قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے مرتبہ کمال کا جو (تم کو مطلوب ہے) کبھی حاصل نہ ہوگا جب تک کہ میں تم کو تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

حضرت عمرؓ بولے اس وقت یہ حالت ہے کہ آپ مجھ کو میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں، آپؐ نے فرمایا:"تو بس اب وہ کمال بھی (جو تم کو مطلوب ہے) حاصل ہو گیا"، آپؐ کے اس ارشاد کی برکت سے وہ دولت فی الفور نصیب ہو گئی اور یہ محبت عقلی نہ تھی ورنہ استثناء حضرت عمرؓ کا صحیح نہ ہوتا، طبعی تھی، سو طبعاً ایسی محبت ہونا شرط ایمان نہیں ہے، ہاں بعض کمالات کے لئے شرط ہے، اسی محبت کا نام فنا فی الشیخ ہے اور وہ کمالات اس فناء کے آثار ہیں۔

تصوف کی ایک اصطلاح فنافی الشیخ ہے۔ یعنی اپنے شیخ سے حد درجہ محبت کی جائے۔ جس طرح نبی کریمؐ سے محبت شرط ایمان ہے اور یہ محبت ایک طبعی چیز ہے۔ مولانا تھانویؒ نے اس حدیث سے شیخ سے محبت کو ثابت کیا ہے جو بعض کمالات کے حصول کے لئے ممد ومعاون ثابت ہوتی ہے۔

"بعض خشک مزاج انکار کرتے ہیں کہ شیخ کے ساتھ جب طبعی اس افراط کے ساتھ نہیں ہو سکتی، حدیث میں اسکی تصریح ہے اور ایک مسئلہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ بعض کمالات کیلئے ایسی ہی محبت شرط ہے۔"[2]

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الایمان والنذور، باب کیف کانت یمین النبیؐ، رقم:6632

[2] التکشف عن مہمات التصوف، ص589

toobaafoundation.com

iii. حق سے مشغول کرنے والی چیز کو طالب کے قلب سے نکال دینا:۔

حدیث:" عن ابی عبداللہ بن ابی ابکر رضی اللہ عنہ ان اباطلحہ الانصاری رضی اللہ عنہ کان یصلی فی حائط لہ، فطار دبسی فطفق یتردد و یلتمس مخرجا، اعجب ابا طلحۃ ذلک، فتبعہ بصرہ ساعۃ، ثم رجع الیٰ صلاتہ فاذا ھو لا یدری کم صلی، فقال: لقد اصابنی فی مالی ھذا فتنۃ، فجاء الی رسول اللہ ﷺ فذکر لہ الذی اصابہ فی صلاتہ فقال: یا رسول اللہ! ھو صدقۃ حیث فضعہ شئت۔"[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابو طلحہ انصاریؓ اپنے ایک باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، اتنے میں ایک دبسی (کہ ایک پرندہ یا جنگلی کبوتر ہے) اڑا، اور وہ چاروں طرف پھرنے لگا، نکلنے کا راستہ ڈھونڈتا تھا اور راستہ نہ ملتا تھا تو ابو طلحہ کو یہ امر خوش نما معلوم ہوا (کہ میرا باغ اتنا گنجان ہے کہ ایک پرندہ کو نکلنے میں تکلف ہے) اور تھوڑی دیر تک انکی نگاہ اس کے ساتھ ساتھ رہی پھر اپنی نماز کی طرف متوجہ ہو گئے تو دیکھتے کیا ہیں کہ یہ یاد ہی نہ رہا کہ کتنی نماز پڑھی، اپنے دل میں کہا کہ میرے اس مال کے سبب تو مجھے بڑا فتنہ پہنچا (کہ نماز میں قلب حاضر نہ رہا) پس رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ سنایا جو نماز میں ان کو پیش آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ باغ فی سبیل اللہ ہے جہاں چاہیں صرف فرمایئے۔

اس حدیث میں نبی کریمؐ کی تقریر کا ذکر ہے جس میں آپؐ نے ابو طلحہ انصاری کے فعل کو برقرار رکھا ہے۔ مولانا تھانویؒ نے اس حدیث کے ضمن میں صوفیاء کے اس عمل کو ثابت کیا ہے کہ وہ طالب کے قلب سے اللہ سے غافل کرنے والی چیز کو نکال دینے کا حکم دیتے ہیں۔ "اکثر بزرگوں کی روایتیں مشہور ہیں کہ طالب کے قلب کو جس چیز سے زیادہ وابستہ دیکھا اس کو جدا کر دینے کا حکم فرمایا، اس معالجہ کی اصل اس حدیث سے نکلتی ہے اور ان صحابیؓ نے یہ علاج تجویز کیا اور رسول اللہؐ نے اس کو برقرار رکھا جس کو اصطلاح میں تقریر کہتے ہیں"[2]

8)۔ مذمتِ ریاء:۔

ریاء کی تعریف و حقیقت:

"اللہ کی اطاعت میں یہ قصد کرنا کہ لوگوں کی نظر میں میری قدر ہو ریاء کہلاتی ہے۔ اس کی حقیقت اراءۃ الخلق لغرض

---

[1] امام مالک، موطا امام مالک، کتاب الصلوۃ، باب النظر فی الصلاۃ الی مایشغلک عنھا، رقم:327

[2] التکشف عن مھمات التصوف، ص:632

toobaafoundation.com

الدنیوی ہے یعنی عبادت کا اظہار کسی دنیوی غرض سے کیا جائے یا کسی فعل مباح کا اظہار کسی معصیت کی غرض سے کیا جائے۔"[1]

ریاء ایک ایسا مرض مہلک ہے جس کی مذمت قرآن وحدیث میں بہت زیادہ آئی ہے۔اس عنوان کے تحت درج ذیل: نیک لوگوں کا دل خوش کرنے کے لئے کسی کام کو اچھی طرح انجام دینا ریاء نہیں اور قلت کلام وانکسار، موضوعات کو بیان کیا جاتا ہے۔

i. نیک لوگوں کا دل خوش کرنے کیلئے کسی کام کو اچھی طرح انجام دینا ریاء نہیں:۔

حدیث:"عن أبي موسیٰ رضی الله عنه قال: قال لی رسول اللهﷺ: "لو رأیتني البارحة وانا استمع لقرائتک لقد اعطیت مزماراً من مزامیر آل داؤد"[2]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا:" اگر تم مجھ کو گزشتہ شب دیکھتے تو بہت خوش ہوتے میں تمہارا قرآن پڑھنا سن رہا تھا، واقع میں تم کو داوٗدؑ کی خوش الحانی کا حصہ عطا ہوا ہے۔

اس حدیث میں ابوموسیٰؓ کی حسنِ قرأت کا ذکر ہے۔ جس میں وہ آپؐ کو کہہ رہے ہیں کہ اگر مجھ کو معلوم ہوتا کہ آپ میرا قرآن سن رہے ہیں تو میں آپ کی خاطر اس کو خوب بناتا سنوارتا۔اس حدیث سے مولانا تھانویؒ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اگر نیک لوگوں کا دل خوش کرنے کے لئے کسی عمل صالح کو چھی طرح انجام دیا جائے تو وہ ریاء میں شامل نہیں ہوگا۔

"بزرگوں کا دل خوش کرنے کے لئے اگر کوئی طاعت یا خدمت اچھی طرح کی جائے کہ مخلی بالطبع ہوکر اس طرح نہ کرتا تو ظاہر میں اس میں شبہ ریاء کا معلوم ہوتا ہے مگر چونکہ تطیب قلب اہل اللہ بلکہ مطلق مسلم خود عبادت ہے تو اس کی حقیقت یہ ہوئی کہ ایک عبادت کو دوسری عبادت کے واسطے اچھی طرح کرتا ہے، اس لئے ہرگز یہ ریاء نہیں ہے، حدیث میں اس کے استحسان پر واضح دلالت ہے، اس نادان کو مدتوں یہ شبہ رہا کہ اکثر کسی کی فرمائش سے جو قرآن۔۔۔لأن السعی فی الطریق سعی

---

[1] تھانوی، اشرف علی، مولانا، انفاسِ عیسیٰ، ایچ۔ایم سعید کمپنی، کراچی، س،ن، ص: 169؛ شریعت وطریقت، ص: 209

[2] صحیح البخاری، کتاب فضائل القران، باب حسن الصوت بالقرائۃ للقران، رقم: 5048؛ صحیح المسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین (فضائل القران)، باب استحباب تحسین الصوت بالقران۔رقم:236(793)؛ سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب أبی موسی الأشعریؓ، رقم: 3855، وقال: غریب حسن صحیح

toobaafoundation.com

فی الوصول الی المقصود یعنی طریق میں کوشش کرنا مقصود تک پہنچنے کی ایک کوشش ہی ہے۔"[1]

ii. قلت کلام اور انکسار:۔

حدیث:" عن مالک انه بلغه ان عیسیٰ۔بن مریم علیه السلام قال: لاتکثروا الکلام بغیر ذکر الله تعالیٰ فتقسوا قلوبکم وان القلب القاسی بعید من الله تعالیٰ ولکن لا تعلمون، ولا تنظروا فی ذنوب الناس، کانکم ارباب وانظروا فی ذنوبکم کانکم عبید، فانما الناس مبتلی ومعافی، فارحموا اهل البلاء واحمدوا الله تعالیٰ علی العافیة۔"[2]

ترجمہ: امام مالکؒ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ: ذکر اللہ کے سوا تم بہت کلام نہ کیا کرو کہ اس سے تمہارے دل سخت ہو جائیں گے (یعنی ان میں خشوع نہ رہے گا اور یہ بالکل تجربہ کی ہوئی بات ہے) اور جس دل میں قساوت ہو وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے لیکن تم کو اس کی خبر نہیں ہوتی (کہ اللہ تعالیٰ سے بعد ہو گیا کیوں کہ حقیقت تو اس کی آخرت میں مشاہدہ ہو گی، اور آثار گو یہاں بھی مشاہدہ ہیں، مگر ان کا ادراک بوجہ بے التفاتی کے نہیں ہوتا) اور تم لوگوں کے گناہوں پر نظر مت کرو کہ گویا تم مالک ہو، اور اپنے گناہوں پر نظر کیا کرو گویا تم مملوک اور غلام ہو (یعنی غلاموں کی خطاؤں کو دیکھنا بھالنا سزا دینے کے لئے یہ مالکوں کا کام ہے، اور تم مالک نہیں بلکہ غلام ہو اور غلاموں کا کام اپنی خطاؤں کو دیکھنا ہے تاکہ اپنی اصلاح اور تلافی کریں) غرض آدمی دو طرح کے ہیں ایک مبتلا، دوسرا اصحاب عافیت، تو تم اہل بلا پر رحم کرو، اور عافیت پر اللہ تعالیٰ کی حمد بجالاؤ (پس گناہ ایک بلا ہے اس پر تحقیر یا طعن مت کرو) ترحم کے ساتھ نصیحت یا دعا کرو، اور گناہ سے محفوظ رہنا ایک عافیت ہے اس پر عجب اور ناز مت کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت بلا استحقاق سمجھ کر شکر کرو، اور اس کے عموم میں اور بلییات عافیت بھی آگئیں۔

اس حدیث میں قلتِ کلام اور عاجزی کا ذکر ہے۔ تکبر اور ریاکاری سے بچنے کا حکم ہے۔ مولانا تھانویؒ اس حدیث کو صوفیاء کے قلت کلام وانکساری کی دلیل قرار دیتے ہیں۔

"ان اخلاق کا مدلول اور ممدوح حدیث ہونا ظاہر ہے اور اس سے اہل باطن کی طریق کی فضیلت بھی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ ان

---

[1] التکشف عن مہمات التصوف، ص:604

[2] موطا امام مولک، کتاب الاستئذان، باب مایکرہ من الکلام بغیر ذکر اللہ، رقم: 386

toobaafoundation.com

حضرات کا یہی طرز عمل ہے۔"[1]

9)۔ توکل:۔

توکل کی تعریف اور حقیقت توکل، توکل کی علامات اور توکل کی شرائط کے بارے میں امام قشیریؒ نے اپنے 'الرسالہ القشیریۃ' میں بڑا تفصیلی کلام کیا ہے۔ ذیل میں ' الرسالۃ القشیریۃ' سے سھل بن عبد اللہ تستریؒ کا قول توکل کے حوالے سے ذکر کیا جاتا ہے۔

توکل کیا ہے؟

"اول مقامات التوکل ان یکون العبد بین یدی اللہ تعالیٰ کالمیت بین یدی الغاسل لیقلبه کیف أراد ولا یکون له حرکة ولا تدبیر۔"[2]

یعنی توکل کا پہلا مقام یہ ہے کہ بندہ اللہ کے سامنے اس طرح ہوتا ہے جس طرح مردہ غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے کہ جس طرح چاہتا ہے اسے پلٹتا ہے۔ اور مردہ کی نہ کوئی حرکت ہوتی ہے اور نہ کوئی تدبیر۔

توکل کی تعریف وحقیقت:۔

مولانا تھانویؒ نے توکل کی تعریف وحقیقت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

"صرف وکیل یعنی کارساز پر قلب کا اعتماد کرنا توکل ہے۔ اس کی حقیقت وہی ہے جو توکیل ہے وکیل بنانے کا خلاصہ یہ ہے کہ جس کام کو خود نہیں سمجھ سکتے اس کو دوسرے کے سپرد کر دیا جاتا ہے کہ اس کے بتلانے کے موافق کرتا رہے۔ پس توکل کا بھی یہی ہے کہ خدا کے سپرد کام کر کے تدبیر کریں اور جو وہ بتائیں کرتے جائیں۔"[3]

---

[1] التکشف عن مھمات التصوف، ص:630

[2] القشیری، عبد الکریم بن ھوازن، ابو القاسم، الرسالۃ القشیریۃ، المطبعۃ العامرۃ العثمانیہ، مصر، 1304ھ، ص: 98؛ سہروردی، شہاب الدین، شیخ، عوارف المعارف علی ھامش احیاء علوم الدین، مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر، طبع 1939ء، 4/373-374

[3] شریعت وطریقت، ص: 122

toobaafoundation.com

i. اخلاق اور علامات اولیاء زھد وتوکل:۔

حدیث:" عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہﷺ: لیست الزھادۃ فی الدنیا بتحریم الحلال و لا اضاعۃ المال و لکن الزھادۃ ان تکون بما فی یداللہ تعالیٰ اوثق منک بما فی یدک، وان تکون فی ثواب المصیبۃ اذا اصبت بھا ارغب منک فیھا لو انھا بقیت لک"[1] وزاد رزین: لان اللہ تعالیٰ یقول: (لکیلا تأسوا علیٰ مافاتکم ولا تفرحوا بماأتکم)"[2]

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہؐ نے کہ:" زہد فی الدنیا یہ نہیں کہ حلال چیزوں کو حرام کر لیا جائے، اور نہ یہ ہے کہ مال کو اڑا دیا جائے لیکن زہد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے قبضہ میں جو چیز ہے اس پر تمہارا اعتماد اور وثوق بہ نسبت اس چیز کے زیادہ ہو جو کہ تمہارے قبضہ میں ہے، اور نیز زہد یہ ہے کہ تم پر جب کوئی مصیبت آئے تو تم کو اس کے ثواب کی زیادہ رغبت ہو، بہ نسبت اس کے کہ وہ مصیبت باقی رہے۔

روایت کیا اس کو ترمذی نے، اور رزین نے اتنا زیادہ کیا یعنی دلیل اس کی یہ ہے کہ اللہ کا ارشاد ہے کہ تاکہ تم فوت شدہ چیز پر مغموم نہ ہو اور جو تم کو عطا فرمایا ہے اس پر اتراؤ نہیں۔

اس حدیث سے مولانا تھانویؒ نے اولیاء کے اخلاق اور علامات کے ساتھ ساتھ زھد وتوکل کی حقیقت کو ثابت کیا ہے۔

"اس حدیث میں زھد وتوکل کی حقیقت کی شرح ہے جو کہ اخلاق اولیاء سے ہے اور اخلاق میں سے ہونے کے سبب علامات میں سے بھی ہے اور شرح حقیقت میں بڑی غلطی رفع کر دی گئی ہے، اکثر عوام اپنے اعتقاد میں زاہد اسی کو سمجھتے ہیں جو تمام لذاتِ مباحہ سے اس طرح مجتنب ہو جیسے ان کو حرام سمجھتا ہو اور اس کے پاس جو کچھ آتا ہو سب کو فوراً خرچ کر ڈالے گو غیر مصرف ہی میں سہی، اور جو بلا و مصیبت کے زوال کی تدبیر نہ کرتا ہو، بس ان کے نزدیک بزرگی کی شرط یہ ہے، اس میں یہ بتلادیا گیا کہ یہ امور شرط نہیں بلکہ حق تعالیٰ پر زیادہ اعتماد ہونا اپنے مقبوض سے زیادہ، اور مصیبت گو خود مرغوب فیہ نہ ہو، مگر ثواب مرغوب فیہ ہونا یہ ضروری ہے، پس مصیبت پر خوش اسلئے ہے کہ وہ سبب ہے ثواب کا اور آیت سے استدلال

---

[1] سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب الزھادۃ فی الدنیا، رقم:2340، وقال حدیث غریب لانعرفہ الامن ھٰذاالوجہ؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب الزھد فی الدنیا، رقم:4100

[2] الحدید 23:57

toobaafoundation.com

ظاہر ہے کہ لاتاسوا علی مافاتکم دلیل ہے اس جزو کی "ان تکون فی الثواب المصیبۃ الخ "کیونکہ مافاتکم میں صحت وعافیت بھی آگئی اور لا تفرحوا دلیل ہے اس جزو کی "ان تکون فی ید اللہ الخ"اور انطباق ظاہر ہے۔"[1]

خلاصہ بحث:۔

صوفیانہ ادب میں ضعیف روایات کے پائے جانے کی وجہ ایک یہ ہے کہ وہ جرح وتعدیل کو غیبت شمار کرتے تھے۔امام احمد بن حنبلؒ کے قول کے مطابق "فضائل اعمال" سے متعلقہ احادیث کو ذکر کرتے ہوئے محدثین سند میں نرمی کرتے ہیں۔احادیث سے مسائل تصوف کے استنباط میں مولانا تھانویؒ کی دو کتب قابل ذکر ہیں:التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف اور حقیقۃ الطریقۃ من السنۃ العتیقۃ۔

دنیا میں اللہ کی رؤیت ناممکن ہے۔بعض صوفیاء کا دعویٰ دنیا میں دیدار الٰہی کے حوالے سے باطل ہے۔اگر بلند آواز میں ذکر کرنے سے کسی کو تکلیف نہ ہو تو جائز ہے۔مولانا تھانویؒ کے بقول مجاہدات اجتہادیہ میں حد سے تجاوز نہ کرنا چاہیے۔اسی طرح اگر کسی شخص سے لوگوں کا فائدہ وابستہ ہو تو اسے گوشہ نشین نہیں ہونا چاہیے۔بعض متشددین حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں مولانا تھانویؒ نے حدیث کی روشنی میں ان لوگوں کا رد کیا ہے۔اللہ کی اطاعت میں یہ قصد کرنا کہ لوگوں کی نظر میں میری قدر ہو ریا کہلاتی ہے۔

مولانا تھانویؒ کے نزدیک توکل یہی ہے کہ کام خدا کے سپرد کر کے تدبیر کی جائے اور جو اللہ بتائے وہ کرتے رہنا چاہیے۔

[1] التکشف عن مہمات التصوف،ص: 529-530

toobaafoundation.com

فصل سوم

علم فقہ و علم تصوف تلازم و تطابق۔۔۔ مولانا تھانویؒ کی کتب کا تحقیقی مطالعہ

toobaafoundation.com

فصل سوم:

علم فقہ و علم تصوف کا تلازم و تطابق۔۔۔مولانا تھانویؒ کی کتب کا تحقیقی مطالعہ

علم فقہ اور علم تصوف کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ علم فقہ اور علم تصوف کو دوسرے الفاظ میں شریعت اور طریقت کہتے ہیں۔ شریعت و طریقت دونوں میں تطابق اور تلازم پایا جاتا ہے۔ مولانا تھانویؒ کی مجموعی دینی خدمات کا ایک انتہائی اہم پہلو یہ ہے کہ مولانا تھانویؒ نے شریعت و طریقت کے حوالے سے لوگوں میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کیا، اس طرح کہ اس حوالے سے تین طرح کے لوگ معاشرے میں پائے جارہے ہیں، ایک گروہ کے نزدیک تصوف (طریقت) ایک بدعت ہے۔ دین اسلام میں اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ دوسرا گروہ اس حوالے سے گمراہی کا شکار ہے کہ اس گروہ کے نزدیک تصوف سربستہ سینہ بہ سینہ رازوں کا نام ہے اس کا اسلامی شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو بنیاد بنا کر اس دوسرے گروہ نے احکام اسلام سے اپنے اعمال واحوال کو بالکل آزاد اور ماوراء قرار دے کر شرعی احکام کا مذاق اڑایا۔ جبکہ تیسرا گروہ شریعت و طریقت کے حوالے سے راہ اعتدال پر گامزن ہے۔ مولانا تھانویؒ نے اپنی تصنیفات میں بارہا اس بات کو بیان کیا ہے کہ اسلامی شریعت کے دو پہلو ہیں: ایک ظاہری اور دوسرا باطنی۔ ظاہری حصے کو فقہ کہتے ہیں اور باطنی حصے کو طریقت یا تصوف کہتے ہیں۔ مولانا تھانویؒ کے بقول جس طرح قرآن و حدیث میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے مسائل ہیں اسی طرح قرآن و حدیث میں اخلاق حمیدہ اور اخلاق رزیلہ کا بیان بھی ہے۔ پھر اس حوالے سے مولانا تھانویؒ نے بہت ساری کتب بھی تصنیف کی ہیں۔

اس فصل میں شریعت و طریقت کا مفہوم، حقیقت اور ان کا آپس میں تعلق اور ربط یعنی تلازم و تطابق کا بیان کیا جائے گا مزید مولانا تھانوی کی چند کتب کا تعارف بھی زیر بحث لایا جائے گا۔

تلازم و تطابق کا لغوی مفہوم:

مولانا وحید الزماں کیرانوی نے القاموس الوحید میں تطابق اور تلازم کا لغوی مفہوم ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

التطبیق: علمی قواعد کا اجراء، عملی شکل۔ 2۔ علمی یا قانونی ضوابط پر مسائل و معاملات کی موقوفی۔ تنفیذ، مطابقت، عملی تشکیل، التطابق بین الشئین: یکسانیت[1]

[1] کیرانوی، وحید الزماں، مولانا، القاموس الوحید، ادارہ اسلامیات، لاہور، 2001ء، ص: 987

toobaafoundation.com

لازمۃ ملازمۃً ولزاماً: وابستہ رہنا، کسی کے ساتھ ہمیشہ رہنا[1]۔ اسی سے تلازم ہے۔ یعنی دو چیزوں کا آپس میں لازم وملزوم ہونا۔

تصوف اور طریقت کی اصطلاحی تعریف:۔

1. احیاء العلوم میں علم تصوف کی اصطلاحی تعریف جو امام غزالیؒ نے تفصیل سے کی ہے۔ اس کا جامع مانع خلاصہ علامہ شامیؒ نے یہ لکھا ہے:

"هو علم يعرف به انواع الفضائل وكيفية اكتسابها، وانواع الرزائل وكيفية اجتنابها"[2]۔

یعنی تصوف وہ علم ہے جس سے اخلاق حمیدہ کی قسمیں اور ان کو حاصل کرنے کا طریقہ اور اخلاق رزیلہ کی قسمیں اور ان سے بچنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔

2. مولانا اشرف علی تھانویؒ طریقت کی تعریف جامع الفاظ میں یوں کرتے ہیں:

"شریعت کا وہ جز جو اعمال باطنی سے متعلق ہے 'تصوف وسلوک اور وہ جو اعمالِ ظاہری سے متعلق ہے 'فقہ' کہلاتا ہے۔ اسکا موضوع تہذیب واخلاق اور غرض رضائے الٰہی ہے۔ اور اس کے حصول کا ذریعہ شریعت کے حکموں پر پوری طرح چلنا ہے۔ گویا کہ تصوف دین کی روح ومعنی یا کیف وکمال کا نام ہے جس کا کام باطن کو بخل، حرص، ریاء، عجب اور غرور سے پاک کرنا اور فضائل یعنی اخلاقِ حمیدہ، توبہ، صبر، شکر، خوف، رجا، زہد، توحید وتوکل، محبت، شوق، اخلاص، صدق، مراقبہ، محاسبہ و تفکر سے آراستہ کرنا ہے، تاکہ توجہ اِلی اللہ پیدا ہو جائے جو مقصودِ حیات ہے۔ اس لئے تصوف وطریقت، دین وشریعت کے قطعاً منافی نہیں بلکہ ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ صوفی بنے کہ اس کے بغیر فی الواقع مسلمان پورا مسلمان کہلانے کا مستحق ہی نہیں رہتا"۔[3]

فقہ (شریعت) کی اصطلاحی تعریف:۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے امداد الفتاوی میں فقہ کی وہ تعریف ذکر کی ہے جو امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ سے منقول ہے:

---

[1] ایضاً، ص: 1467

[2] ابن عابدین" ردالمحتار مع درالمختار، دارالفکر۔ بیروت 1992ء، 1/43؛ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، مکتبہ معارف القرآن، کراچی 2008ء، 4/490؛ عثمانی، ظفر احمد، مولانا، امداد الاحکام، مکتبہ دارالعلوم، کراچی، 2009ء، 1/47

[3] محمد مسیح اللہ، شاہ، مولانا، شریعت وتصوف، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ص:92

toobaafoundation.com

الفقه: معرفة النفس مالها وما عليها۔[1] ترجمہ: نفس کا یہ جاننا کہ اس کا کیا حق ہے؟ اور اس پر کیا حقوق ہیں؟

شریعت کی حقیقت اور اس کی ضرورت:۔

اللہ تعالیٰ رسول اللہؐ سے خطاب فرماتے ہیں:۔

1. ثم جعلنک علی شریعة من الامر فاتبعها ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون[2]۔

ترجمہ: پھر ہم نے آپؐ کو دین کے ایک خاص طریقے یعنی شریعت پر کر دیا۔ سو آپؐ اس طریقے پر چلے جایئے اور ان جہلا کی خواہش پر نہ چلیئے۔

2. ھٰذا بصائر للناس وھدًی و رحمة لقوم یوقنون۔[3]

ترجمہ: یہ شریعت عام لوگوں کے لئے دانشمندیوں کا سبب اور ہدایت کا ذریعہ اور یقین کرنے والوں کے لئے رحمت ہے۔

بصائر بصیرت کی جمع ہے اور بصیرت باطنی روشنی کو کہتے ہیں، جیسے بصر نگاہ (یعنی ظاہری روشنی) کو کہتے ہیں۔ تو شریعت، بصائر یعنی باطن کو روشن کرنے والی ہے اور سراپا ہدایت ہے کہ اس سے راستہ نظر آتا ہے اور مقصود تک پہنچا دیتی ہے۔ اور رحمت ہے جو کہ مقصود ہے گویا شریعت تین چیزوں کا مجموعہ ہے۔

1. راہ رو (یعنی مسافر) کو ان ہی تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب آدمی کسی منزل تک جانا چاہتا ہے تو اس کے لئے ایک مقصود ہوتا ہے اور
2. ایک طریق ہوتا ہے جس کے ذریعے مقصود تک پہنچ سکتا ہے، اور
3. بصر یعنی نگاہ ہوتی ہے۔ جس کے ذریعے سے راستہ نظر آوے۔ حق تعالیٰ کے قربان جایئے کہ بتلاتے ہیں کہ شریعت ایسا قانون ہے جو تینوں کو جمع کئے ہوئے ہے۔ ھذا بصائر یہ آنکھیں بھی ہیں وھدًی راستہ بھی اسی کے

---

[1] التفتازانی، مسعود بن عمر، سعد الدین، شرح التلویح علی التوضیح، مکتبہ صبیح، مصر، س، ن، 1/16؛ عبد العزیز بن احمد بن محمد، علاء الدین، کشف الأسرار شرح اصول البزدوی۔ دار الکتاب الاِسلامی، س، ن، 1/5؛ شہاب الدین، احمد بن محمد مکی، ابو العباس، غمز عیون البصائر فی شرح الاشباہ والنظائر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1985ء، 1/18؛ شمس الدین، محمد بن حمزہ بن محمد، فصول البدائع فی اصول الشرائع، المحقق: محمد حسین محمد حسن اسماعیل، دار الکتب العلمیہ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، 2006ء، 1/11؛ الزرکشی، محمد بن عبد اللہ، بدر الدین، البحر المحیط فی اصول الفقہ، المحقق: محمد محمد تامر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ 200ء، 1/16؛ تھانوی، اشرف علی، مولانا، امداد الفتاویٰ، بترتیب جدید: مفتی محمد شفیعؒ، مکتبہ دار العلوم، کراچی، 2010ء، 5/178

[2] الجاثیہ 18:45

[3] الجاثیہ 20:45

toobaafoundation.com

ذریعے طے ہوتا ہے اور رحمت ہے کہ مقصود بھی اس سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ شریعت رحمت تو ہے مگر ہر شخص کے لئے نہیں بلکہ یقین کرنے والوں کے لئے ہے۔(لہٰذا یقین کا حصل کرنا ضروری ہوا۔)

قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت میں لفظ شریعت کا موجود ہونا اور اللہ تعالیٰ کا نبی کریمؐ کو اسی طریقے پر چلنے کا حکم فرمانا اس بات پر صریح دلالت کرتا ہے کہ انسان کے لئے اللہ کے نزدیک صرف شریعت اسلامیہ ہی پسندیدہ نظام حیات ہے۔ اس کے خلاف معاشرت اور زندگی گزارنے کے جتنے بھی طریقے انسان نے اختیار کر رکھے ہیں وہ جہلاء اور بد دین لوگوں کے خود ساختہ ہیں جو محض نفسیاتی خواہشات کے مطابق مختلف عنوانات سے پیش کئے جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سب کو مردود قرار دیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منه وهو فی الاخرۃ من الخٰسرین[1]

ترجمہ: اور جو شخص اسلام کے سوا دوسرا دین طلب کرے گا تو وہ اس سے مقبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔

غور سے سن لیجئے کہ دین (شریعت) کے پانچ اجزاء ہیں:

1. ایک جزو تو عقائد کا ہے کہ دل سے اور زبان سے یہ اقرار کرنا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے جس چیز کی جس طور پر خبر دی وہی حق ہے (اس کی تفصیل کتب عقائد سے معلوم ہوگی)
2. دوسرا جزو عبادات ہیں۔ یعنی نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ۔
3. تیسرا جزو معاملات ہیں۔ یعنی احکام نکاح اور طلاق و حدود و کفارات و بیع و شراء (خرید و فروخت) و اجارہ و زراعت وغیرہ اور ان کے جزو دین کے ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ شریعت یہ سکھاتی ہے کہ کھیتی یوں بویا کرو اور تجارت فلاں فلاں چیز کی کرو بلکہ ان میں شریعت یہ بتاتی ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرو، زیادتی نہ کرو اور اس طرح معاملہ نہ کرو جس میں نزاع اور جھگڑے کا اندیشہ ہو۔ غرض جواز و عدم جواز کا بیان کیا جاتا ہے۔
4. چوتھا جزو معاشرت ہے یعنی اٹھنا، بیٹھنا، ملنا جلنا، مہمان بننا، کسی کے گھر پر جانا کیوں کر چاہیے اور اس کے آداب کیا ہیں؟ بیوی، بچوں، عزیزوں، اجنبیوں اور نوکروں وغیرہ کے ساتھ کیوں کر برتاؤ کرنا چاہیے۔
5. پانچواں جزو تصوف ہے جس کو شریعت میں اصلاح نفس کہتے ہیں۔ آج کل لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تصوف کے لئے بیوی بچوں (اور دوسرے دنیاوی اور معاشرتی امور) کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ یہ جاہل صوفیوں کا مسئلہ ہے جو تصوف کی حقیقت کو نہیں جانتے۔ غرض دین کے یہ پانچ اجزاء ہیں۔ ان پانچوں کے مجموعے کا نام

[1] آلِ عمران 85:3

toobaafoundation.com

دین ہے اگر کسی میں ایک جزو بھی ان میں سے کم ہو تو وہ ناقص دین ہے جیسے کسی کے ایک ہاتھ نہ ہو تو وہ ناقص الخلقت ہے۔[1]

انسان صرف خدا کا بندہ ہے:۔

چاہیے یہ کہ آدمی صرف خدا کا بندہ ہو اور اسی کے احکام کی اتباع کرے اس لئے کہ خدا تعالیٰ کا کلام سب سے زیادہ کامل ہے۔ کیوں کہ حالات کا سب سے زیادہ علم اسی کو ہے، پھر وہ با اختیار مالک ہے اور تمام اشیاء میں خود مؤثر ہے۔ کوئی کیفیت اس پر غالب نہیں۔ اس لئے جو حکم اس کی طرف سے صادر ہو گا وہ کامل ہو گا۔ نہ اس کے احکام بہت سخت ہو سکتے ہیں کیوں کہ اس پر صفت غضب غالب نہیں۔ نہ بہت نرم ہو سکتے ہیں کیوں کہ وہ صفت رحمت سے مغلوب نہیں بلکہ وہ با اختیار خود قہار ہے اور با اختیار خود رحیم و کریم ہے۔ کسی صفت میں مجبور یا مغلوب نہیں۔

احکامِ الٰہی افراط و تفریط سے پاک ہیں:۔

پس معلوم ہوا کہ جو کلام الٰہیٰ ہے اس کے تمام احکام افراط و تفریط سے پاک ہوں گے یہی وجہ ہے کہ شریعت کا پابند ہونا ہر بشر پر لازم ہے۔ کیوں کہ وہ احکام سب کے مصالح کو جامع ہیں۔ نیز ہماری یہ حالت مشاہد (نظر آتی) ہے کہ جو کیفیت شدید ہوتی ہے وہ ہم کو مغلوب کر دیتی ہے اس لئے ہم کو شریعتِ الٰہیٰ کی پابندی ضروری ہے تاکہ ہم اعتدال پر قائم رہ سکیں۔ واقعی شریعت کی تعلیم میں غایت تعدیل (یعنی بہت میانہ روی) ہے۔ سو تعدیل ہر چیز میں وہی ہے جس طرح اس میں شریعت کا حکم ہے مثلاً ہمدردی اچھی چیز ہے مگر اس کا اس قدر افراط کہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کا وسوسہ پیدا ہونے لگے۔ مناسب نہیں جیسے کوئی بچہ بیمار ہے، روتا اور چلاتا ہے۔ اس پر رحم کھا کر دعا کرے اور تاخیر صحت سے اللہ تعالیٰ پر اعتراض پیدا ہونے لگے کہ حق تعالیٰ میری دعا کو اس بچہ کے حق میں قبول کیوں نہیں فرماتے یا قبول میں دیر کیوں کرتے ہیں؟ بات یہ ہے کہ اس میں بھی حکمت ہے بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ والدین تدبیر کو استعمال میں نہیں لاتے اور حق تعالیٰ کو غیظ آتا ہے کیونکہ انکی سنت عادیہ یہی ہے کہ اختیار اسباب سے مسبب کو مرتب فرماتے ہیں اور ایسے وقت شریعت کا حکم یہی ہے کہ تدبیر کی جائے اور تدبیر کو مؤثر بنانے کے لئے دعا بھی کی جائے۔[2]

عقل اور فطرت میں تصادم کے وقت شریعت پر عمل ہو گا:

حق تعالیٰ نے انسان کو عقل بھی دی ہے اور فطرت بھی اس لئے اگر دونوں کے مقتضاء میں تزاحم ہو تو اس وقت اس کو شریعت کی تعلیم پر عمل کرنا چاہئے کیونکہ شریعت کی تعلیم میں دونوں کی رعایت ہے۔ مثلاً کسی کے فوت ہونے سے رنج پہنچے

---

[1] تھانوی، اشرف علی، مولانا، مواعظ اشرفیہ، وعظ: تفصیل الدین مکتبہ تھانوی دفتر رسالہ الابقاء، کراچی، س-ن ص:59

[2] تھانوی، اشرف علی، مولانا، ملفوظات کمالاتِ اشرفیہ، مرتبہ: مولانا محمد عثمان، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، 1430ھ، ص105

toobaafoundation.com

تو عقل اس وقت رنج کرنے سے منع کرتی ہے کہ رنج کرنے سے وہ شے واپس نہیں آسکتی۔ اس لئے رنج فضول ہے اور طبیعت رنج کا تقاضہ کرتی ہے کہ یہ چیز ہم سے جدا کیوں ہوئی۔ مگر شریعت میں دونوں کی رعایت کی گئی ہے کہ رنج بھی ہو اور مگر اس کو غالب نہ کرو۔ شریعت نے عقل کی بھی رعایت کی، طبیعت کی بھی۔ اسی طرح فنائے دنیا سے غفلت، عقل کے نزدیک سخت غلطی ہے مگر طبیعت غفلت کی بھی مقتضی ہے کیوں کہ فنائے دنیا کو بار بار دیکھتے دیکھتے مساوات سی ہو جاتی ہے اور جس چیز کی مساوات سی ہو جائے اس سے طبیعت کو غفلت سی ہو جاتی ہے۔ شریعت نے یہاں بھی دونوں کی رعایت فرمائی کہ غفلت کا تو مضائقہ نہیں مگر نہ اتنی غفلت کہ احکام عقلیہ بالکل برباد ہو جائیں۔[1]

الغرض شریعت میں ہر چیز کا اعتدال مقصود ہے اور اعمال اخلاق کی فرع ہیں (یعنی اعمال اخلاق سے پیدا ہوتے ہیں) اور اصل محل اعتدال کا اخلاق ہیں۔

اخلاق کے اصول و قوانین:۔

ان کا بیان یہ ہے کہ اخلاق کے تین اصول ہیں۔ یعنی اصل میں تین قوتیں ہیں جن سے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔

1. قوتِ عقلیہ
2. قوتِ شہویہ
3. قوتِ غضبیہ

حاصل یہ ہے کہ اپنے منافع کے حصول اور مضار کے دفع کے لئے خواہ وہ دنیویہ ہوں یا اخرویہ تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ 1۔ ایک تو وہ قوت جو منفعت اور مضرت کو سمجھے۔ وہ قوت مدرک عقلیہ ہے۔ 2۔ اور ایک یہ کہ منفعت کو سمجھ کر اس کو حاصل کرے یہ ' قوت شہویہ ' کا کام ہے اور 3۔ یہ کہ مضرت کو سمجھ کر اس کو دفع کرے۔ یہ قوت دافعہ 'قوت غضبیہ' ہے پھر ان تینوں سے مختلف اعمال صادر ہوتے ہیں۔ پھر ان اعمال کے تین درجے ہیں۔

1. افراط
2. تفریط
3. اعتدال۔

چنانچہ قوت عقلیہ کا افراط یہ ہے کہ اتنی بڑھے کہ وحی کو بھی نہ مانے، جیسے یونانیوں نے کیا، تفریط یہ ہے کہ اتنی گھٹے کہ جہل و سفہ (کمینہ پن) تک اتر جائے۔ اسی طرح قوت شہویہ کا ایک درجہ افراط ہے کہ حلال و حرام کی بھی تمیز نہ رہے۔ بیوی اور اجنبیہ سب برابر ہو جائیں۔ اور ایک درجہ تفریط، یعنی ایسا پرہیز گار بنے کہ بیوی سے بھی پرہیز کرنے لگے۔ یا مال کے ایسے

---

[1] تھانوی، اشرف علی، مولانا، مواعظ اشرفیہ، وعظ: الفانی، مکتبہ تھانوی، کراچی، س-ن، ص4

toobaafoundation.com

حریص ہوئے کہ اپنا پرایا سب ہضم کرنے لگے۔ یا ایسے زاہد بنے کہ ضرورت کی چیزیں بھی چھوڑ دیں۔ اسی طرح قوت غضبیہ کا افراط یہ ہے کہ بالکل بھیڑیا ہی بن جائے اور تفریط یہ ہے کہ ایسے نرم ہوئے کہ کوئی جوتے بھی مارلے۔ دین کو برا بھلا کہہ لے تب بھی غصہ نہ آئے۔ یہ تو افراط تفریط تھا۔ ایک ان تینوں قوتوں کا اعتدال ہے یعنی جہاں شریعت نے اجازت دی ہو وہاں ان قوتوں کا استعمال کرے اور جہاں اجازت نہ دی ہو وہاں ان قوتوں کا استعمال نہ کرے تو ہر قوت میں تین درجے ہوئے۔ افراط، تفریط، اعتدال۔ ان سب درجوں کے نام الگ الگ ہیں جو قوت عقلیہ کے افراط کا درجہ ہے۔ اس کا نام جزبرہ ہے جو تفریط کا درجہ ہے اس کو سفاہت کہتے ہیں جو اعتدال کا درجہ ہے اس کو حکمت کہتے ہیں۔

اسی طرح قوت شہویہ کے افراط کا درجہ فجور ہے۔ تفریط کا درجہ جمود ہے اعتدال کا درجہ عفت ہے۔

اور قوت غضبیہ کا درجہ افراط تہور ہے اور گھٹا ہوا درجہ جبن ہے اعتدال کا درجہ شجاعت ہے۔

تو یہ نوں چیزیں ہوئیں جو تمام اخلاق حسنہ وسیئہ کو حاوی ہیں اور مطلوب ان نو درجوں میں صرف تین درجے اعتدال کے ہیں یعنی حکمت، عفت، شجاعت۔ باقی سب رذائل ہیں۔ تو اصول اخلاق حسنہ کے یہ تین ہیں اور ان تینوں کے مجموعے کا نام عدالت ہے۔ اسی لئے اس امت کا لقب امت وسط یعنی امت عادلہ ہے۔ غرض انسان وہ ہے جس میں اعتدال ہو اب آپ دیکھیں کہ دنیا میں کہنے کو بزرگ تو بہت ہیں لیکن انسان بہت کم ہیں۔ چنانچہ ایک شاعر لکھتا ہے کہ

زاہد شدی وشیخ شدی ودانشمند　　　　این جملہ شدی ولیکن انسان نشدی

(یعنی تم زاہد، شیخ اور عقلمند اور سب کچھ تو بن گئے لیکن انسان نہ بنے۔[1]

حاصل کلام:۔

شریعت نے ہم کو ایسی تعلیم دی ہے جس میں تمام مصلحتوں اور مضرتوں کی رعایت ہے۔ اس لئے ہمیں تجربہ کرکے ٹھوکریں کھا کے مصلحتیں اور مضرتیں معلوم کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف اس کی ضرورت ہے کہ شریعت کی تعلیم حاصل کرلیں۔ پھر ہمیں تہذیب وتمدن میں کسی قوم کی تقلید کی ضرورت نہیں۔

حضورؐ نے ہماری تمام مصلحتوں اور مضرتوں کی رعایت فرما کر ایسی جامع اور مانع تعلیم ہم کو فرمائی ہے جس میں مضرت کا نام و نشان نہیں۔ بلکہ راحت ہی راحت ہے۔ پس مسلمان اگر شریعت کی تعلیم پر کما حقہ چلیں تو ہمہ تن راحت میں رہیں۔ روحانی راحت بھی (میسر ہو) اور جسمانی راحت بھی حاصل ہو۔[2]

---

[1] ملفوظات کمالاتِ اشرفیہ، ص29؛ بصائر حکیم الامت، ص86

[2] انفاس عیسیٰ، ص309۔310

toobaafoundation.com

شریعت پر عمل پیرا ہونے کا طریق کار:

"دین کے جتنے حصے ہیں عقیدے، عباد تیں، معاملات، خصلتیں اور رہنے سہنے کے طریقے سب کی اصلاح کریں اور جو معلوم نہ پوچھتے رہیں۔"[1]

جو کام کریں پہلے شریعت سے تحقیق کر لیں۔ مگر تحقیق ایسوں سے کریں جو سچی بات بتلا دیں اور جو خود ہی اپنی خواہش نفسانی کو شریعت کے اندر ٹھونسیں اور زبردستی غیر دین کو مصلحتوں اور پالیسی کی وجہ سے دین بنا دیں۔ وہ واقع میں عالم نہیں وہ تو جاہل ہیں ان سے مت پوچھیں ورنہ وہ اپنے ساتھ تمہیں بھی گمراہ کریں گے۔ اگر یہ کہیں کہ اس زمانے میں سچے عالم کہاں ملتے ہیں؟ تو یہ غلط ہے۔ بلکہ ڈھونڈنے سے مل جاتے ہیں۔[2]

طریقت

طریقت کی حقیقت:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیهم ولا هم یحزنون الذین امنوا وکانوا یتقون۔ لهم البشری فی الحیوۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ لا تبدیل لکلمات اللہ ذالک هو الفوز العظیم۔[3]

ترجمہ: آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ کرتے ہیں ان کے زندگانی دنیا میں اور آخرت میں بشارت ہے اللہ تعالیٰ کی باتوں میں تبدیلی نہیں ہے یہ بڑی مراد ہے۔

اس آیت میں ولایت کا مدار دو چیزوں پر فرمایا ہے۔ ایمان اور تقویٰ سو جس درجہ کا ایمان اور تقویٰ حاصل ہوگا اسی مرتبہ کی ولایت حاصل ہوگی۔ اگر ادنیٰ درجہ کا ایمان اور تقویٰ ہے جو صحیح عقائد ضروریہ (گو تقلیداً ہو) اور ضروری اعمال سے حاصل ہوتا ہے۔ ادنیٰ درجے کی ولایت حاصل ہوگی جو ہر مومن کو حاصل ہے۔ اس کو ولایت عامہ کہتے ہیں۔ اور اگر اعلیٰ درجے کا ایمان و تقویٰ ہے تو اعلیٰ درجے کی ولایت حاصل ہوگی۔ اس کو ولایت خاصہ کہتے ہیں اور اصطلاحاً ولی وہی شخص کہلاتا ہے جو اس ولایت خاصہ کے ساتھ موصوف ہو۔ ہمارا مقصود بھی یہاں اسی ولایت کے احکام کو بیان کرنا ہے۔ تو اب ولایت خاصہ کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ٹھہری۔ ایمان کامل اور تقویٰ کامل۔ اور مثل نماز روزے کے یہ بھی فرض وواجب ہے اور یہ

---

[1] تھانوی، اشرف علی، مولانا، مواعظ اشرفیہ، وعظ: علم کی طلب، مکتبہ تھانوی، کراچی، س،ن، ص 15

[2] ایضاً، ص 43

[3] یونس 10:62-64

toobaafoundation.com

دونوں چیزیں بدون اصلاح باطن کے حاصل نہیں ہوتیں۔ کیونکہ ایمان کا محل تو ظاہر ہے کہ قلب ہے۔ رہا تقویٰ، سو گو ظاہری جوارح سے متعلق ہے مگر حقیقی تقویٰ جو کامل تقویٰ ہے قلب ہی سے متعلق ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ: التقوی ھھنا واشار الی الصدر[1]

ترجمہ: حضورؐ نے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے اور سینے کی طرف اشارہ کیا۔

سو جب ایمان کامل اور تقوی کامل حاصل کرنا فرض ٹھہرا۔ اور وہ اصلاح باطن پر موقوف ہے سو اصلاح باطن بھی فرض ہوئی۔ اسی طرح ظاہر ہے کہ اگر ادنیٰ درجے کا ایمان و تقویٰ معدوم ہو گا تو اعلیٰ درجے کا بھی کسی طرح نہ ہو گا۔[2]

ماموراتِ و مناہی:

شریعت کے اندر جن اعمال کے کرنے اور جن کے نہ کرنے کا حکم ہے وہ دو طرح کے ہیں بعض کا تعلق ظاہر بدن یا ظاہری چیزوں سے ہے جیسے کلمہ پڑھنا، نماز، روزہ، حج اور زکوۃ اور ماں باپ کی خدمت، ان کو مامورات کہتے ہیں اور کلمات کفر کہنا۔ شرک کے افعال کرنا، زنا، چوری، سود خوری، رشوت وغیرہ ان کو مناہی کہتے ہیں۔

بعض اعمال ایسے ہیں جن کا تعلق باطن سے ہے جیسے ایمان و تصدیق و عقائد حقہ، صبر و شکر، توکل، رضا بالقضاء تفویض و اخلاص، محبت خدائے تعالیٰ و رسولؐ وغیرہ۔ ان کو مامورات و فضائل کہتے ہیں۔ اور عقائد باطلہ، بے صبری، ناشکری، ریا، تکبر، عجب وغیرہ یہ مناہی و رذائل ہیں۔ جن سے شریعت نے منع کیا ہے جس طرح قرآن مجید میں اقیمو الصلوۃ واتوالزکوۃ[3] (نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو) موجود ہے۔ اسی طرح یا یھا الذین امنوا اصبروا[4] (اے ایمان والو! صبر کرو) اور واشکروا (اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ) بھی موجود ہے۔ اگر ایک مقام پر کتب علیکم الصیام[5] (تم پر روزے فرض کیے گیے ہیں) اور للہ علی الناس حج البیت[6] (لوگوں پر اللہ کے لئے خانہ کعبہ کا حج فرض ہے) پاؤ گے تو دوسرے مقام میں یحبھم ویحبونہ[7] (اللہ ان سے محبت کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں) اور والذین امنوا اشد

---

[1] القشیری، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ واحتقارہ ودمہ وعرضہ ومالہ، رقم: 2564

[2] تعلیم الدین، ص: 67

[3] البقرہ 43:2

[4] النساء 200:4

[5] البقرہ 183:2

[6] آلِ عمران 97:3

[7] المائدہ 54:5

toobaafoundation.com

حباً للہ[1] (اور جو ایمان والے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہیں) بھی دیکھو گے جہاں اذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالی (جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں) مذکور ہے، اس کے ساتھ ہی یراؤن الناس[2] (لوگوں کو دکھلاتے ہیں) بھی موجود ہے۔ اگر ایک مقام پر تارک نماز و زکوۃ کی مذمت ہے تو دوسرے مقام میں تکبر و عجب کی برائی بھی موجود ہے۔ اسی طرح احادیث کو دیکھو جس طرح ان میں ابواب نماز و روزہ، بیع و شراء، نکاح و طلاق پاؤ گے ابوابِ ریا و کبر وغیرہ بھی دیکھو گے۔ جس طرح اعمال ظاہرہ حکم خداوندی ہیں۔ اسی طرح اعمال باطنہ بھی حکم خداوندی ہیں۔ کیا اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ امر کا صیغہ ہے اور اصبروا واشکروا امر کا صیغہ نہیں؟ بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ظاہری اعمال سبھی باطن کی اصلاح کے لئے ہیں، اور باطن کی صفائی مقصود اور موجب نجات اور اس کی کدورت موجب ہلاکت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

قد افلح من زکھا وقد خاب من دسھا۔[3]

ترجمہ: بے شک جس نے نفس کو صاف کیا کامیاب رہا اور جس نے اس کو میلا کیا ناکام رہا۔

یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم[4]

ترجمہ: اس دن مال و اولاد کام نہ آئیں گے مگر جو شخص اللہ کے پاس سلامت قلب لے کر آیا۔

ایمان و عقائد جن پر سارے اعمال کی مقبولیت منحصر ہے قلب ہی کا فعل ہے اور ظاہر ہے کہ جتنے اعمال ہیں سب ایمان ہی کی تکمیل کے لئے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ اصل مقصد دل کی اصلاح ہے۔ دل بمنزلہ بادشاہ کے ہے اور اعضاء اس کے لشکر یا غلام ہیں۔ اگر بادشاہ درست ہو جائے تو توابع خود بخود اس کی مطابقت کرنے لگیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

الا ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب[5]

---

[1] البقرہ 165:2

[2] النساء 142:4

[3] الشمس 91:9-10

[4] الشعراء 26:88-89

[5] صحیح البخاری، محمد بن اسماعیل، ابو عبد اللہ، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ الدینہ، رقم:52؛ القشیری، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب المساقات، باب اخذ الحلال وترک الشبہات، رقم:1599؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب الوقوف عند الشبہات، رقم:3984

toobaafoundation.com

ترجمہ: بے شک آدمی کے جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو تمام بدن درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو تمام بدن تباہ ہو جاتا ہے۔ سن لو وہ دل ہے۔

یہ امور دن رات ہمارے سامنے ہیں کہ جس کا دھیان دل میں سما جاتا ہے سارے اعضاء اس کی دھن میں لگ جاتے ہیں آنکھ اس کو دیکھنے، کان اس کو سننے، ہاتھ اس کو پکڑنے اور پاؤں اس کی جانب چلنے کو چاہتا ہے۔ خواہ وہ شے بری ہو یا بھلی۔ مگر دل کا خیال ان اعضاء کو اس کے کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔[1]

تصوف اور فقہ:۔

شریعت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فقہ کے ساتھ ایک دوسری فقہ یعنی شرع کے معنی کا بھی اعتبار ہے۔ اس معنوی فقہ کو تصوف کہتے ہیں۔ تصوف کو علیحدہ کتابوں میں لکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ فقہ سے خارج ہو جائے۔ یہ علیحدگی ایسی ہے جیسے مشہور فقہ میں کتاب الزکوٰۃ اور کتاب الصلوٰۃ الگ الگ ہیں۔ اسی طرح کتاب التصوف بھی فقہ ہے۔ اگر کوئی ہدایہ کی ہر کتاب کو الگ الگ چھاپ دے تو کیا کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الزکوٰۃ وغیرہ ہدایہ سے خارج ہو جاویں گے۔ اسی طرح توحید و اخلاص، یا کبر و تواضع و عجب وغیرہ اخلاق حمیدہ و رذیلہ کے احکام بھی فقہ میں داخل ہیں۔

اہل علم کی غفلت:۔

اہل علم بھی اس کا خیال نہیں کرتے کہ سوائے ظاہری قیام و قعود کے اور بھی کچھ ہے اور وہ بھی ضروری ہے۔ مثلاً بظاہر اٹھ بیٹھ لئے اور نماز ادا ہو گئی۔ حالانکہ قرآن مجید میں جہاں قد افلح المومنون الذین ھم فی صلاتھم ہے اس کے ساتھ ہی خاشعون[2] (خشوع کرنے والے) بھی لگا ہوا ہے۔ جب صلوتھم سے نماز شرعی مطلوب سمجھتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ خاشعون سے خشوع کو مطلوب نہیں سمجھتے حالانکہ دونوں حکم ضروری ہیں۔[3]

حدیث جبرئیل میں احسان (تصوف) کا ذکر:۔

وقال رسول اللہ ﷺ: الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ وان لم تکن تراہ فانہ یراک۔[4]

---

[1] تھانوی، اشرف علی، مولانا، اشرف الطریقۃ فی الشریعۃ والحقیقۃ (شریعت و طریقت)، ترتیب: مولانا محمد دین چشتی، ادارہ اسلامیات، لاہور، اپریل 1981ء، ص39

[2] المؤمنون 23:1۔2

[3] بصائر حکیم الامت، ص: 91

[4] صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب سوال جبرئیل النبیؐ عن الایمان والاسلام والاحسان، رقم:50

toobaafoundation.com

ترجمہ: رسول اللہ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے

اس حدیث میں نبی اکرمؐ نے اس (احسان) کو بعد ایمان اور اسلام کے ارشاد فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ علاوہ عقائد ضروریہ واعمال ظاہرہ کے کوئی اور چیز بھی ہے کہ اس کا نام حدیث میں احسان آیا ہے اور اس کی حقیقت بیان فرمانے سے معلوم ہوا کہ وہ یہی طریق باطن ہے۔ کیونکہ بدون اس طریق کے ایسی حضوری ہرگز میسر نہیں ہوتی اور لاکھوں معتبر آدمیوں کی شہادت موجود ہے جس کے غلط ہونے کا عقل کو احتمال نہیں ہو سکتا کہ ہم کو اہل باطن کے پاس بیٹھنے سے ایک نئی حالت اپنے باطن میں عقائد وفقہ کے علاوہ محسوس ہوتی ہے۔ جو پہلے نہ تھی اور اس حالت کا اثر یہ ہے کہ طاعت کی رغبت اور معاصی سے نفرت، عقائد کی پختگی روزافزوں ہو۔ یہ بھی نہایت قوی دلیل ہے کہ طریق باطن بھی کوئی چیز ہے۔ اس کے علاوہ بزرگوں کے کشف وکرامات اس درجہ منقول ہیں کہ جس کی کوئی انتہاء نہیں اگرچہ یہ کوئی قوی دلیل نہیں، مگر استقامت شرع کے ساتھ اگر خرق عادات ہوں تو صاحب خوارق کے کامل ہونے پر اطمینان بخش ضرور ہوتے ہیں۔[1]

اس بناء پر دو چیزیں طالب ولایت کے لئے فرض ٹھہریں۔ ایک تو ضروری عقائد واعمال کی تصحیح۔ دوسری اصلاح باطن۔ سو عقائد واعمال تو بقدر ضرورت مراجعت کتب وعلماء سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اب صرف اصلاح باطن کا بیان کرنا باقی ہے۔[2]

شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کی تعریف اوران کا باہمی تعلق:

امداد الفتاویٰ کی جلد پنجم میں ایک سوال سائل کی طرف سے مولانا تھانویؒ سے درج ذیل الفاظ میں پوچھا گیا:

سوال: ایک مختصر مضمون میں شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت اور ان کا باہمی تعلق لکھ کر مرحمت فرمایئے؟۔ اس سوال کے جواب میں مولانا تھانویؒ نے ان اصطلاحات کی تعریف اور ان کا باہمی تعلق انتہائی مختصر اور جامع انداز میں درج ذیل الفاظ میں دیا تھا۔

شریعت احکامِ تکلیفیہ کے مجموعے کا نام ہے۔ اس میں اعمال ظاہری اور باطنی سب آ گئے اور متقدمین کی اصطلاح میں لفظ فقہ کو اس امر کا مرادف (یعنی ہم معنی) سمجھا جاتا ہے جیسے امام اعظم ابو حنیفہؒ سے فقہ کی یہ تعریف منقول ہے:

معرفۃ النفس مالھا وما علیھا (یعنی نفس کے نفع ونقصان کی چیزوں کو پہچاننا)

---

[1] تعلیم الدین، ص: 71

[2] ایضاً، ص: 68

toobaafoundation.com

پھر متاخرین کی اصطلاح میں شریعت کے جزو متعلق باعمال ظاہرہ کا نام 'فقہ' ہو گیا اور دوسرے جزو متعلق باعمال باطنہ کا نام 'تصوف' ہو گیا۔ اور ان اعمال باطنی کے طریقوں کو "طریقت" کہتے ہیں۔ پھر ان اعمال کی درستی سے قلب میں جو جلاء اور صفاء پیدا ہوتا ہے اس سے قلب پر بعض کونیہ متعلقہ اعیان واعراض (حقائق ولوازمات) بالخصوص اعمال حسنہ وسیئہ و حقائق الہیہ، صفاتیہ و فعلیہ بالخصوص معاملات بین اللہ اور بین العبد (یعنی جو معاملات اللہ اور بندے کے درمیان ہیں وہ) منکشف ہوتے ہیں۔ ان مکشوفات کو حقیقت کہتے ہیں۔ اور اس انکشاف کو "معرفت" کہتے ہیں۔ اور اس صاحب انکشاف کو محقق اور عارف کہتے ہیں۔ پس یہ سب امور متعلق شریعت ہی کے ہیں اور عوام میں جو یہ شائع ہو گیا ہے کہ شریعت صرف جزو متعلق باحکام ظاہرہ کو کہتے ہیں۔ یہ اصطلاح کسی اہل علم سے منقول نہیں اور عوام کے اعتبار سے اسکا منشاء بھی صحیح نہیں کہ وہ اعتقاد تنافی ہے ظاہر وباطن میں (یعنی ظاہر اور باطن میں اختلاف کا قائل ہونا) ہے۔[1]

مولانا تھانویؒ شریعت و طریقت میں تلازم کے حوالے سے اپنے ایک وعظ "طریق القلندر" میں فرماتے ہیں: تصوف کے اصول صحیحہ قرآن اور حدیث میں سب موجود ہیں اور یہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف قرآن و حدیث میں نہیں ہے وہ بالکل غلط ہیں۔ یعنی غالی صوفیوں کا بھی یہی خیال ہے اور خشک علماء کا بھی کہ تصوف سے قرآن و حدیث خالی ہیں مگر دونوں غلط سمجھے، خشک علماء تو یہ کہتے ہیں کہ تصوف کوئی چیز نہیں۔ یہ سب واہیات ہے، بس نماز روزہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اسی کو کرنا چاہئے۔ یہ صوفیوں نے کہاں کا جھگڑا نکالا ہے تو گویا ان کے نزدیک قرآن وحدیث تصوف سے خالی ہیں اور غالی صوفی یوں کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں تو ظاہری احکام ہیں۔ تصوف علم باطن ہے۔ ان کے نزدیک نعوذباللہ قرآن وحدیث ہی کی ضرورت نہیں۔ غرض دونوں فرقے قرآن وحدیث کو تصوف سے خالی سمجھتے ہیں۔ پھر اپنے اپنے خیال کے مطابق ایک نے تو تصوف کو چھوڑ دیا، اور ایک نے قرآن وحدیث کو۔[2]

شریعت، طریقت اور سیاست کا تعلق:۔

مولانا محمد الیاسؒ بانی 'تبلیغی جماعت' نے مولانا قاری محمد طیبؒ کو ایک خط میں قصبہ میوات میں وعظ کرنے کی درخواست کی، جس کے نتیجے میں مولانا قاری محمد طیبؒ نے ایک وعظ کیا جس میں شریعت، طریقت اور سیاست، تینوں میں ایک اور انداز میں تلازم وتطابق بیان کیا۔ ذیل میں انکے اس وعظ کی مختصر عبارت ذکر کی جاتی ہے:

ھوالذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین۔[3]

---

[1] امداد الفتاویٰ، 5/ 178-179؛ بصائر حکیم الامت، ص 93؛ اشرف الطریقۃ فی الشریعۃ والحقیقۃ (شریعت وطریقت)، ص 34

[2] خطبات حکیم الامت (حقیقت تصوف) وعظ: طریق القلندر، 11/ 245

[3] الجمعہ 62:2

toobaafoundation.com

ترجمہ:" وہ ذات جس نے بھیجا ان پڑھ لوگوں میں ایک رسولؐ ان ہی میں سے، پڑھتا ہے ان پر اس کی آیات اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ اگر چہ وہ پہلے کھلی گمراہی میں تھے"

اس آیت میں تلاوتِ آیات کا ذکر فرما کر اس کی معنویت کے تین مقام ذکر فرمائے گئے ہیں جس سے امت کی اصلاحی سکیم کے تین بنیادی اصول پیدا ہوتے ہیں۔ اول" مسئلہ تعلیم" جس کے معنی تمام احکام کو پیش کر دینے اور سکھلا دینے کے ہیں کہ جس پر امت کے علم و فکر کی تکمیل اور ترقی موقوف ہے۔

دوسرے "مسئلہ تزکیہ یا تہذیب الاخلاق "جس کے معنی دلوں کی کلیں درست کر دینے کے ہیں کہ ایسی تمام باطنی کیفیات و مقامات کو سامنے لانا جس پر قلوب کی استقامت موقوف ہے۔ تیسرے مسئلہ " تلقین حکمت " جس کے معنی ایک تفسیر کے مطابق شارعؑ کی مجموعی زندگی اسوہ حسنہ امت کے سامنے لے آنے کے ہیں۔ جس کے مجموعہ پر امت کی زندگی کی تنظیم موقوف ہے پس قرآن کے اصلاحی پروگرام کے تین بنیادی اصول ہو گئے۔ تعلیم احکام، تہذیب اخلاق، تنظیم اعمال۔

عرف عام میں اول یعنی تعلیم کا لقب 'شریعت' ہے۔ دوسرے تہذیب اخلاق کا نام" طریقت "تیسرے تنظیم اعمال کا نام "سیاست" ہے۔ یہ دین کے موالید ثلاثہ ہیں جس سے دینی کائنات مرکب ہے۔ اسلام میں ان تینوں کے بغیر چارہ کار نہیں اور نہ ایک دوسرے کے بغیر ان کی تکمیل ہو سکتی ہے۔ شریعت سے راہ معلوم ہوتی ہے اگر یہ راستہ ہی سامنے نہ ہو تو قطع مسافت کیسے ممکن ہے؟۔ طریقت سے راہ پر چلنے کی اخلاقی قوت پیدا ہوتی ہے اگر رہروی کی طاقت نہ ہو تو محض راہ کی استقامت سے کیا ہوتا ہے؟ اور سیاست سے راہ کے روڑے صاف ہوتے ہیں اگر راستہ پر خار اور سنگ راہ سے لبریز ہو تو طاقت بھی کیا کام دے سکتی ہے۔؟ اگر پھر بھی کام لیا جائے تو ساری طاقت راستہ پر ہی صرف ہو کر رہ جائے گی۔ منزلِ مقصود تک رسائی ہی مشکل ہو جائے گی۔ پس شریعت راہ ہے، طریقت قوت راہ روی ہے۔ اور سیاست تصفیہ راہ ہے۔[1]

شریعت و طریقت میں تلازم مولانا تھانویؒ کے مجموعہ ملفوظات "کمالات اشرفیہ" کی روشنی میں:۔

1. قرآن پاک روحانی طب اکبر ہے:۔

قرآن پاک طب اکبر ہے اس میں روحانی تربیت اور اصلاح کے نسخے ملیں گے۔ سائنس اور فلسفہ کی لغویات سے اسے کیا تعلق قرآن پاک میں سائنس کی تحقیقات کا ڈھونڈنا ایسا ہے جیسا طب اکبر میں جوتے سینے کی ترکیبیں ڈھونڈنا۔

2. آیات و احادیث میں تصوف:۔

[1] مولانا محمد الیاس دہلوی و مولانا قاری محمد طیب قاسمی، طریقت شریعت اور سیاست، شاہ ولی اللہ میڈیا فونڈیشن، س۔ن، ص: 7۔8

toobaafoundation.com

فرمایا مجھے اب تو ہر آیت وحدیث میں نظر آتا ہے کہ فلاں بات تصوف کی ہے یہاں فلانی ہے یہ سب احسان انھی حضرات (حضرت حاجی صاحب اور حضرات اساتذہ بالخصوص حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کا ہے میرا اس میں کچھ کمال نہیں

3. دین پانچ چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے:۔

فرمایا دین پانچ چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے عقائد، عبادات، معاملات، آداب معاشرت اور اخلاق باطنی۔ [1]

شریعت وطریقت کے تلازم وتطابق کے حوالے سے مولانا تھانویؒ کی چند کتب کا مختصر تعارف:۔

مولانا تھانویؒ کی دینِ اسلام کی نشرواشاعت اور تبلیغ کے حوالے سے بہت ساری خدمات ہیں انہوں نے اپنی پوری زندگی دین اسلام کی خدمت کے لئے وقف کردی تھی۔ مولانا تھانویؒ کا شمار بھی ان لوگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے دین اسلام کی تبلیغ و دفاع کے لئے اپنے قلم کو خوب استعمال کیا اور بہت ساری کتب تصنیف کرگئے۔ مولانا تھانویؒ کی تصانیف کی مختلف انواع ہیں جن میں دین اسلام کے مختلف موضوعات زیر بحث آئے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مولانا تھانویؒ سے دین اسلام کی خاص طور پر جو خدمت لی وہ تصوف کے میدان میں ہے۔ مولانا نے اپنی کتب اور مختلف مواقع پر اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کا اظہار کیا کہ اللہ نے مجھے تفسیر اور تصوف کا خاص طور پر فہم عطا کیا ہے۔ چنانچہ تصوف کے میدان میں خاص طور پر مولانا کی تصانیف بہت ساری ہیں۔

ذیل میں ان میں سے چند اہم کتب کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ ان کتب میں مولانا تھانوی نے شریعت وطریقت میں تلازم و تطابق کو بیان کیا ہے۔

1. تربیت السالک:۔

اس کتاب کا پورا نام 'تربیۃ السالک و تنجیۃ الھالک' ہے۔ یہ کتاب مکتبہ دارالاشاعت کراچی نے دو جلدوں میں شائع کی ہے۔ جلد اول میں جزاول ہے جو 784 صفحات پر مشتمل ہے۔ اور جلد دوم میں جزدوم اور سوم ہے۔ جزدوم کے 488 صفحات ہیں اور جزسوم 464 صفحات پر مشتمل ہے۔ فن تصوف کی یہ کتاب نہایت کارآمد اور مفید ہے۔ اس میں سالکین راہ طریقت کی مشکلات کا حل اور ذاکرین وشاغلین کے شبہات کا کافی وشافی جواب ہے۔ یہ کتاب مندرجہ ذیل ابواب پر مشتمل ہے۔

باب نمبر 1: بیعت وصحبت شیخ کے بیان میں

باب نمبر 2: اخلاق حمیدہ کے بیان میں

---

[1] معارف اشرفیہ، ص: 88-89

toobaafoundation.com

باب نمبر3: اخلاق رذیلہ کے بیان میں

باب نمبر4: اعمال کے بیان میں

باب نمبر5: احوال کے بیان میں

باب نمبر6: ذکر و شغل کے بیان میں

باب نمبر7: رؤیا و کشف کے بیان میں

باب نمبر8: وساوس و خیالات کے بیان میں

باب نمبر9: متفرقات کے بیان میں[1]

2. مسائل السلوک من کلام ملک الملوک (مسائل تصوف قرآن کی روشنی میں)

مولانا تھانویؒ نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں جابجا مسائل تصوف بھی قرآنی آیات سے مستنبط کیے ہیں۔ ان مسائل تصوف کو مولانا تھانویؒ نے اپنی تفسیر میں مسائل السلوک من کلام ملک الملوک کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے۔ جو اب تک بیان القرآن کے ساتھ بھی چھپ رہے ہیں۔ لیکن ادارہ اسلامیات، لاہور نے ان مسائل تصوف کو علیحدہ بھی شائع کیا ہے۔ جس کے عنوانات محمد اقبال قریشی نے تجویز کیے ہیں۔

یہ کتاب 539 صفحات پر مشتمل ہے۔

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک کی روشنی میں مسائل تصوف کے استنباط کا اسلوب:

نمبر1: لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ[2]

ترجمہ: عام لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر نہیں ہوتی ہاں مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ خیرات کی یا کسی اور نیک کام کی یا لوگوں میں باہم اصلاح کر دینے کی ہیں جو ترغیب دیتے ہیں۔

اس آیت کی روشنی میں مولانا تھانویؒ ان لوگوں کا رد کرتے ہیں جو خفیہ تعلیم کے قائل ہیں۔ خاص طور پر جاہل صوفیاء کا نظریہ ہے کہ تصوف کی تعلیمات خفیہ طریقے سے سینہ بہ سینہ چلی آ رہی ہیں۔

خلافِ سنت تعلیم خفی کا بطلان:

---

[1] تربیت السالک، فہرست مضامین

[2] النساء 114:3

toobaafoundation.com

جو تعلیم خفی موافق کتاب و سنت کے نہ ہو جیسا کہ بہت سے جاہل صوفی اس کو حق سمجھتے ہیں کہ طریقت مفاد شریعت کی تعلیم سینہ بہ سینہ جاری ہے۔ یہ آیت اس کے بطلان پر دلالت کرتی ہے۔[1]

نمبر2: فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ[2]

ترجمہ: سو تم ان سب مہینوں کے بارے میں اپنا نقصان مت کرنا

یہ آیت اگرچہ حرمت والے مہینوں کے تقدس کے بارے میں ہے لیکن مولانا تھانویؒ نے اس ایک آیت پر مقدس مقامات کو قیاس کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان مقامات پر گناہوں اور بدعات کا صُدور باقی مقامات کی نسبت زیادہ برا ہے۔

اولیاء کے مزارات پر فجور اور بدعات کا صدور قبح میں اشد ہے:

ای فی الشھر الحرم (یعنی حرمت والے مہینے میں) اس سے معلوم ہوا کہ ازمنہ مبارکہ (بابرکت اوقات) میں۔ اور اسی پر امکنہ مبارکہ (مقدس مقامات) کو قیاس کیا جاتا ہے۔ کہ یہاں پر معصیت کرنا قبح میں اشد ہے۔ تو ان لوگوں کا کیا حال ہے کہ اولیاء کے مزارات پر فجور اور بدعات کرتے ہیں جن کا عُرس کے موقع پر زیادہ صدور ہوتا ہے۔[3]

نمبر3: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ[4]

ترجمہ: اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیئے یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔

اس آیت کے ضمن میں مولانا تھانویؒ نے لکھا ہے کہ تکالیف شرعیہ سلوک کے کسی بھی مرتبہ پر ذمہ سے ساقط نہیں ہوتیں جیسا کہ بعض جہلاء صوفیاء کا خیال ہے اور اسی طرح بعض جاھل لوگوں سے بھی کسی نام نہاد شیخ کے بارے میں یہ بات سننے میں آتی ہے کہ یہ پہنچی ہوئی سرکار ہے۔

تکالیف شرعیہ کے ساقط ہونے کا اعتقاد الحاد محض ہے:-

یقین کی تفسیر موت ہے تو اسمیں ان لوگوں پر رَد ہے جو کہتے ہیں کہ کوئی مرتبہ سلوک میں ایسا ہے جس میں تکالیف شرعیہ ساقط ہو جاتی ہیں اور یہ اعتقاد الحاد محض ہے۔[5]

نمبر3: التکشف عن مھمات التصوف:۔

یہ کتاب مولانا تھانویؒ کے مختلف رسائل کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں درج ذیل رسائل شامل ہیں۔

---

[1] تفسیر بیان القرآن (مکمل)، 1/407؛ تھانوی، اشرف علی، مولانا، مسائل سلوک من کلام ملک الملوک، عنوانات، محمد اقبال قریشی، ادارہ اسلامیات، لاہور، 1990ء، ص135

[2] التوبہ 36:9

[3] بیان القرآن، 2/130؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک ص229

[4] الحجر 99:15

[5] بیان القرآن، 2/325؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک ص292

toobaafoundation.com

التقیٰ فی احکام الرقی، اوراد رحمانی، الفتوح فیما یتعلق بالروح، حقیقۃ الطریقۃ من السنۃ الانیقۃ، تائید الحقیقۃ بالایات العتیقۃ، عرفان حافظ اور النکت الدقیقۃ مما یتعلق بالحقیقۃ۔

یہ کتاب ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، نے 728 صفحات پر شائع کی۔

حقیقۃ الطریقۃ من السنۃ الانیقۃ میں بیان مسائل تصوف میں مولانا تھانویؒ کا اسلوب:

ذیل میں چند احادیث عربی متن کے ساتھ اس کتاب کی روشنی میں ذکر کی جاتی ہیں جن سے مولانا تھانویؒ نے مسائل تصوف کا استنباط کیا ہے۔

نمبر 1: حدیث: عن ابنِ عباس قال: قال ابوبکر: یا رسول اللہ شبت قال: شیبنی ھود والواقعۃ"[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کے بڑھاپے سے متعلق پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ: "مجھ کو سورہ ھود اور سورہ واقعہ نے بوڑھا کر دیا" (بوجہ اس کے کہ سورہ ھود میں امم سابقہ کے معذب اور مورد غضب الہٰی ہونے کا ذکر ہے اور سورہ واقعہ میں اہلِ نار و جنت کی حالت کی تفصیل ہے اور یہ دونوں مضمون عبرت اور خشیت حاصل کرنے کے لئے ہیں)

اس حدیث کے ضمن میں مولانا تھانویؒ نے مراقبہ کی تعریف اور اس کا جواز بیان کیا ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں دائمی غور و فکر سے تقویٰ کا ملکہ حاصل ہوتا ہے۔ 'ذات و صفات حق تعالیٰ یا کسی مضمون خاص کی طرف تدبر تام سے متوجہ ہونا اور اس کا تصور قلب میں موظبت کے ساتھ جمانا یہ مراقبہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اثر شیخیت کا ہے جو ان سے بوڑھا کر دے موقوف ہے تفکر دائم اور توجہ قوی پر، پس حدیث سے مثل حال ہیبت کے عمل مراقبہ کا بھی اثبات ہوتا ہے، چنانچہ ظاہر ہے۔[2]

نمبر 2: فیض پہنچانا شیوخ کے قبضہ میں نہیں ہے:۔

حدیث: عن أبی ھریرۃ فی قولہ تعالیٰ: (انک لا تھدی من احببت) قال: نزلت رسول اللہ حیث یراد عمہ اباطالب علی الاسلام"[3]

ترجمہ: حضرت ابو ھریرہؓ سے اس آیت کے بارے میں 'انک لا تھدی الخ' مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت رسول اللہؐ کے معاملہ میں نازل ہوئی ہے کہ آپؐ اپنے چچا ابو طالب کو اسلام کی ترغیب دے رہے تھے (اور وہ نہ مانتے تھے)

---

[1] ترمذی، محمد بن عیسی، ابو عیسی، محمد بن عیسٰی، سنن ترمذی، کتاب التفسیر القرآن، باب سورۃ الواقعۃ، رقم: 3297، وقال: حسن غریب

[2] التکشف عن مہمات التصوف، ص: 477-478

[3] الجامع الصحیح للمسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی صحۃ اسلام من حضرہ الموت مالم یشرع فی النزع، رقم: 41(25)؛ سنن الترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب تفسیر سورۃ القصص، رقم: 3188 وقال: حسن

toobaafoundation.com

یہ حدیث بھی مذکورہ بالا مضمون کو بیان کرتی ہے۔ مولانا تھانویؒ اس حدیث کے ضمن میں بیان کرتے ہیں کہ جب نفع دینی شیخ کے اختیار میں نہیں ہے تو دنیا کا نفع بدرجہِ اولیٰ اس سے خارج ہے۔

بعض ناواقف غلطی سے یوں سمجھتے ہیں کہ فیض پہچانا شیوخ کے قبضے واختیار میں ہوتا ہے اس حدیث سے اس غلطی کی پوری اصلاح ہوتی ہے۔ کہ جب رسول اللہؐ کو اختیار نہ ہوا تو اوروں میں تو کب احتمال ہے اور جب نفع دینی جو اصل کام شیخ کا ہے مستقلاً خارج از اختیار ہے۔ تو نفع دنیوی تو بدرجہ اولیٰ استقلالاً اختیار میں نہ ہوگا بہت سے جہلا اس میں گرفتار ہیں کہ نعوذ باللہ کہ اہل اللہ کو ساری خدائی کا مالک سمجھتے ہیں بدلالۃ النص اس کی بھی اصلاح ہوگئی۔[1]

نمبر 3: حلال چیزوں کے چھوڑنے میں غلو کرنے کی ممانعت:

حدیث: عن ابنِ عباس ان رجلاً اتی النبی فقال: انی اذا اصبت اللحم انتشرف للنساء واخذتنی شھوتی فحرمت علی اللحم، فانزل اللہ تعالیٰ: (یا ایھا الذین اٰمنوا لا تحرموا طیبٰت ما احل اللہ لکم)[2]۔[3]

ترجمہ: حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ جب میں گوشت کھاتا ہوں تو میری طبیعت عورتوں کی طرف ابھرتی ہے، اور میری خواہش مجھ پر غالب آتی ہے، اس لئے میں نے گوشت اپنے اوپر حرام کرلیا ہے، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: کہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو تم پر حلال فرمایا ہے ان کو حرام مت کرو"

بعض لوگوں کو تقویٰ کا ہیضہ ہوجاتا ہے اور بہت ساری حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرلیتے ہیں۔ مولانا تھانویؒ نے اس حدیث کے تحت ایسے لوگوں کی تردید کی ہے۔

"بعض متشددین بعض حلال چیزوں کو جیسے مطلق گوشت یا مثلاً گائے کا گوشت وغیرہ اس کو ترک کردیتے ہیں جس طرح حرام چیزوں کو ترک کردیتے ہیں یا ان کے ترک کو موجب الی اللہ اعتقاد کرتے ہیں، یہ عملاً وعلماً غلو وافراط فی الدین اور بدعت سیئہ ہے اور جس رہبانیت کا ابطال آیا ہے یہ اس میں داخل ہے، آیت کا شانِ نزول جو حدیث میں آیا ہے اور خود اس کا مدلول اس کی منع میں نص صریح ہے، اہلِ مجاہدہ نے جو لذات کو ترک کیا اس کا مرتبہ اس سے زیادہ نہیں جیسے بعض مضرات طبیہ کے سبب مریض بعض اغذیہ سے پرہیز کرتا ہے نہ عقیدتاً اس کو حرام سمجھتا اور ترک اس کو عبادت جانتا ہے ایسے ترک کو البتہ رہبانیت سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ بعض کم فہم اس کے بھی منکر ہوئے ہیں۔"[4]

نمبر 4: التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف:۔

---

[1] التکشف عن مھمات التصوف، ص482

[2] المائدہ 87:5

[3] سنن الترمذی، کتاب التفسیر القرآن، باب تفسیر سورۃ المائدہ، رقم: 3054

[4] التکشف عن مھمات التصوف، ص473

toobaafoundation.com

مولانا تھانوی کی یہ کتاب احادیث کے متن و اردو ترجمہ کے ساتھ تھی۔ لیکن اب یہ کتاب احادیث کے عربی متن کے ساتھ نہیں چھپ رہی ہے۔ اب یہ کتاب ادارہ تالیفات ملتان نے احادیث کے صرف اردو ترجمہ بمع متعلقہ مسائل تصوف، 360 صفحات پر مشتمل شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں مولانا تھانویؒ نے 639 احادیث سے مسائل تصوف کا استنباط کیا ہے۔

ذیل میں تین احادیث بطور نمونہ کے ذکر کی جاتی ہیں۔

نمبر 1۔ ”سب سے افضل ذکر وہ ہے جو خفی ہو اور سب سے افضل رزق وہ ہے جو کافی ہو جائے۔“

اس حدیث سے مولانا تھانویؒ نے ذکر خفی کی فضیلت بیان کی ہے۔ اور اس حدیث کو ذکر خفی کی اصل قرار دیا ہے۔

ذکر خفی کی فضیلت:۔

اور یہ حدیث اصل ہے ان لوگوں کی جو ذکر خفی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور اس میں قول فیصل یہ ہے کہ فی نفسہ تو یہ افضل ہے۔ اور جہر کی فضیلت ایسے مصالح سے ہے جو خفی سے حاصل نہیں ہوتی، یا ذوق و شوق کے غلبہ سے (بلا قصد) جہر ہو جائے۔[1]

نمبر 2: بندہ جب بیمار ہو جاتا ہے یا سفر کرتا ہے (اس وجہ سے اس کے معمولات میں کچھ کمی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایسا ہی اجر لکھتے ہیں جیسا وہ صحیح اور مقیم ہونے کی حالت میں کرتا تھا اور پورا ثواب لکھا جاتا ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں مولانا تھانویؒ نے غیر اختیاری کوتاہیوں پر غم نہ کرنے کا مسئلہ اخذ کیا ہے۔ اور اختیاری اور غیر اختیاری کا فرق مولانا تھانویؒ کا فن تصوف کی تجدید کا اہم پہلو ہے۔

غیر اختیاری کوتاہیوں پر غم کرنے کے مناہی:۔

اس میں وہ مضمون ہے جس میں مشائخ طالبوں کو اس کی غیر اختیاری کوتاہیوں میں تسلی دیتے ہیں کہ ایسی تقصیرات مقصود میں مخل نہیں

(اور ایسی کمی سلوک میں مضر نہیں) اور طالبین کو ان تقصیرات پر رنج کرنے سے منع فرماتے ہیں۔ کیونکہ ایسا رنج قلوب کو ضعیف کر دیتا ہے۔

”اور ضعف قلب طریق میں سب سے زیادہ مضر ہے۔ کیونکہ بڑا مدار طریق کا ہمت اور عزم پر ہے۔“[2]

---

[1] التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف، ص: 171

[2] ایضاً، ص: 234

toobaafoundation.com

نمبر3:" آدمی کے لیے یہ شر کافی ہے کہ اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جائے"

اس حدیث کے ضمن میں مولانا تھانوی نے شہرت کی دو اقسام ذکر کی ہیں اور ان کا جواز اور عدم جواز بھی۔

پسندیدہ اور ناپسندیدہ شہرت:۔

مراد وہ شہرت ہے جو اس کی خواہش سے ہو یا بلا خواہش ہو گئی تھی۔ مگر اس کو پسند ہو اور اس پر ناز کرے باقی جو منجانب اللہ ہو اور اس کے ساتھ ہی یہ اپنے کو اسکا اہل نہ سمجھے اور عدم استحقاق کی بنا پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرے وہ مراد نہیں۔ بلکہ یہ علامت ہے قبول عنداللہ کی کہ اپنے بندوں کے قلوب میں اس کی محبت پیدا کر دی۔[1]

نمبر5: قصد السبیل الی المولیٰ الجلیل:

اس کتاب میں فن تصوف کی حقیقت اور اس کا صحیح طریقہ کار بتلایا گیا ہے۔ عالم و جاہل، بیکار و کاروباری اشخاص کے لئے جدا جدا تعلیم درج فرمائی ہے۔[2] اس کتاب کا خلاصہ اور تسہیل مولانا محمد شفیعؒ نے کی ہے۔ اس کتاب کے اندر 9 ہدایتیں بیان کی گئی ہیں مثلاً شریعت وطریقت کے بیان میں، علم دین حاصل کرنے کے بیان میں، مرشد کی ضرورت اور اسکی پہچان، پیری مریدی کا مقصد، مرید کے لئے دستور العمل، دلجمعی کے بیان، اختیاری اور غیر اختیاری اعمال کے بیان میں، رسوم مشائخ، عام مردوں کو نصیحت[3]

نمبر6: تعلیم الدین

اس کتاب کے شروع میں مولانا نے انتہائی جامع مقدمہ لکھا ہے۔ جس میں دین اسلام کی پوری تصویر کشی کی ہے۔ اور اس کتاب کو مندرجہ ذیل پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

1. عقائد و تصدیقات
2. اعمال و عبادات
3. معاملات وسیاسیات
4. آداب و معاشرت
5. سلوک مقامات

---

[1] التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف، ص: 340-341

[2] فہرست تالیفات حکیم الامت، ص: 218

[3] تھانوی، اشرف علی، مولانا، قصد السبیل، خلاصہ وتسہیل: مولانا مفتی محمد شفیع، ادارۃ المعارف، کراچی، 2010ء، ص3-4

toobaafoundation.com

اس طرح اس کتاب میں شریعت وطریقت میں تلازم کو بیان کیا گیا ہے۔

حاصل بحث:۔

سلوک وطریقت جس کو عرف عام میں تصوف کہتے ہیں۔اسکی حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اپنے ظاہر وباطن کو اعمال صالحہ سے آراستہ کرے، اور اپنے اعمال بد سے بچائے۔اصل مقصود تو حق تعالیٰ کو راضی کرنا ہے۔اور اس کا ذریعہ شریعت کے حکموں پر مکمل طور پر چلنا ہے۔اب احکام شریعت میں سے بعض تو ظاہر کے متعلق ہیں۔جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ۔اور جیسے نکاح، طلاق اور ادائے حقوق زوجین اور قسم وکفارہ وغیرہ۔اور جیسے لین دین وپیروی مقدمات وشہادت وصیت، تقسیم ترکہ وغیرہ۔اور جیسے سلام وکلام اور طعام ومنام اور قعود وقیام اور مہمانی ومیزبانی وغیرہ کے احکام، ان سب مسائل کو علم فقہ کہتے ہیں۔

اور اسلامی شریعت کے بعض احکام باطن کے متعلق ہیں۔جیسے خدا تعالیٰ سے محبت رکھنا اور اس سے ڈرنا، خدا کو یاد کرنا، دنیا سے محبت کم کرنا، خدا کی مشیت پر راضی رہنا، حرص نہ کرنا، عبادت میں دل کا خاص رکھنا، اس کے کاموں کو اخلاص کے ساتھ اللہ کو راضی کرنے کے لیے کرنا کسی کو حقیر نہ سمجھنا، خود پسندی نہ ہونا، غصے کو ضبط کرنا وغیرہ۔ان اخلاق کو سلوک اور طریقت وتصوف کہتے ہیں۔

مذکورہ بالا بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت وطریقت دو الگ الگ چیزیں نہیں بلکہ شریعت کے تمام احکام ظاہرہ اور باطنہ پر پورا پورا عمل کرنے کا نام ہی طریقت ہے، امام ابو حنیفہ نے علم فقہ کی تعریف بھی اس طرح کی ہے کہ جس میں ظاہری اور باطنی اعمال سب داخل ہیں۔مگر متاخرین نے تحصیل کی سہولت کے لئے اعمال ظاہرہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق تجارت اور اجارہ وغیرہ کو الگ الگ جمع کرکے اس کا نام فقہ رکھ دیا۔اور اعمال باطنہ، اخلاص، صبر وشکر، زہد وغیرہ کے احکام کو الگ جمع کرکے ان کا نام تصوف وطریقت رکھ دیا۔متاخرین کی اس اصطلاح کے مطابق علم عقائد، علم فقہ اور علم تصوف اگرچہ الگ الگ علوم وفنون ہیں۔مگر انسان کامل یا مکمل مسلم ومومن ان سب کے مجموعے ہی سے بنتا ہے۔اور قرآن وسنت کی پیروی ان سب پر عمل کرنے سے ہی ہوسکتی ہے۔ان میں سے صرف ایک حصے کو لے کر دوسرے کو نظر انداز کردینا ایسا ہی مہلک ہے جیسے کانوں کی حفاظت کی جائے، آنکھوں کو ضائع کردیا جائے۔اور روزہ کی حفاظت کی جائے اور نماز کو ضائع کردیا جائے۔

مولانا تھانویؒ نے دین وشریعت کے پانچ حصے شمار کیے ہیں۔ان میں سے پانچواں "تصوف" ہے جس کو شریعت میں اصلاحِ نفس کہتے ہیں۔مولانا تھانویؒ کے نزدیک اگر عقل اور فطرت میں تصادم ہو تو اس وقت شریعت پر عمل کیا جائے گا۔اسلامی شریعت میں تمام مصلحتوں اور مضرتوں کی رعایت ہے۔اسلام میں ولایت کا معیار دو چیزیں (ایمان اور تقویٰ) ان دونوں کا حصول اصلاح باطن پر موقوف ہے اس لیے اصلاح باطن بھی فرض ہے۔مولانا تھانویؒ کے نزدیک جس

toobaafoundation.com

طرح کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الزکوٰۃ فقہ کے الگ الگ باب ہیں، اسی طرح "کتاب التصوف" بھی فقہ کا حصہ ہے۔ حدیث جبریلؑ میں "احسان" کی تعلیم دی گئی ہے اسی احسان کا نام بعد میں "تصوف" رکھ دیا گیا۔ مولانا تھانویؒ کے بقول تصوف کے صحیح اصول قرآن وحدیث میں موجود ہیں۔

مختصر یہ کہ شریعت وطریقت دونوں میں تلازم وتطابق پایا جاتا ہے دونوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ لہذا شریعت کو طریقت سے اور طریقت کو شریعت سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ مولانا تھانویؒ کی اکثر تصانیف میں شریعت وطریقت میں تلازم ملتا ہے۔

toobaafoundation.com

فصل چہارم

صوفیاء کے مسائل کشفیہ و کلامیہ پر مولانا تھانویؒ کی مجددانہ تصریحات

toobaafoundation.com

فصل چہارم

صوفیاء کے مسائل کشفیہ وکلامیہ پر مولانا تھانویؒ کی مجددانہ تصریحات

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود

برصغیر پاک وہند کی مسلم سیاسی، سماجی، دینی وثقافتی زندگی پر جن دو نظریات کے گہرے اور دور رس اثرات مرتب ہوئے اور تصوف کے حوالے سے دو نظریات خصوصی اہمیت اور شہرت کے حامل قرار پائے، وہ دو نظریات وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان میں سے پہلا نظریہ قدیم صوفیاء کے ہاں پایا جاتا ہے، مثال کے طور پر جنید بغدادیؒ، ذوالنون مصریؒ، معروف کرخیؒ، سری سقطیؒ اور بایزید بسطامیؒ وغیرہم۔ اس اول الذکر نظریہ کو سب سے پہلے اپنی تصانیف میں جس شخصیت نے باقاعدہ اور منظم شکل میں پیش کیا وہ ہیں شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ(638ھ/1240ء)، اپنی ابتدائی صورت میں یہ نظریہ محض ایک متصوفانہ نظریہ تھا جس سے ذات باری تعالیٰ اور مخلوقات کے درمیان تعلق کی وضاحت ہوتی تھی۔ اور یہ نظریہ اپنی تمام تر مباحث کے ساتھ صرف صوفیانہ حلقوں اور خانقاہوں تک محدود تھا، مگر بعد میں اس نظریہ نے ہمہ گیر مقبولیت حاصل کرلی اور ایک باقاعدہ فلسفہ کی صورت بن کر سامنے آگیا۔

بعد ازاں اس کے رد وقبول پر بہت سا لٹریچر وجود میں آگیا مثال کے طور پر البقاعی(858ھ) کے رسائل "تنبیہ الغبی علیٰ تکفیر ابن عربی" اور تحذیر العباد من اھل العناد ببدعۃ الاتحاد"، ملا علی قاری(م1014ھ) کی "رد الفصوص"، علامہ سیوطی(م911ھ) کی "تنزیہ الاعتقاد عن الحلول والاتحاد" اسی طرح شیخ عبدالکریم جیلی کی تصنیف "الانسان الکامل" کافی شہرت رکھتی ہیں۔

یہ فلسفہ مختلف سلاسل تصوف مثلاً شطاری، قادری اور نقشبندی سلاسل کے ذریعے ہندوستان پہنچا اور اس نظریے کے اثرات تمام شعبوں پر پڑنے شروع ہوئے۔ برصغیر میں اس نظریہ کی آڑ لے کر بہت سے لوگوں نے گمراہیاں پھیلائیں جس کے نتیجے میں تحریک وحدت ادیان اور مذہبی رواداری کے نام سے مسلمان معاشرے میں گمراہ کن صورت حال سامنے آئی۔ اور نظریہ "وحدت الوجود" کی غلط تعبیرات کی آڑ لے کر متصوفین نے اسلامی تصوف کے چشمہ صافی کو گدلا کرنا شروع کر دیا۔ برصغیر کے ان حالات میں جس شخصیت نے احیاء اسلام اور تجدید دین کی کوشش کی اور متحدہ قومی نظریہ کے خلاف مسلمانوں کے ملی تشخص کو برقرار رکھنے اور اسے غیر مسلم معاشرے میں جذب ہونے سے بچانے کے لیے گراں قدر خدمات

toobaafoundation.com

سر انجام دیں، شیخ احمد سرہندی فاروقیؒ ہیں جو مجدد الف ثانیؒ کے لقب سے مشہور ہیں۔اس حوالے سے ان کا حقیقی فکری کارنامہ تصور "وحدۃ الوجود" کے بالمقابل "وحدۃ الشہود" کا تصور پیش کرنا ہے۔

ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری کے بقول مجدد الف ثانیؒ نے شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے پیش کردہ نظریہ "وحدۃ الوجود" پر درج ذیل وجوہات کی بناپر تنقید کی ہے۔

1. پہلی تنقید یہ ہے کہ یہ نظریہ، انبیاء کے پیش کردہ تصور توحید کے منافی ہے۔
2. مجدد الف ثانیؒ کی دوسری تنقید یہ ہے کہ یہ نظریہ اسلام کے بہت سے بنیادی اصولوں سے متصادم ہے۔
3. "وحدۃ الوجود" پر شیخ مجدد کی تیسری تنقید یہ ہے کہ وجود کی وحدت کا نظریہ محض موضوعی (Subjective) فکر کا نتیجہ ہے۔
4. ان کی چوتھی تنقید یہ ہے کہ تصوف کی تاریخ میں یہ نظریہ ایک نئی چیز ہے۔ابن عربیؒ سے قبل کسی نے بھی اسے پیش نہیں کیا۔ان سے قبل صرف توحید شہودی تھی، نہ کہ توحید وجودی۔
5. "وحدۃ الوجود" پر شیخ مجددؒ کی آخری تنقید یہ ہے کہ فنا کے حصول کے لیے "وحدۃ الوجود" کی قطعاً ضرورت نہیں، اس کے لیے توحید شہودی کافی ہے۔"[1]

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود۔۔۔مولانا تھانویؒ کا تجدیدی کام:۔

مولانا تھانویؒ نے ان مسائل کی علمی تحقیق کے لیے ایک مدلل رسالہ "ظهور العدم بنور القدم" کے نام سے لکھا ہے۔اور یہ رسالہ مولانا تھانویؒ کے مجموعہ رسائل "بوادر النوادر" میں شامل ہے، اور ۲۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

ذیل میں صوفیاء کے ان دو معرکۃ الآرا نظریات کے بارے میں مولانا تھانویؒ کی کتب، مواعظ اور ملفوظات کی روشنی میں، ان نظریات کا مفہوم، حقیقت اور علمِ تصوف میں ان کا مقام و مرتبہ ذکر کیا جاتا ہے۔

وحدۃ الوجود کا مفہوم:۔

مولانا تھانویؒ "وحدۃ الوجود" کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

---

[1] انصاری، محمد عبدالحق، ڈاکٹر، تصوف اور شریعت مجدد الف ثانیؒ کے افکار کا مطالعہ، مترجم: مفتی محمد مشتاق تجاوری، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی، بھارت، 2008ء، ص: 138-143، ملخصاً

toobaafoundation.com

"اس کا لفظی ترجمہ ہے وجود کا ایک ہونا، سو ایک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ گو دوسرا ہے سہی مگر ایسا ہی ہے جیسا نہیں ہے اس کو مبالغتً "وحدۃ الوجود" کہا جاتا ہے۔ حضرت حق کو مثل زندہ کے سمجھو اور ممکن کو مثل مردہ کے۔ کہ گو نعش مردہ بھی کسی درجہ کا وجود رکھتی ہے آخر جسم تو ہے۔ مگر زندہ کے روبرو اس کی ہستی قابلِ اعتبار نہیں۔ کیونکہ مردہ کی ہستی ناقص ہے اور زندہ کی ہستی کامل۔ کامل کے سامنے بالکل مضمحل اور ناچیز محض ہے۔ اس مسئلہ کو مرتبہ تحقیق علمی میں توحید کہتے ہیں۔" [1]

وحدۃ الوجود کی دلیلِ نقلی:-

مولانا تھانویؒ نے درج ذیل حدیث کو اس مسئلہ کی دلیلِ نقلی قرار دیا ہے۔

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قال اللہ تعالیٰ یؤذینی ابن اٰدم یسب الدھر وانا الدھر بیدی الامر اقلب اللیل والنھار" [2]

ترجمہ: حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ابنِ آدم مجھ کو آزردہ کرتا ہے کہ زمانہ کو برا بھلا کہتا ہے حالانکہ زمانہ میں ہوں (آگے اس کی تفسیر ہے) میرے ہی قبضہ میں سب کام ہیں (جو کہ زمانہ میں واقع ہوتے ہیں)۔ میں ہی دن اور رات کو پھیرتا ہوں۔

وحدۃ الشہود کا مفہوم:-

"اس کا ترجمہ ہے "شہود کا ایک ہونا" یعنی واقع میں تو ہستی متعدد ہے، مگر سالک کو ایک ہی مشاہدہ ہوتا ہے اور سب کالعدم (نہ ہونے کی طرح) معدوم ہوتے ہیں۔" [3]

وحدۃ الشہود کی نقلی دلیل:-

مولانا تھانویؒ نے اس مسئلہ کی نقلی دلیل کے طور پر قرآن کریم کی ان دو آیات کو قرار دیا ہے:

1. "اللّٰہُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ" [4]

---

[1] شریعت وطریقت، ص: 310-311

[2] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الرجل یسب الدھر، رقم: 5276؛ صحیح البخاری، کتاب تفسیر القرآن؛ باب من انتظر حتی تدفن، رقم: 4826؛ صحیح المسلم، کتاب الالفاظ من الادب وغیرھا، باب النھی عن سب الدھر، رقم: 2246

[3] تجدید تصوف وسلوک، ص: 165؛ شریعت وطریقت، ص: 311

[4] النور: 35:24

toobaafoundation.com

ترجمہ: اللہ تعالی نور دینے والا ہے آسمانوں کا اور زمینوں کا۔

مولانا تھانویؒ نے اس آیت کی تفسیر میں امام غزالیؒ کا قول ذکر کر کے اس آیت کو وحدت الوجود کا حاصل قرار دیا ہے۔

"امام غزالیؒ نے نور کی تفسیر "ظاھر بنفسه و مظھر لغیره "[1] سے کر کے اس کا مصداق وجود کو ٹھرایا ہے۔ تو نور السمٰوٰۃ و الارض کے معنی وجود السمٰوٰۃ والارض ہوئے اور حاصل مسئلہ وحدت الوجود کا یہی ہے۔"[2]

2. كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَه [3] ترجمہ: سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں بجز اس کی ذات کے۔

مولانا تھانویؒ اس آیت سے استنباط کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" روح میں ہے کہ بجز وجہ' حق یعنی ذات حق کے ہر شئ یعنی ہر موجود ہالک ہے۔ یعنی معدوم ہے۔ مراد یہ ہے کہ کالمعدوم ہے۔ کیوں کہ اس کا وجود ذاتی نہ ہونے کے سبب ہر وقت قابل عدم ہے پس وہ وجود مثل لاوجود کے ہے اور وحدۃ الوجود کا یہ ہی حاصل ہے۔ پس آیت دلیل ہے مسئلہ وحدۃ الوجود کی۔[4]

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی تفہیم کے لیے امثلہ:۔

مولانا تھانویؒ نے ایک طرف تو احتیاط کے پیشِ نظر ان کلامی مباحث میں غور و خوض سے منع کیا ہے اور دوسری طرف اس مسئلہ کو عام فہم بنانے کے لیے اپنی کتب میں مثالیں بھی ذکر کی ہیں۔ ذیل میں ان مثالوں میں سے چند ایک ذکر کی جاتی ہیں:

مثال نمبر 1:۔ "مثلاً کوئی حاکم کسی فریاد خواہ سے کہے کہ تم نے پولیس میں رپٹ لکھوائی کسی وکیل سے مشورہ کیا، اور وہ عرض کرے کہ جناب پولیس و وکیل سب آپ ہی ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ حاکم پولیس اور وکیل سب ایک ہی ہیں ان میں کچھ فرق نہیں مطلب یہ ہوتا ہے کہ پولیس اور وکیل کسی شمار میں نہیں، آپ ہی صاحب اختیار ہیں۔"[5]

---

[1] صدیقی، محمد اسحاق، الفکرۃ السنیۃ والحاجۃ البہا، الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنورۃ، 1403ھ، 1/56؛ بوادر النوادر، رسالہ: ظہور العدم بنور القدم، ص: 664

[2] بیان القرآن، 2/582؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، ص375؛ شریعت و طریقت، ص: 311

[3] العنکبوت: 88:29

[4] بیان القرآن، 3/106؛ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، ص: 422

[5] تجدید تصوف و سلوک، ص: 160

toobaafoundation.com

مثال نمبر2:- "مثلاادنیٰ درجہ کا حاکم اجلاس پر بیٹھا ہوا شان حکومت دکھلا رہا ہو کہ بادشاہ وقت آ پہنچا،اس کے دیکھتے ہی حکومت کا نشہ ہرن ہو گیا۔اب جو اختیارات کو اقتدار شاہی کے سامنے دیکھتا ہے،تو ان کا نام ونشان نہیں پاتا، نیچے کو گڑا جاتا ہے،نہ آواز نکلتی ہے،نہ سر اٹھتا ہے۔تو گو اس صورت میں اس کا منصب (عہدہ)معدوم نہیں ہوا، مگر کالعدم ضرور ہے۔

بس اس طرح سمجھنا چاہیے کہ گو ممکنات موجود ہیں،کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وجود دیا ہے،تو موجود کیوں نہ ہوتے۔ مگر وجود حق کے سامنے ان کا وجود نہایت ناقص وضعیف وحقیر ہے،اس لیے گو اس کو عدم نہ کہیں، مگر کالعدم ضرور کہیں گے۔تو جب یہ کالعدم ہوا تو واقعی ومعتد بہ وجود ایک ہی رہ گیا۔یہی معنی ہیں وحدۃ الوجود کے۔ کیونکہ اس کا لفظی ترجمہ ہے وجود کا ایک ہونا۔سوایک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ دوسرا ہے سہی مگر اس کا ہونا ایسا ہی ہے جیسا نہیں ہے،اسی کو مبالغۃً وحدۃ الوجود کہا جاتا ہے۔"[1]

مثال نمبر3:- ایک اور واضح مثال مولانا تھانویؒ نے شیخ سعدیؒ کے اشعار کے حوالے سے جگنو کی ذکر کی ہے۔جس میں اس مضمون کا آسان ترین فہم موجود ہے:

"گر دیدہ باشی کہ در باغ وزاغ	بتابد بشب کرمکِ چوں چراغ
یکے گفتش اے مرغکِ شب فروز	چہ بودت کہ بیروں نیائی بروز
ببیں کاتشیں کرمکِ خاک زاد	جواب از سر روشنائی چہ داد
کہ من روز وشب جز بصحرا نیم	ولے پیشِ خورشید پیدا نیم

ترجمہ: یعنی جگنورات کو مانند چراغ کے چمکتا ہے۔اس سے کسی نے کہا کہ تو دن میں باہر کیوں نہیں نکلتا تو اس نے بہت ہی اچھا جواب دیا کہ میں رات دن جنگل ہی میں ہوتا ہوں۔لیکن سورج کی روشنی کے سامنے میری روشنی ظاہر نہیں ہوتی۔"[2]

---

[1] تجدید تصوف وسلوک،ص:161

[2] شریعت وطریقت،ص: 311

toobaafoundation.com

مجدد الف ثانیؒ کے نظریہ "وحدۃ الشہود" اور "وحدۃ الوجود" کی حقیقت ایک ہے:۔

"مولانا تھانویؒ کے بقول وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں اختلاف لفظی ہے۔ مگر چونکہ وحدۃ الوجود کے معنی عوام میں غلط مشہور ہو گئے تھے اس لیے بعض محققین نے اس کا عنوان بدل دیا۔ جو بہ نسبت عنوان متروک کے اس معنی میں زیادہ ظاہر ہے کیونکہ لفظ وحدۃ الوجود کی دلالت معنی مذکور پر مجازی ہے اور وحدۃ الشہود کی دلالت اس معنی پر حقیقی ہے۔"[1]

وحدۃ الوجود کی اصل حقیقت:۔

"وحدۃ الوجود تو یہ ہے کہ اپنی ہستی کو مٹا کر خدا کی ہستی کا مشاہدہ کرے نہ یہ کہ خدا کی ہستی کو مٹا کر اپنی ہستی کا مشاہدہ کرے۔ ایک بزرگ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا کہ منصور نے بھی انا الحق میں خدا ہوں کہا تھا، اور فرعون نے بھی انا ربکم الاعلی میں تمہارا بلند مرتبہ والا رب ہوں کہا جس کا حاصل انا الحق ہی ہے پھر وہ مقبول ہوئے یہ مردود ہوا اس کی کیا وجہ۔ الہام ہوا کہ منصور نے اپنے کو مٹانے کے لیے انا الحق کہا تھا اور فرعون نے ہم کو مٹانے کے لیے انا الحق کہا تھا اس لیے وہ مقبول ہوا یہ مردود ہوا، مولانا (روم) اسی کو فرماتے ہیں:

گفت منصورے انا الحق گشت مست — گفت فرعونے انا الحق گشت پست

رحمۃ اللہ آں انا را در وفا — لعنت اللہ ایں انا را درقفا

ترجمہ: منصور نے انا الحق (میں خدا ہوں) کہا مقبول ہوا فرعون نے انا الحق کہا مردود ہوا۔ راہ وفا میں انا (میں) کہنا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور راہ جفا میں انا کہنا اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔"[2]

مسئلہ وحدۃ الوجود حالی ہے:۔

مولانا تھانویؒ کے بقول یہ مسئلہ حالی ہے قالی نہیں ہے۔ جیسے کہ مولانا فرماتے ہیں کہ:

"مسئلہ وحدۃ الوجود حقیقت میں حالی ہے قالی نہیں۔ وہ حال یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کی ذات پیشِ نظر ہوتی ہے تو اس وقت دوسروں کا اور اپنا وجود کالعدم نظر آتا ہے جیسے کسی خیال میں منہمک شخص کو دوسری چیزوں کی طرف التفات نہیں ہوتا حتیٰ

---

[1] تجدید تصوف وسلوک، 311

[2] تھانوی، اشرف علی، مولانا، حقیقتِ تصوف، وعظ: تقویٰ، ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، 1428ء، ص: 80-81

toobaafoundation.com

کہ اگر کوئی سر کے پاس آکر آواز دے تو مطلق خبر نہیں ہوتی۔"[1]

غلبہ وحدۃ الوجود کا اصل مقصود:۔

مولانا تھانویؒ نے اس حوالے سے کہا ہے کہ:

"غلبہ وحدۃ الوجود کا اصل مقصود صرف یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کو مقصود نہ سمجھے، سو یہ بات بدوں اس کے غلبہ کے بھی حاصل ہو سکتی ہے (جیسا کہ ائمہ مجتہدین وغیرہ کو حاصل تھی) یہ ضرور ہے کہ اگر غیر حق کے وجود سے بھی قطع نظر ہو جائے گی تو یہ مقصود سہولت سے حاصل ہو جائے گا یہ بات کہ توحید وجودی توحید مطلوب کا کوئی درجہ نہیں آج 65 سال کے بعد معلوم ہوئی ورنہ اب تک میں بھی اس کو توحید کی ایک قسم سمجھتا تھا الحمد للہ آج غلطی منکشف ہوئی جس پر میں بے حد مسرور ہوں۔"[2]

مسئلہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود مسائل کشفیہ ہیں، منصوص قطعی نہیں:۔

مولانا تھانویؒ نے ان مسائل پر قرآن وحدیث کے حوالے سے بحث کی ہے اور بعض آیات واحادیث کو ان مسائل کی مثبت قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ یہ مسائل منصوص قطعی نہیں ہیں۔ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"مسئلہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود مسائل کشفیہ ہیں، کسی نص کے مدلول نہیں۔ ایسے مسائل کے لیے یہی غنیمت ہے کہ وہ کسی نص سے متصادم نہ ہوں۔ یعنی کوئی نص ان کی نافی نہ ہو۔ باقی اس کی کوشش کرنا کہ نص کو ان کا مثبت بنایا جائے ،اس میں تفصیل ہے کہ اگر نص اس کی محتمل ہو تو درجہ احتمال تک اس کا رکھنا غلو تو نہیں مگر تکلف ہے اور درجہ احتمال سے بڑھا دینا غلو ہے، اور اگر وہ محتمل بھی نہ ہو تو اس کا دعویٰ کرنا احتمالاً یا جزماً صریح تحریف ہے۔ البتہ اگر وہ دعویٰ بطور تفسیر یا تاویل کے نہ ہو محض بطور علم اعتبار کے ہو تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی اور نص سے ثابت ہو تب تو وہ اعتبار داخل حدود ہے، ورنہ وہ بھی تکلف ہے۔"[3]

---

[1] معارفِ اشرفیہ، ص:149

[2] ایضاً، ص:64

[3] بوادر النوادر، ص: 663؛ تجدید تصوف وسلوک، ص:150-151

toobaafoundation.com

وحدۃ الوجود والشہود کے بارے میں لوگوں کا غلط نقطہ نظر:۔

اس حوالے سے مولانا تھانویؒ نے اپنے ایک وعظ میں فرمایا ہے:

"آج کل لوگوں نے اس کو ہوّا بلکہ بدنام بنا دیا ہے یہاں تک کہ ایک عیسائی انگریز بھی کہنے لگا کہ ہم تو تین ہی خدا کے قائل ہیں اور تمہارا ٹوپی (صوفی) تو ہر چیز کو خدا کہتا ہے۔ یہ وحدۃ الوجود کے مسئلہ کو بگاڑا ہے اور غضب ہے کہ بہت سے جہلاء وحدۃ الوجود کے معنی یہی سمجھے ہوئے ہیں کہ ہر چیز خدا ہے حتی کہ میں نے فرنگی محل میں ایک مولوی صاحب کو درس میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ نعوذ باللہ واجب الوجود کلی طبعی ہے جزئی نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ کلی طبعی کا وجود جداگانہ نہیں ہوتا بلکہ افراد کے ضمن میں ہوتا ہے تو نعوذ باللہ خدا کا وجود مستقل کوئی نہیں بلکہ موجودات کے ضمن ہی میں ہے یہ وحدۃ الوجود نہیں بلکہ کفر صریح ہے۔"[1]

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے بارے میں مولانا تھانویؒ کی وصیت:۔

مولانا تھانویؒ نے دیگر کلامی مسائل اور خاص طور پر ان مسائل (وحدۃ الوجود وشہود) کے بارے میں وصیت کی ہے کہ ان مسائل میں نصوص سے تجاوز نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"اول تو تمام مسائل کلامیہ میں عموماً اور خصوصاً جن کا تعلق ذات وصفات سے ہے، بدون قطعی عقلی یا نقلی دلیل کے محض ظنیات کی بناء پر کہ کشف سب ظنیات میں انزل ہے، کوئی حکم کرنا خصوص حکم جازم، بلکہ بلا ضرورت کچھ گفتگو کرنا سخت محل خطر وخلاف مسلک سلف صالحین ہے اور جن بزرگوں نے کچھ کلام کیا ہے، ان میں اکثر کی غرض محض اہل ہوا کا دفع تھا جیسا کہ مجدد صاحب نے بغرض اصلاح غلاۃ وجودیہ اس میں کلام فرمایا۔ گو بعض نے اس کو مقصود بنا لیا جو خلاف احتیاط ہے۔

اسلم ایسے مسائل میں یہی ہے کہ نصوص سے تجاوز نہ کریں، اور سلف کے مسلک پر اور ان کے ارشاد کو ابهموا ما ابهم اللہ تعالیٰ پر عمل رکھیں۔ اور اگر کوئی حقیقت زائدہ علی النص کسی دلیل ظنی سے کہ کشف بھی اس میں داخل ہے، منکشف ہو اور کسی دلیل عقلی قطعی اور نیز کسی نص قطعی یا ظنی کے مخالف نہ ہو تو اس میں خوض نہ کریں دونوں جانب محتمل سمجھتے رہیں۔

[1] حقیقت تصوف، ص: 80

toobaafoundation.com

چونکہ یہ مسئلہ متکلم فیہا بھی ان ہی مسائل سے ہے، جن کا تعلق ذات وصفات سے ہے۔ کیونکہ حاصل اس کا ارتباط الحادث بالقدیم ہے، اس لیے اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ رکھیں اور اجمالاً یہ اعتقاد تو جزم کے ساتھ رکھیں، کہ عالم پہلے ناپید تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے علم وقدرت وارادہ سے پیدا فرمایا۔ باقی کس طرح سے پیدا فرمایا، اس میں نہ خوض کریں نہ کلام کریں۔ جیسے مسئلہ قدر میں احادیث میں بھی منصوص ہے کہ اجمال کے درجہ میں اس کے اعتقاد کو شرط ایمان فرمایا اور تفصیل کے درجہ میں خوض یا کلام کو منع فرمایا۔"[1]

خلاصہ کلام:۔

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے بارے میں مولانا تھانویؒ کی تجدیدی خدمات کا خلاصہ درج ذیل نکات میں بیان کیا جاتا ہے:

i. یہ مسئلہ ظنی ہے قطعی نہیں۔
ii. اس مسئلہ کا حقیقی انکار وبطلان نہیں ہو سکتا۔
iii. اسی طرح اس مسئلہ کے قائلین وعدم قائلین کی تضلیل کا قطعی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ جس طرح کہ بعض لوگوں نے اس مسئلہ کے حوالے سے ایک دوسرے پر الزام تراشی کی ہے۔
iv. قائلین وعدم قائلین دونوں اس کو مبہم رکھنے کے قائل ہیں۔

جیسا کہ اس حوالے سے مولانا عبدالباری ندویؒ نے لکھا ہے کہ:

"مولانا تھانویؒ کا اس مسئلہ میں اصل تجدیدی مسلک یہ ہے کہ نہ اس کا جزم وقطعیت کے ساتھ انکار ہو نہ اثبات، دونوں کو احتمال کے درجہ میں رکھا جائے۔ لیکن انتہا پسندوں نے جہاں ایک طرف اس کا قطعی انکار اور اس کے قائلین کی تکفیر وتضلیل تک میں تامل نہیں کیا وہاں دوسری طرف اپنوں اور پرایوں دونوں میں بہتوں نے بری غلطی یہ کھائی کہ اس کو تصوف کا جزء لاینفک سمجھ لیا، اور پھر بناء فاسد علی الفاسد اس کی جو توجیہات و تشریحات صوفیہ نے کی ہیں ان کو قدرۃً ویدانت وغیرہ کی فلسفیانہ وعقلی تعبیرات سے مماثل پاکر اسلامی تصوف ہی کو اجنبی ماخذوں سے ماخوذ ومستعار سمجھ لیا گیا۔ لہٰذا اس بارے میں حضرت جامع المجددین علیہ الرحمۃ کی ایک اعتبار سے زیادہ اہم تجدید و تحقیق یہ ہے، کہ مسئلہ خواہ وحدۃ وجود کی صورت میں ہو یا وحدۃ شہود کی براہ راست اسلامی تصوف کا کوئی خاص وضروری جزء بالکل نہیں" بلکہ کلامی وعلمی" یا عقلی وفلسفیانہ مسئلہ ہے یا بعضوں کے لیے کشفی جو بجائے خود کوئی قطعی حجت نہیں۔"[2]

---

[1] تجدید تصوف وسلوک، ص:148؛ شریعت وطریقت، ص: 313

[2] تجدید تصوف وسلوک، ص:148-149

toobaafoundation.com

(لطائف ستّہ کے مراتبِ وجود)

لطائف ستہ:۔

لطائف کی تعلیم کا نقشبندیہ کے یہاں خاص اہتمام ہے اور چشتی اس کو غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ چناں چہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے نزدیک بھی یہ لطائف سب حجاب ہیں۔ ذکر کے وقت ان کی طرف توجہ نہ کرنی چاہیے۔

لطائف کی اصل:۔

مولانا تھانویؒ نے اس کی اصل اس حدیث کو قرار دیا ہے۔"الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الا وھی القلب۔"[1]

ترجمہ:۔ سنو! بے شک جسم میں ایک لو تھڑا ہے جب وہ ٹھیک ہو تو پورا جسم ٹھیک ہو تا ہے، اور جب وہ خراب ہو تو پورا جسم خراب ہو تا ہے، سنو! اور وہ دِل ہے۔

مولانا تھانویؒ کا ایک طویل ملفوظ 'رسالۃ القطائف من اللطائف' کے نام سے ان کے مشہور مجموعہ رسائل 'بوادرالنوادر' میں 11 صفحات پر مشتمل ہے۔ جو ان کے ایک مرید (حکیم صاحب) کے سوال کے جواب میں 11 رمضان 1349ھ کو صبح کے وقت ایک مجلس میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس ملفوظ کے شروع میں ایک لمبی تقریر ہے۔ پھر لطائف کے اصطلاحی نام اور ان کی حقیقت بیان کی گئی ہے اور اس ملفوظ کے آخر میں ان کے حوالے سے مولانا تھانویؒ کی ایک نصیحت بھی مذکور ہے۔

لطائف ستّہ کو ذاکر بنانے کے بارے میں حکیم صاحب کا مولانا سے سوال:۔

"سوال:۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ لطائف ستّہ کو کیسے ذاکر بنایا جائے؟

جواب:۔ جواب میں مولانا تھانویؒ نے انسان کے بارے میں صوفیاء، اطباء اور متکلمین کی آراء کو تفصیلی بیان کیا ہے، ذیل میں اس جواب کو مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

---

[1] الطبرانی، سلیمان بن احمد بن ایوب، المعجم الکبیر للطبرانی، تحقیق: فریق من الباحثین، 2006ء، 21/64؛ السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب البیوع، باب طلب الحلال واجتناب الشبهات، رقم: 10400

toobaafoundation.com

صوفیاء کے نزدیک انسان کے اجزائے ترکیبی:۔

"حضرات صوفیہ فرماتے ہیں کہ یہ خیال تو صحیح ہے کہ انسان کے تمام اجزاء ترکیبیہ مادی نہیں بلکہ بعض مادی ہیں، بعض غیر مادی، مگر ان غیر مادیات کو بھی حادث بالذات وبالزمان مانتے ہیں، پس روح کے حدوث و تجرد میں تو مشائین ساتھ ہیں اور تکون قبل از بدن میں متکلمین کے ساتھ، البتہ ان کے نزدیک یہ خیال غلط ہے کہ جزو غیر مادی صرف ایک ہے یعنی نفس ناطقہ بلکہ پانچ جزو غیر مادی ہیں تو ان کے نزدیک انسان دس اجزاء سے مرکب ہے۔ پانچ مادی ہیں پانچ غیر مادی۔ مادی اجزاء تو یہ ہیں۔ عناصر اربعہ ونفس۔ اور غیر مادی اجزاء یہ ہیں۔ قلب، روح، سر، خفی، اخفی۔ انہی اجزاء خمسہ مجردہ یعنی غیر مادیہ کا نام لطائف خمسہ ہے۔ بعض صوفیہ اپنی اصطلاح میں ان میں نفس کو بھی شامل کر لیتے ہیں اور مجموعہ کو لطائف ستہ کہتے ہیں۔

چنانچہ آج کل یہی نام مشہور بین الخواص والعوام ہے مگر نفس کو لطائف میں شامل کرنا بوجہ اُس کے مادی ہونے کے تغلیباً ہے جیسے قمرین، عمرین، قمر وشمس اور ابو بکر وعمر کو تغلیباً کہا جاتا ہے ہاں مادی کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ مادہ اس کا جزو ہو جیسے بدن انسانی دوسرے یہ کہ کسی مادی یا خود مادہ میں حلول کر رہا ہو۔ یہاں پر نفس کو باعتبار المعنی الثانی مادی کہا جاتا ہے کیوں کہ نفس جو قوۃ داعیہ الی الشر ہے منطبع فی جمیع البدن ہے لہٰذا مادی ہو گا مگر یہ بعض اس کو اس وجہ سے تغلیباً لطائف میں شمار کر لیتے ہیں کہ غرض تصوفی کے سبب لطائف کے ساتھ اس سے بھی بحث ہوتی ہے حضرت مجدد صاحب کے کلام میں اکثر لطائف خمسہ کا عنوان مذکور ہوتا ہے اور بعض اکابر صوفیہ کے کلام میں لطائف ستہ کا عنوان۔" [1]

لطائف ستہ / خمسہ کے فعلِ تصور کی اصل حقیقت:۔

"لطائف خمسہ کے فعلِ تصور کی اصل حقیقت اس قدر ہے کہ نفس ذات باری تعالیٰ کا تصور ذہنی وذکر مفرد کیا جائے اور لفظ اللہ کے لیے کوئی محمول یا خبر ثابت ہونا تحقق اصل ذکر کے لیے لازم نہیں جیسے اللہ قادر، اللہ علیم، اللہ حکیم۔ کیونکہ بالاتفاق ایسا ذکر ایسا تصور جائز ہے اس قسم کا مراقبہ اثبات بالدلیل کا محتاج نہیں۔" [2]

درجات خمسہ کے اصطلاحی اور منقول نام:۔

ان درجات خمسہ کے اصطلاحی اور منقول نام بتلاتے ہیں۔ درجہ اول کا نام ذکر ہے کیونکہ اس میں محض یاد ہے۔

---

[1] بوادر النوادر، ص: 562

[2] ایضاً، ص: 565

toobaafoundation.com

درجہ ثانی کا نام حضور ہے کیونکہ اس میں متصور ومرئی سامنے حاضر ہوتا ہے۔ درجہ ثالث کا نام مکاشفہ ہے کیونکہ مرئی کے غایۃ قرب کی وجہ سے حضور تام اور خال وخط کا کامل انکشاف ہوتا ہے۔ درجہ رابع کا نام شہود ومشاہدہ ہے کیونکہ اصطلاحاً شہود ومشاہدہ حضور اتم واکمل کو کہتے ہیں اور اس درجہ میں حضور اتم واکمل سے غایت شیفتگی وفریفتگی ووفور ولہ وولع ہوتا ہے۔ نیز اس درجہ کا نام فناء بھی ہے کیونکہ محویت کی وجہ سے اپنی ہستی کا علم نہیں ہوتا۔ درجہ خامسہ کا نام معاینہ ہے کیونکہ معاینہ سے مراد اصطلاحاً وہ حضور ومعاینہ ہے جو شہود اصطلاحی سے زائد ہو اور اس درجہ میں معاینہ شہود اصطلاحی سے زائد ہوتا ہے کیونکہ لاعلمی سے بھی لاعلمی ہوتی ہے اسی وجہ سے اس کا نام فناء الفناء بھی ہے۔"[1]

اصطلاحِ صوفیاء میں تصور درجات کے اسماء:۔

"ان درجات تصور کے اصطلاح صوفیاء میں بھی اسماء ہیں۔

(1)ذکر

(2)حضور

(3)مکاشفہ

(4)شہودومشاہدہ وفناء

(5)معاینہ وفناء الفناء۔

پس لطیفہ قلب کا فعل ذکر ہے۔ لطیفہ روح کا فعل حضور۔ لطیفہ سر کا فعل مکاشفہ۔ لطیفہ خفی کا فعل شہود ومشاہدہ وفناء۔ لطیفہ اخفیٰ کا فعل معاینہ وفناء الفناء ہے۔ بعض حضرات مشائخ کی رائے ہے کہ ذکر کی بطرز معہود ومخصوص اس قدر مشق کی جائے کہ یہ لطائف خمسہ علیحدہ ذاکر ہو جائیں یعنی یہ سب افعال صادر ہونے لگیں۔ بعض حضرات کی یہ رائے ہے کہ صرف قلب سے ذکر کی مشق کی جائے جس سے ان سب افعال کا صدور ہونے لگے اور اس کی بالکل ضرورت نہیں کہ یہ بتایا جائے کہ یہ فعل کس لطیفہ کا ہے اور یہ فعل کس لطیفہ کا۔ یہ حضرات لطائف کی طرف توجہ تفصیلی کو حجاب سمجھتے ہیں۔"[2]

---

[1] بوادر النوادر، ص:566

[2] ایضاً، ص:566

toobaafoundation.com

اب ذیل میں لطائف کے نام، غذا یا فعل، مقام اور رنگ پر مشتمل ایک جدول پیش کیا جاتا ہے۔

"لطائف ستّہ حسبِ ذیل ہیں (بجز نفس کے، کہ وہ عالمِ خلق سے ہے۔ باقی سب عالمِ امر سے ہیں۔)

لطائف کا نام	نفس	قلب	روح	سر	خفی	اخفیٰ
غذا یا فعل	غفلت	ذکر	حضور	مکاشفہ ملکوت	مشاہدہ فنا	معاینہ فناء الفناء
مقام	زیر ناف	زیر پستان چپ	زیر پستان راست	مابین قلب وروح	مابین دوابر	ام الدماغ
رنگ	زرد	سرخ	سفید	سبز	نیلا	سیاہ

لطائف ستّہ کشف سے دریافت ہوئے ہیں۔ اور ان کے توحّد وتعدد میں اختلاف ہوا ہے لیکن ان کے افعال خاصہ سے ظاہراً ان کے تعدد پر استدلال ممکن ہے۔

نفس بقیہ لطائف کے مضاد ہے اور باقی لطائف آپس میں متناسب ہیں اور ہر تحتانی رتبہ فوقانی کے لیے ممد ہے۔ اور فوقانی تحتانی پر مشتمل۔ اسی لیے فوقانی ذاکر وجاری ہونے سے تحتانی بھی ذاکر وجاری ہو جاتا ہے۔

بعض نے (تعیین مقامات میں) کچھ اختلاف بھی کیا ہے اور وجہ اختلاف کی اختلاف کشف ہے۔ کیونکہ جملہ لطائف مثل مرایا متعاکسہ (آئینے جن میں عکس نظر آتا ہے) کے ہیں۔ جس شخص کو جہاں کسی لطیفہ کا نور نظر آیا۔ اس نے وہیں اس کا مقام سمجھ لیا۔ اور کسی کو مقامِ اصلی مکشوف ہوا۔"[1]

مولانا تھانویؒ کی لطائف ستّہ / خمسہ کے بارے میں نصیحت:۔

"ان کا تعلق علوم مکاشفہ سے ہے اور علوم مکاشفہ بالکل ناقابلِ التفات ہیں جب کہ خود کشف وکرامات کو اہلِ فن حیض الرجال سے تعبیر کرتے ہیں پس مقصود فوائد ہیں نہ زوائد۔ گو میں نے ایک گھنٹہ چالیس منٹ اس تقریر اور سوال و جواب میں خرچ کیے لیکن میں ذرہ برابر بھی محظوظ نہیں ہوا میں اُس خدمت کو اصلی کام اور باعثِ حظ سمجھتا ہوں کہ کسی طالب عامل کو کچھ بتادوں اور وہ اس پر اہتمام سے عمل پیرا ہو۔ باقی اس قسم کی تحقیقات و تدقیقات تو حقیقت میں میبذی اور صدرا کی

---

[1] شریعت وطریقت، ص:366-367

toobaafoundation.com

تقاریر کے مترادف ہیں۔"[1]

لطائف کے بارے میں مولانا تھانویؒ کی رائے:۔

"ہمارا مذہب لطائف کے بارے میں یہ ہے کہ نہ انکار میکنم ونہ ایں کار میکنم۔ خلاصہ یہ کہ طرق ذکر کے مختلف ہیں۔ ایک بالحجاب ایک بغیر الحجاب اور لطائف سے طریقہ وصول الی اللہ بالحجاب ہے۔ پس جب بے حجاب کام نکلے تو حجاب کی کیا ضرورت، اسی وجہ سے لطائف کا طریق ہمارے یہاں معمول نہیں۔ ان حجابات ووسائط کی کیا حاجت، میں تو سب کو اسم ذات بتاتا ہوں۔ آج تک کسی کو تصور شیخ یا شغل لطائف ودیگر اقسام کے اذکار واشغال باستثناء بعض فی بعض الاحوال نہیں بتائے اور الحمدللہ اسی سے سب کو مقصود حاصل ہوا۔ گو کبھی تغیّر احوال سے کمی زیادتی یا ترک کرنا پڑا لیکن اور حجابات سے کام نہیں لیا۔"[2]

دوائر:۔

مولانا تھانویؒ کے مجموعہ رسائل 'بوادر النوادر' میں 'رسالہ البصائر فی الدوائر' کے نام سے مندرج ہے جو پانچ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوائر کی اصطلاح سلسلہ نقشبندیہ خاص طور پر مجددیہ کی ہے۔ مولانا تھانویؒ نے اس رسالہ میں ان دوائر کے حوالے سے ان کی وجہ تسمیہ، مراقبہ ذات کے اعتبار سے ان دوائر کی اقسام اور ذات کی مختلف حیثیات کے مراقبہ کے لحاظ سے ان کی اقسام ذکر کی ہیں۔ اس طرح ان صوفیانہ دوائر کے بارے میں اعتقاد اور ان پر عمل کے حوالے سے اس رسالہ کے آخر میں ایک جامع نصیحت بھی کی ہے۔

ذیل میں اس رسالہ "البصائر فی الدوائر" کا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے۔

دوائر کی وجہ تسمیہ:۔

ان کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مولانا تھانویؒ نے تین مختلف آراء ذکر کی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

1. اہلِ کشف کو ان مراقبات میں جن حقائق کا انکشاف ہوتا ہے اُن کی صورِ مثالیہ اکثر بشکل دائرہ منکشف ہوتی ہیں چنانچہ اہلِ ریاضت سے منقول ہے۔

---

[1] بوادر النوادر، 589

[2] بصائر حکیم الامت، ص: 478

toobaafoundation.com

2. ان مراقبات میں جو حرکت فکریہ ہوتی ہے وہ بوجہ اس کے کہ زمانہ فکر تک اُس کی مسافت ایک ہی رہتی ہے اور زمانہ ممتد ہوتا ہے مشابہ حرکت وضعیہ منشئۃ للدوائر کے ہوتی ہے جس کا حیز نہیں بدلتا اور زمانہ بدلتا رہتا ہے۔
3. بعض نے یہ لکھا ہے کہ ان حقائق کو بشکل دائرہ کے فرض کر کے یہ تصور کرے کہ میں اس دائرہ میں داخل ہو گیا ہوں۔[1]

سالک کے مراقبہ "عالم کے عدم اصلی" ہونے کے اعتبار سے دوائر کی اقسام:۔

1۔دائرہ امکان:۔

"بس کبھی سالک کو عالم کے عدم اصلی کا مراقبہ بتلایا جاتا ہے جو مراقبہ حدیث کہلاتا ہے یعنی گویا ہستی حق کے سامنے تمام عالم اب بھی معدوم ہے اس سے سالک پر اضمحلال وفناء کا غلبہ ہوتا ہے اور یہ دائرہ امکان کہلاتا ہے۔"[2]

2۔سیر دائرہ ولایت صغریٰ:۔

"اور کبھی اسماء وصفات کا مراقبہ جن کا ظہور بواسطہ ظلال کے ہوا ہے جو مراقبہ معیت کہلاتا ہے مثلاً حق تعالیٰ کی صفت رزاقیت عامہ کو سوچے کہ دوست دشمن سب کو رزق دیتا ہے ،صفت رحمانیت کو سوچے کہ بندوں پر کیسی کیسی رحمتیں فرماتا ہے ،صفت ہادی کو سوچے کہ بندوں کی ہدایت کا کیا کیا سامان کیا ہے اور اس طرح سوچے کہ ان افعال کے مظاہر پر نظر نہ ہو صرف ظاہر پر نظر ہو جیسے توحید افعالی میں ہوتا ہے اس مراقبہ سے توجہ و حضور کا غایہ ہو گا اور تخلق باخلاق آلہیہ میں رسوخ ہو گا،اس مراقبہ کو سیر دائرہ ولایت صغریٰ کہتے ہیں۔"[3]

3۔دائرہ ولایتِ کبریٰ:۔

اور عام ممکنات کے لیے یہی ظلال مبادی تعینات ہیں یعنی عام ممکنات پر اسماء وصفات کا فیض ان ہی ظلال کے واسطہ سے ہوتا ہے اور ان ممکنات میں حضرات انبیاء وملائکہ علیہم السلام کو ایک خاص امتیاز ہے کہ خود اسماء وصفات براہ راست ان

---

[1] بوادر النوادر، ص: 594
[2] ایضاً
[3] ایضاً

toobaafoundation.com

کے لیے مبادی تعینات ہیں یعنی ان کو اسماء وصفات کا فیض بلا واسطہ کے پہنچتا ہے پس اسماء وصفات کا مراقبہ خصوص الظاہر کا اس حیثیت سے کہ وہ تعینات ہیں انبیاء علیہم السلام کے لیے دائرہ ولایت کبریٰ ہے۔"[1]

4۔دائرہ ولایت علیا:۔

"اور اسماء وصفات کا مراقبہ خصوص الباطن کا اس حیثیت سے کہ وہ مبادی تعینات ہیں ملائکہ علیہم السلام کے لیے دائرہ ولایت علیا ہے۔"[2]

5۔دائرہ سیف قاطع:۔

"ان مراقبات سے حضرات انبیاء وملائکہ علیہم السلام کے ساتھ خاص مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور عمل بالاحکام مثل طبعیات کے ہو جاتا ہے اور خلق کو ارشاد اور ان پر شفقت کی رغبت ہوتی ہے اور دائرہ ولایت کبریٰ میں چونکہ نفس کو فنائے اتم حاصل ہوتا ہے۔اس لیے اس کو سیف قاطع بھی کہتے ہیں۔"[3]

مراقبہ ذات کے اعتبار سے دوائر کی اقسام:۔

"1۔دائرہ کمالاتِ نبوت:۔

پھر جس طرح اسماء وصفات کا مراقبہ کیا جاتا ہے اسی طرح ذات کا بھی مختلف حیثیات سے کیا جاتا ہے مثلاً اس حیثیت سے کیا جاتا ہے کہ وہ منشاء ہے کمالاتِ نبوت کا اس کو دائرہ کمالاتِ نبوت کہتے ہیں۔

2۔دائرہ کمالاتِ رسالت:۔

اور اس حیثیت سے کہ وہ منشاء ہے کمالاتِ رسالت کا اُس کو دائرہ کمالاتِ رسالت کہتے ہیں۔

3۔دائرہ کمالاتِ اولوالعزم:۔

پھر اس خصوصیت کے ساتھ کہ وہ منشاء ہے کمالاتِ اولوالعزم کا اُس کو دائرہ کمالاتِ اولوالعزم کہتے ہیں۔

---

[1] بوادر النوادر، ص: 595

[2] ایضاً ص:595

[3] ایضاً، ص: 595

toobaafoundation.com

4۔ دائرہ حقیقتِ کعبہ:۔

اور مراقبہ ذات کا اس حیثیت سے وہ مسجود خلائق ہے دائرہ حقیقتِ کعبہ کہلاتا ہے۔

5۔ دائرہ حقیقتِ قرآن:۔

اور اس حیثیت سے کہ ذات میں وسعت بے کیف ہے دائرہ حقیقتِ قرآن کہلاتا ہے۔

6۔ دائرہ حقیقتِ صلاۃ:۔

پس قرآن مظہر ہے حقیقت واسع کا اور اسی وجہ سے اُس کے فیوض وبرکات میں ایک خاص وسعت ہے اور اس حیثیت سے۔۔۔ کہ ذات جامع ہے ان دونوں مذکورہ جہتوں کو یعنی مسجودیت ووسعت کو دائرہ حقیقتِ صلاۃ کہتے ہیں۔ جیسے صلاۃ جامع ہے سجدہ وقراءت کو اور اخیر کی ان تینوں کو سیر حقائق الٰہیہ کہتے ہیں اور یہ تینوں حقائق باعتبار صفات ثبوتیہ کے ہیں۔

7۔ دائرہ حقیقتِ صوم:۔

اور ایک حقیقتِ الٰہیہ اور بھی ہے یعنی ذات کا مراقبہ باعتبار صمدیت یعنی تنزیہ عن النقائص کے اس کو دائرہ حقیقتِ صوم کہتے ہیں۔" [1]

مولانا تھانویؒ کے نزدیک ان صوفیانہ دوائر کے بارے میں اعتقاد:۔

"مولانا تھانویؒ کے نزدیک ان دوائر کا اصل مقصد ان کا تعلق وتخلق یعنی ذکر وفکر وتوسل وتبتل یعنی الی اللہ وعما سوی اللہ وتحلی بالفضائل وتخلی عن الرذائل ہے اور ان سب کا مامور بہ ہونا شریعت میں وارد ہے مگر بدرجہ اجمال وابہام یعنی ان تفصیلات کے اعتبار سے وہ نصوص مجمل ومبہم ہیں باقی خاص تفصیلات اور اُن تفصیلات کے مبانی یعنی ظواہر اور مظاہر کی تعیین اور کیفیت ظہور کی تبیین، ظاہر ہے کہ نہ تو شریعت میں منقول ہیں اور بعض کا کلام جو ان کے استناد الی النص کا موہم ہے اہلِ علم جانتے ہیں کہ وہ دلالات غیر مقبول ہیں۔ اور نہ وہ دلائلِ عقلیہ کے مدلول ہیں صرف مکشوف ومشہود ہیں جس کے حجت نہ ہونے پر دلائل شرعیہ موجود ہیں اس حالت میں ان تفصیلات کا یا اُن کی مبانی اعتقاد جازم رکھنا یا اس کے مقتضا پر عمل کو لازم سمجھنا یا اُن کو مقصود بالذات یا مقصود کے لیے شرط سمجھنا جیسا اس وقت بعض میں مشاہد ہے، یقیناً غلو فی الدین ہے۔

[1] بوادر النوادر، ص: 595

toobaafoundation.com

اور بعض محققین نے جو ان تفصیلات کو حجب کہا ہے اُس کا محمل یہی غلو کا درجہ ہے اس لیے ان تفاصیل کے متعلق اعتقاد تو یہ رکھنا چاہیے کہ کشف اگر شرع سے مصادم نہ ہو تو اُس میں دونوں امر محتمل ہیں صحت بھی غلط بھی، خواہ اپنا کشف ہو خواہ اپنے اکابر کا۔ خصوص جب کہ وہ محتاجِ تعبیر بھی ہو اور تعبیر کی بناء محض ظن و تخمین ہو۔۔۔ پھر خصوص در خصوص جب کہ وہ کشف خود اہلِ کشف میں بھی مختلف فیہ ہو پھر خصوص در خصوص جب کہ وہ کشف ذات وصفات سے متعلق ہو جس میں ظنیات سے حکم کرنا یا بلاضرورت خوض کرنا محل خطر و محتمل معصیت وضرر ور نصوص سے ممنوع اور محققین علماء مشائخ کے فتوے سے بھی غیر مشروع ہے۔ اور جن حضرات سے کچھ کلام منقول ہے وہ خاص اقتضاءات صحیحہ سے ہے اور حدود کے اندر ہے اس لیے اُن پر نکیر بھی نہ کیا جاوے۔" [1]

دوائر پر عمل کے حوالے سے مولانا تھانویؒ کی نصیحت:۔

ان دوائر پر عمل کے حوالے سے مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں:

"عمل یہ رکھنا چاہیے کہ اگر یہ شخص مرید ہے تو اپنی رائے سے اس تفصیل کے ساتھ یہ مراقبات نہ کرے، اور اگر شیخ محقق حکم دے تو جو تفصیل خلافِ شرع نہ ہو اُس کو درجہ تصور و تخیل تک عمل میں لاوے مگر تصدیقی حکم نہ کرے۔ اور اگر شیخ ہے تو وہ عامی کو ان چیزوں کی تعلیم نہ کرے خصوص اُن اشغال و مراقبات کی تعلیم جو مظنہ کشف ہوں اور ذی علم خوش فہم کو بھی بلاضرورت تعلیم نہ کرے کیونکہ مقصود اس پر موقوف نہیں اور بعض اوقات خواص کو بھی غلطی ہو جاتی ہے اور اگر ضرورت سے تعلیم کرے یعنی اُس کی خصوصیت استعداد پر نظر کرکے دوسرا طریق اُس کے لیے ایسا نافع نہ ہو تو بہت نگرانی رکھے اور تعبیر مکشوف کے وقت تصریحاً اُس کی ظنیت کو بیان کر دیا کرے تا کہ حدود سے متجاوز نہ ہو جاوے۔" [2]

خلاصہ بحث:۔

صوفیاء کے ہاں بعض مسائل کشفیہ وکلامیہ ہیں، ان میں سر فہرست "وحدۃ الوجود" اور "وحدۃ الشہود" ہیں۔ مولانا تھانویؒ نے ان مسائل کی تحقیق کے لیے ایک مدلل رسالہ "ظہور العدم بنور القدم" کے نام سے لکھا ہے۔ جو آپ کے مجموعہ رسائل "بوادر النوادر" میں شامل ہے۔ وحدۃ الوجود کا معنی ہے "وجود کا ایک ہونا" یعنی گو دوسرا ہے سہی مگر ایسا ہی ہے جیسا نہیں ہے۔ مولانا تھانویؒ نے ان مسائل کو عام فہم بنانے کے لیے مختلف مثالیں دی ہیں۔ مثلاً جگنو دن کو بھی موجود ہوتا ہے لیکن وہ

---

[1] بوادر النوادر، ص: 597

[2] ایضاً، ص: 597

toobaafoundation.com

سورج کے سامنے نظر نہیں آتا۔اسی طرح ابن منصور بن حسین نے اپنے کو مٹانے کے لیے "انا الحق" کہا تھا۔اس لیے وہ مقبول ہوا۔

مولانا تھانویؒ کے نزدیک ان مسائل کا تعلق احوال سے ہے اقوال سے نہیں۔مولانا تھانویؒ کے ہاں ان مسائل میں بلا ضرورت گفتگو کرنا سخت محل خطر وخلاف مسلک صالحین ہے۔یہ مسائل ظنی ہیں یقینی نہیں ہیں۔اس مسئلہ کے قائلین وعدم قائلین دونوں اس مسئلہ کو مبہم رکھنے کے قائل ہیں۔مولانا تھانویؒ کے لطائف ستہ اور دوائر کے بارے میں بھی اپنے متعلقین کو حکم دیا ہے کہ ان کی طرف توجہ نہ کریں۔اس لیے کہ یہ تصوف میں مقصود بالذات نہیں ہیں۔

toobaafoundation.com

باب پنجم

تصوف کی عملی تنفیذ اور عصر حاضر میں خانقاہی نظام کی اصلاح

toobaafoundation.com

فصل اول

خانقاہ کا قیام اور نظام معمولات میں تجدیدی تبدیلی

فصل دوم

انفرادی و معاشرتی معاملات کی تصحیح (خانقاہی تصوف میں اصلاح و تجدید کا عظیم پہلو)

فصل سوم

مولانا اشرف علی تھانویؒ کے تجدیدی اصول اور عصر حاضر میں ان کے اطلاقات

---فوائد و ثمرات

toobaafoundation.com

فصل اول

خانقاہ کا قیام اور نظام معمولات میں تجدیدی تبدیلی

toobaafoundation.com

فصل اول

خانقاہ کا قیام اور نظام معمولات میں تجدیدی تبدیلی

دینِ اسلام میں "مسجد" وہ مقدس مقام ہے جس کو اللہ کی عبادت کے لیے مختص ومقرر کیا گیا ہے۔اسلامی تاریخ میں ہمیشہ سے مسجد کو مرکز کا درجہ حاصل رہا ہے۔اور صوفیاء کے نزدیک بھی "مسجد" کا جو مقام ومرتبہ اور تقدس ہے وہ "خانقاہ" کا بالکل نہیں ہے،صوفیاء نے ضرورت کے پیش نظر (تاکہ سالکین کو چند دن شیخ کی صحبت میں رکھ کر ان کو دین اسلام کی عملی تربیت دی جائے،اور یہ عملی تربیت سالکین کی آئندہ عملی زندگی میں ممد ومعاون بن جائے)خانقاہ کا آغاز کیا۔خانقاہ کی ابتداء چوتھی صدی ہجری سے ہوئی اور اب تک خانقاہ میں سالکین کی تربیت کا کام جاری ہے۔

خانقاہ کا مفہوم:۔

"خانقاہ" دو الفاظ "خان" اور "قاہ" کا مرکب ہے۔لفظ "خان" بمعنی بزرگ اور "قاہ" بظاہر فارسی لفظ "گاہ" سے معرب ہے۔جس کے معنی خانے اور حجرے ہیں۔خانقاہ کو عربی میں "رباط" کہتے ہیں جس کے معنی ہیں:بند باندھنے کی چیز،رسی،دل،روح،گھوڑے،قلعہ یا ایسا مکان جس میں فوج رکھی جائے۔"[1]

لفظ "خانقاہ" کی اصل:۔

مولانا تھانویؒ کی رائے میں بھی "قاہ" اصل میں "گاہ" تھا۔گاہ بعد میں عربی میں معرب ہونے کی وجہ سے بنا ہے۔"فرمایا کہ ایک خط آیا ہے پتہ پر لکھا ہے۔خانگاہ امدادیہ ،مگر صحیح اور اصل لفظ یہی ہے۔خانقاہ اس کا معرب ہے۔خانگاہ جہاں پر بہت سے خانے اور حجرے بنے ہوں۔"[2]

خانقاہ کے قیام کے دلائل:۔

اگرچہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ صوفیاء نے خانقاہوں کے اندر اپنے مریدین اور متعلقین کی اصلاحی تربیت کر کے ان کو عملی زندگی میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے مختلف اطراف میں بھیجا۔جس کے نتیجے میں ان خانقاہوں کے ان تربیت یافتہ لوگوں نے دعوت وتبلیغ اور عملی تربیت کے ذریعے اسلامی نقطہ نظر سے لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا

---

[1] المعجم الاعظم،2/1056بحوالہ اسلام اور خانقاہی نظام،ص:46

[2] الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ،3/87

toobaafoundation.com

کیا۔ مولانا تھانویؒ کا شمار بھی ان صوفیاء میں ہوتا ہے جن کے مسترشدین اور تربیت یافتہ لوگوں نے امت مسلمہ کی اصلاح اور ان کی تربیت میں دنیا کے کونے کونے میں اپنا کردار ادا کیا۔

لیکن اس کے باوجود بعض لوگ "خانقاہ" کے وجود کو اور اس کی اہمیت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور اس خانقاہی نظام کو بدعت اور مسجد کے مقابلے میں ایک نئی عبادت گاہ کا نام دیتے ہیں۔ مولانا تھانویؒ نے جس طرح دیگر مسائل تصوف کی تائید ونصرت کے لیے قرآن وحدیث سے استنباط کیا ہے اسی طرح خانقاہی نظام کی اہمیت وقیام کا استدلال، نصوص سے کیا ہے۔ ذیل میں اس حوالے سے مولانا تھانویؒ کے دلائل کا ذکر کیا جاتا ہے۔

خانقاہ کے قیام کی دلیل قرآن سے:۔

ارشاد ربانی ہے کہ:

"فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیہا اسمہ"[1]

وہ ایسے گھروں میں ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے۔

مولانا تھانویؒ اس آیت سے خانقاہ کے قیام اور اس کے ادب کے بارے میں لکھتے ہیں:

"بقول ابو حیان بیوت عام ہے مساجد اور مدارس اور خانقاہوں کو اور رفع سے مراد ان کی تعظیم قدر۔ پس اس بناء پر اس میں خانقاہوں کی فضیلت ہے جو ذکر کے لیے موضوع ہیں اور ان کی تعظیم قدر یہ ہے کہ جس غرض کے لیے وہ موضوع ہیں وہ عمل میں لائی جائے۔"[2]

خانقاہ کے قیام کی حدیث سے دلیل:۔

"عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال: ما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ تعالیٰ یتلون کتاب اللہ ویتدارسونہ بینھم الا نزلت علیھم السکینۃ وغشیتھم الرحمۃ، وحفتھم الملائکۃ، وذکرھم اللہ فیمن عندہ۔"[3]

---

[1] النور36:24

[2] مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، ص:376

[3] سنن ابی داوٗد، کتاب الصلوٰۃ، باب ثواب قراءۃ القرآن، رقم:1455

toobaafoundation.com

مولانا تھانویؒ نے اس حدیث سے خانقاہ کے قیام کی دلیل اس طرح لی ہے کہ:

"حضرات صحابہ وتابعینؒ بوجہ قوت قلب وقرب عہد فیض مہد تحصیل ملکہ ذکر میں محتاج خلوت مکانی کے نہ تھے، بعد میں تفاوت احوال وطبائع کے سبب عادۃً اس ملکہ کی تحصیل موقوف ہوگئی، خلوت مکانی وبعد عن عامۃ الخلق پر اس وقت حضرات مشائخ میں خانقاہیں بنانے کی رسم بمصلحت محمودہ ظاہر ہوئی ہر چند کہ اس حدیث میں بناء علی المشہور بیوت اللہ کی تفسیر مساجد کے ساتھ کی گئی ہے، لیکن اطلاق لغۃً اور اشتراک علت کی بنا پر خانقاہوں کو بھی اس کے عموم میں داخل کرنا مستبعد نہیں، پس اس حیثیت سے یہ حدیث اس رسم کا ماخذ ہوسکتی ہے۔"[1]

خانقاہ کے قیام کی عقلی دلیل:۔

خانقاہ کے قیام کی عقلی دلیل یہ ہوسکتی ہے:

"اگر دنیا میں طب جسمانی کی تعلیم نہ ہو اور نہ کوئی اس کی درسگاہ ہو تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ دنیا جسمانی بیماریوں سے پر ہو جائے گی اور کوئی طبیب اور معالج نہیں ملے گا۔ اسی طرح اگر طب روحانی کی کوئی درسگاہ نہ ہو تو دنیا روحانی مریضوں یعنی کفر، الحاد اور معصیت والے لوگوں سے بھر جائے گی۔ خانقاہیں ان ہی روحانی امراض کے شفاخانے ہیں۔ ان شفاخانوں سے دوائے دل ملتی ہے، دل کی بیماریوں کا علاج ہی تمام پریشانیوں کا حل ہے۔"[2]

اسلامی تاریخ میں خانقاہی نظام کا آغاز وارتقاء:۔

جب ہم اس حوالے سے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ سب سے پہلی خانقاہ ملک شام میں چوتھی صدی ہجری میں "رملہ" کے مقام پر بنائی گئی۔ جیسا کہ عبدالرحمن جامیؒ اس حوالے سے فرماتے ہیں:

"اول خانقاہی کہ برائے صوفیان بنا کردند آنست کہ بر ملہ شام کردن۔"[3]

ترجمہ: پہلی خانقاہ جو صوفیوں کے لیے بنی وہ شام میں رملہ کے مقام پر بنائی گئی۔

---

[1] التکشف عن مہمات التصوف، ص:463-464

[2] نقشبندی، ذوالفقار احمد، مولانا، تصوف وسلوک، مکتبہ الفقیر، فیصل آباد، 2013ء، ص:137

[3] نفحات الانس، ص:22

toobaafoundation.com

"بعض کے نزدیک خواجہ حبیب عجمی نے سب سے پہلی خانقاہ بصرہ میں اپنے رہنے اور عبادت کے لیے بنوائی ہے۔"[1] "پھر یہ سلسلہ چلتا رہا حتیٰ کہ سلجوقیوں کے عہد حکومت میں نظام الملک طوسی (459ھ) میں رباطات (خانقاہوں) کا عام رواج ہوا۔ قاہرہ کا باب السعید بھی خانقاہ کے نام سے مشہور تھا۔"[2] "ہندوستان میں غوری خاندان کے بعد خانقاہی نظام کو عروج ملا اور وسیع پیمانے پر خانقاہی سلسلوں کا آغاز ہوا۔ دو نئے روحانی سلسلوں چشتیہ اور سہروردیہ کی بنیاد وسطی ایشیا سے آنے والے بزرگوں نے رکھی، جس سے جلد ہی خانقاہوں کا ایک وسیع سلسلہ قائم ہو گیا۔"[3]

خانقاہ امدادیہ (تھانہ بھون) کا تعارف:۔

یہ وہ خانقاہ ہے جو مختلف بزرگوں کی آماجگاہ رہی ہے۔ اس میں مولانا تھانویؒ کے شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ بھی قیام پذیر رہے اور بعد میں مولانا تھانویؒ بھی اپنے شیخ کے حکم اور تجویز سے اسی خانقاہ میں قیام پذیر ہو گئے اور پوری زندگی لوگوں کی اصلاح کا کام سرانجام دیتے رہے۔

مولانا عبد الماجد دریابادی اس خانقاہ کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں:

""امدادیہ" کو یہاں کوئی صاحب انگریزی لفظ "کوآپریٹو" (Co-operative) کا ترجمہ نہ سمجھ لیں، (جیسا کہ آگرہ کے ایک مشہور شاعر چند سال ہوئے یہی سمجھے تھے) حکیم الامت کے مرشد حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کا وطن بھی یہی قصبہ تھا، یہیں ان کا حجرہ اور مسکن تھا، حجرہ اب تک اسی حالت پر قائم ہے، اور صحن مسجد، عمارت اور خانقاہ میں بہت زیادہ اضافہ کر کے، مجموعہ کا نام ہی ان ہی کے اسم مبارک پر خانقاہ امدادیہ رکھ دیا گیا ہے۔"[4]

خانقاہ امدادیہ کا نظام معمولات:۔

مولانا عبد الماجد دریابادی 30 جون 1928ء کو مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا عبد الباری ندویؒ کے ہمراہ اپنی زندگی میں پہلی دفعہ مولانا تھانویؒ کو ملنے تھانہ بھون گئے تھے۔ مولانا دریابادیؒ اپنی ملاقات اور مولانا تھانویؒ کے اس خانقاہ میں نظام معمولات کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

[1] مجموعۃ الفتاویٰ، 2/459

[2] تاریخ تصوف، ص:318

[3] اسلام اور خانقاہی نظام، ص:52

[4] حکیم الامت نقوش و تاثرات، ص:17

toobaafoundation.com

"خانقاہ میں طالبین وسالکین کا ایک گروہ ذکر و شغل میں مشغول ہمیشہ موجود رہا کرتا، حکیم الامتؒ کا معمول یہ تھا کہ بعد نماز فجر سب سے پہلے ان ہی کے کام کی طرف متوجہ ہوتے، یہ لوگ اپنے حالات باطنی لکھ لکھ کر سہ دری میں لگے ہوئے لیٹر بکس (صندوق خطوط) میں ڈال دیتے، بعد فجر حضرت خود اپنے ہاتھ سے اسے کھولتے، ایک ایک پرچہ کو پڑھ کر ہر ایک کے مناسب حال، اسی پر جواب اور ہدایتیں لکھ کر پرچوں کو مسجد کے منبر پر رکھا دیتے، اس سے فارغ ہو ہوا، کلام مجید کی تلاوت کرتے، اکثر چھوٹی حمائل ہاتھ میں لیے سیر وہواخوری کے لیے آبادی سے باہر نکل جاتے، آج یہ معمول کچھ دیر کے لیے ملتوی رہا، حضرت ہم لوگوں کی خاطر میں لگے رہے، چائے منگائی گئی، حالانکہ حضرت خود چائے نہیں پیتے تھے، پُر شفقت مکالمت کا سلسلہ کوئی پون گھنٹہ جاری رہا، حضرت کے بدنام کرنے والوں نے مشہور کر رکھا ہے (اور اس بدنامی کی ذمہ داری سے خود حضرت کے مریدین اور خلفاء بھی بری نہیں) کہ آپ بڑے خشک مزاج اور تُند خو تھے، اس جھوٹ میں صرف سچ اتنا ہے کہ مریدوں، طالبوں، متوسلوں پر، ان ہی کی فلاح واصلاح کے خاطر آپ قاعدوں کے نفاذ میں، ضابطوں کی پابندی میں یقیناً سخت تھے، لیکن خود ان قاعدوں اور ضابطوں کے بنانے میں ہر گز سخت نہ تھے، بلکہ وہ قاعدے، ضابطے تو ہوتے ہی ہر فریق کی راحت وسہولت کے لیے تھے، اور عام مہمانوں، دوستوں، ملنے جلنے والوں کے حق میں تو آپ خلق مجسم تھے، خشونت وتنگی کا شائبہ تک نہ تھا، ان کی راحت وسہولت کے ایسے ایسے جزئیات تک کی رعایت رکھتے، جہاں تک خود ان مہمانوں کی نظر بھی نہ پہنچ سکتی، اسی خصلت عام کا ظہور اس وقت ہم لوگوں کے ساتھ ہو رہا تھا، مہمانوں کی خاطر داری اور ضیافت بھی تو اسی طرح ایک عبادت ہے، جس طرح مریدوں، سالکوں کی تربیت، یا قرآن مجید کی تلاوت، روز کا معمول وہ رہتا تھا، آج کا معمول یہ ہو گیا، جنت کی راہ نہ جب چھوٹی نہ اب۔"[1]

مولانا عبد الماجد دریابادیؒ مزید اس خانقاہ کا نقشہ ان الفاظ میں یوں کھینچتے ہیں:

"بیٹھنے بیٹھانے سب کے آداب قاعدے، حضرت کی مجلس میں مقرر تھے، ہر چیز میں ترتیب اور ڈھنگ، ہر بات میں نظم اور آہنگ، یہ تو مجلس خاص اور خصوصی تھی، بعد ظہر مجلس عام میں بھی قاعدہ یہ تھا کہ حضرت کے داہنے ہاتھ پر سہ دری میں جو وسیع جگہ پڑی ہوئی تھی وہ عام طالبین ووار دین کے لیے تھی، ہر شخص جہاں جگہ پائے بیٹھ جائے، کسی دوسرے کو نہ اٹھائے، نہ کھسکائے، بائیں طرف جگہ نسبتاً تنگ تھی، کوئی سات آٹھ شخصوں کے بیٹھنے بھر کی، ادھر مخصوصین بیٹھائے جاتے تھے، دوچار شخص سامنے بھی بیٹھ سکتے تھے۔"[2]

---

[1] حکیم الامت نقوش وتاثرات، ص:22-23

[2] ایضاً، ص:25

toobaafoundation.com

تربیت کے چند اصول:۔

طالبین طریق جو سلسلہ میں داخل ہونا اور بیعت ہونا چاہتے تھے ان کے متعلق مولانا تھانویؒ نے اپنے اصول وضوابط کی اس طرح وضاحت فرمائی ہے۔ فرمایا کہ:

"جو شخص مجھ سے بیعت کی درخواست کرتا ہے اول تو میں اس کو دین کے ضروری مسائل کا علم حاصل کرنے کے لیے چند کتابیں پڑھنے کے لیے کہتا ہوں مثلاً قصد السبیل بہشتی زیور اور مواعظ وملفوظات کو تاکیداً مطالعہ کے لیے کہتا ہوں اور اس سے بہت نفع ہوتا ہے اور اس سے طالب کو بیعت کی غایت معلوم ہو جاتی ہے، اگر کوئی شخص یہ لکھتا ہے کہ ہم نے کتابیں پڑھی ہیں تو میں لکھتا ہوں کہ پڑھ کر اپنی حالت میں کیا تغیّر پیدا کیا۔ اس طریقے سے وہ نفع ہوتا ہے جو برسوں کے مجاہدے سے بھی نہیں ہوتا۔ میں تو اول ہی روز سے کام میں لگا دیتا ہوں مگر لوگ قدر نہیں کرتے اصل چیز فکر ہے جب آدمی فکر میں پڑتا ہے تو راستہ تلاش کرتا ہے۔ بس میں اول ہی گفتگو یا خط وکتابت میں طالب کے سر پر بوجھ رکھ دیتا ہوں جس کی وجہ سے اسے فکر پیدا ہو جاتی ہے۔ اس فکر کی وجہ سے راستہ خود بخود منکشف ہونے لگتا ہے۔

فرمایا طالب علموں کو وصیّت کرتا ہوں کہ درس وتدریس پر مغرور نہ ہوں۔ اس کا کارآمد ہونا موقوف ہے اہل اللہ کی خدمت، صحبت اور نظر عنایت پر اس کا التزام نہایت اہتمام سے رکھیں۔"[1]

خانقاہ کے قواعد وضوابط کا سبب:۔

مولانا تھانویؒ نے خانقاہ کے اصول وضوابط متعین کرنے کی وجہ ایک ملفوظ میں اس طرح بیان کی ہے:

"ایک صاحب کی غلطی پر متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ میرے یہاں جو قواعد وضوابط ہیں یہ گھڑے ہوئے نہیں ہیں جوں جوں تجربات ہوتے گئے ان میں اضافہ ہوتا رہا، مثلاً ایک یہی معمول ہے کہ یہاں نئے آنے والوں کے لیے یہ قید ہے کہ وہ مجلس میں خاموش بیٹھے رہیں اور زمانہ قیام میں مکاتبت مخاطبت قطعاً نہ کریں اس کی بھی ضرورت پیش آئی یہ سب اپنے اور دوسروں کی راحت رسانی کی تدابیر ہیں اس پر بھی تم جیسے عقلمند ستانے سے باز نہیں آتے یہ تو اتنے قواعد اور ضوابط پر حالت ہے اور بدوں اس کے تو زندگی ہی دشوار کر دیتے اگر ان سب قواعد اور ضوابط کی ضرورتیں بیان کروں تو اچھا خاصا ایک رسالہ تیار ہو جائے۔"[2]

---

[1] بصائر حکیم الامت، ص:64

[2] الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ، 4/72

toobaafoundation.com

مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کا خط اور مولانا تھانویؒ کا جواب:۔

مولانا دریابادیؒ نے جب مولانا تھانویؒ سے بذریعہ خط ملاقات وحاضری کی درخواست کی تو مولانا تھانویؒ نے پہلے خط میں ہی یہ سوال کیا کہ آپ یہاں آکر خاموش رہیں گے یا بولیں گے ؟

خط کا مضمون:خط کا مضمون قدرے طویل ہے۔لیکن خط کے آخر میں دریابادیؒ نے مولانا تھانویؒ سے ان دو امور کی درخوست کی:

i. موجودہ بزرگوں میں سے کس کا انتخاب بیعت یا صحبت کے لیے کروں؟

ii. اپنی اصلاح قلب کے لیے خود جناب والا سے بھی مراسلت اور تھانہ بھون میں حاضری کی اجازت چاہتا ہوں۔"[1]

مولانا تھانویؒ کا جواب:

"از اشرف علی السلام علیکم!

آپ کی راستی وسادگی سے جی خوش ہوا،اللہ تعالیٰ آپ کو حقائق امور تک پہنچائے،ہر جزو کا مفصل جواب غیر ضروری ہے،بعد انتخاب مہمات کا جواب عرض کرتا ہوں۔

(۱)بیعت کا معیار آپ نے تجویز کیا ہے؟اس کی تنقیح اول ضروری ہے،تاکہ اسی معیار پر مصلح کا انتخاب ہو سکے۔

(۲)تھانہ بھون کا ارادہ کس خیال سے ہے،ضرورت تحقیق کی یہ ہے کہ میں دیکھ سکوں کہ آپ کا وہ مقصود یہاں آنے سے حاصل ہو سکتا ہے یا نہیں،نیز اس کا ظاہر فرمانا بھی ضروری ہے کہ آپ یہاں تشریف لاکر خاموش رہیں گے یا کچھ بولیں گے بھی۔

(۳)امراض قلبی کا علاج،ترتیب میں تجویز شیخ سے موخر ہے۔ والسلام از تھانہ بھون۔"[2]

مخالفین کا بھی خانقاہ امدادیہ کی تعریف کرنا:۔

"فرمایا کہ بعضے بدعتی اپنے مجمع میں اقرار کرتے ہیں کہ یہ تو اللہ کو معلوم ہے کہ نفع کہاں ہوتا ہے اور کہاں نہیں۔مگر تسلی جس چیز کا نام ہے وہ خانقاہ امدادیہ ہی میں ہوتی ہے اور کہیں نہیں ہوتی۔بعضے بہت پکے مخالف ہیں جن شخصوں نے یہ بات کہی ہے

---

[1] حکیم الامت نقوش وتاثرات،ص:9

[2] ایضاً،ص:11

toobaafoundation.com

سب اللہ کا فضل ہے، احسان ہے۔"[1]

ہدیہ دینے کی بھی شرائط ہیں:۔

بعض لوگوں نے "تصوف" کا لبادہ ہی اسی لیے اوڑھا ہوا ہے کہ ان کا کاروبار چمکے، اور انہیں نذرانے وہدایا موصول ہوتے رہیں، چاہے ان کے متعلقین کو دین کا کوئی فائدہ حاصل ہو یا نہ ہو۔ لیکن مولانا تھانویؒ کے ہاں ہدیہ لینے، دینے کے بھی اصول وضوابط تھے:

"فرمایا کہ میں کہا کرتا ہوں کہ نماز میں شرائط ہیں، روزے میں شرائط ہیں، زکوٰۃ میں شرائط ہیں، حج میں شرائط ہیں، مگر ہدیہ میں بالکل شرائط نہ ہوں وہ علی الاطلاق جائز ہو، یہ کیونکہ ہو سکتا ہے اس کے بھی تو کچھ شرائط ہونے چاہئیں سو حدیثوں میں اس کے شرائط مذکور ہیں مگر اب تو سب آداب اور شرائط کی جگہ صرف ایک یہ رہ گیا ہے کہ چمکتا ہوا روپیہ ہو ۔کیونکہ ہدیہ میں اکثر عادت بھی روپیہ چھانٹ کر دینے کی ہے۔ اسی طرح میں کھانے کے متعلق کہا کرتا ہوں کہ آج کل کھانا حلال ہونے کے لیے بس یہ شرط رہ گئی ہے کہ اس میں گھی اچھا ہو مصالح خوب ہوں بس وہ حلال ہے، اگر یہ نہیں حرام ہے۔"[2]

سالکین کو اپنے حالات کا جائزہ لینے کی ہدایت:۔

موجودہ دور میں متصوفین اور ان سے متعلقہ لوگوں کا المیہ یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ مولانا تھانویؒ کی خانقاہی نظام میں ایک تجدیدی خدمت یہ ہے کہ انہوں نے لوگوں کو دین اسلام کی اصل روح سے متعارف کروایا ہے:

"طالبِ طریق سے فرماتے تھے کہ اپنی تمام روز مرہ کی زندگی کا جائزہ لیتا رہے اور محرکات نفس پر نظر رکھے اور اس کا اندازہ کرے کہ تعلق مع اللہ میں اس کے حسنات اور رذائل کس طرح کام کرتے ہیں۔ دین اور امور شریعت اور اتباع سنت میں کس طرح عملی دشواری محسوس ہوتی ہے اور کس طرح کے اوہام وشکوک پیدا ہوتے ہیں تاکہ ان کے تدارک کی فکر اور اصلاح کا تقاضا ہو۔

---

[1] الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ، 4/111

[2] ایضاً، 1/314

toobaafoundation.com

فرماتے تھے کہ مسلمان کی روز مرہ کی زندگی میں تمام تر شریعت، تمام تر سنت اور تمام تر طریقت ہی سے معاملہ رہتا ہے جس کا مختصر حاصل یہ ہے کہ حقوق، حدود اور حفظ حدود۔

حقوق: تمام تر احکاماتِ شرعیہ

حدود: تمام تر اتباع سنت

حفظِ حدود: تمام تر طریقت

بس انہیں تین باتوں کا حق ادا کرنا مسلمان کے لیے حصولِ مقامِ عبدیت کا ذریعہ ہے۔ حضرتؒ کے ضابطہ تعلیم و تربیت میں چند خاص بنیادی اصول تھے جن کی فہم پیدا ہو جانے سے طریق میں کوئی گنجلک پیچیدگی یا ابہام باقی نہ رہتا تھا۔ مثلاً:

مطالبات دین کو مفاد دنیا پر غالب رکھنا۔

عقل کو شریعت کا متبع رکھنا۔

اختیاری امور میں کوتاہی نہ کرنا اور غیر اختیاری امور کے در پے نہ ہونا۔

سالک کو اپنی تجویز ترک کرنا اور تفویض اختیار کرنا۔

مقصود شرعیہ کو پیش نظر رکھنا اور غیر مقصود کی طرف توجہ نہ کرنا۔

کیفیات باطنہ کو محمود سمجھنا اور مقصود نہ سمجھنا۔

طبعی امور سے مغلوب نہ ہونا بلکہ عقل کے فتویٰ پر عمل کرنا اور

ہمیشہ عقل کو شریعت کا تابع رکھنا۔

تربیت باطن کے متعلق حضرتؒ کے یہ چند مجددانہ اصول تھے چنانچہ سالکین وطالبین کو حضرتؒ ہمیشہ ہدایت فرماتے رہتے تھے کہ اپنے تمام امور زندگی میں خصوصاً باطنی حالات وکیفیات میں وجدانیات ومکاشفات میں، جذبات وخیالات میں ،وساوس وخطرات میں انہیں مذکورہ معتبر ومستند اصولوں کو پیش نظر رکھ کر کام کریں۔ پھر جو بھی حالات پیش آئیں اور جن میں تردد وتشویش خاطر ہو ان کو اپنے مصلح ومرشد کو تحریر کر کے مطلع کرتے رہیں اور ان کا جو بھی مشورہ یا ہدایت ہو اس پر

toobaafoundation.com

خلوص کے ساتھ عمل کریں۔"[1]

خانقاہ کے قیام کی ضرورت کے حوالے سے مولانا تھانویؒ کا تبصرہ:۔

بعض لوگوں نے " تصوف"کو بدعت قرار دیا ہے۔اسی طرح انہوں نے تصوف کے متعلقہ ہر چیز کو بدعت قرار دیا ہے۔مولانا تھانویؒ خانقاہ میں قیام اور اس میں تربیت حاصل کرنے کی وجہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

"بعد اس کے دوسرا زمانہ آیا، غفلتیں بڑھ گئیں، قویٰ کمزور ہوگئے، ادھر اہل ہوا اور عقل پرستوں کا غلبہ ہوا، تدین مغلوب ہونے لگا، پس علماء امت کو قوی اندیشہ دین کے ضائع ہونے کا ہوا، پس ضرورت اس کی واقع ہوئی کہ دین کی بجمیع اجزاء تدوین کی جائے، چنانچہ کتب دینیہ حدیث، اصول حدیث، فقہ، عقائد میں تصنیف ہوئیں اور ان کی تدریس کے لیے مدارس تعمیر کیے گئے، اسی طرح نسبت سلسلہ کے اسباب تقویت وابقاء کے لیے بوجہ عام رغبت نہ رہنے کے مشائخ نے خانقاہیں بنائیں اور اس لیے کہ بغیر ان چیزوں کے دین کی حفاظت کی کوئی صورت نہ تھی، بس یہ چیزیں وہ ہوئیں کہ سبب ان کا جدید ہے کہ وہ سبب خیر القرون میں نہ تھا اور موقوف علیہ حفاظت دین ماموربہ کی ہیں، بس یہ اعمال صورۃً بدعت ہیں، لیکن واقعہ میں بدعت نہیں بلکہ حسب قاعدہ، مقدمۃ الواجب واجب، واجب ہیں۔"[2]

خانقاہوں کے قیام کی ضرورت اور صحبتِ اولیاء اللہ کی تاثیر:۔

مولانا تھانویؒ خانقاہوں کے قیام کی ضرورت واہمیت اور ان خانقاہوں کو آباد کرنے والے اولیاء اللہ کی صحبت کی تاثیر پر بصیرت بھری گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"اہل اللہ کی صحبت کے مؤثر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بار بار اچھی باتیں جب کان میں پڑیں گی تو کہاں تک اثر نہ ہوگا۔ سنتے سنتے آخر اصلاح ہو ہی جاتی ہے اور ایک سبب باطنی بھی ہے، وہ یہ کہ جب تم ان کے پاس رہوگے اور تعلق بڑھاؤ گے تو اس سے دو طرح کی اصلاح ہوگی ایک تو یہ کہ وہ دعا کریں گے اور ان کی دعا مقبول ہوتی ہے تو حق تعالیٰ تم پر فضل فرمائیں گے اور اکثر یہ ہے کہ ان کی دعا باذنِ حق ہوتی ہے تو ان کے منہ سے دعا نکلنا اس بات کی علامت سمجھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ کے فضل ہونے کا وقت آگیا ہے۔ دوسری وجہ بہت خفی ہے وہ یہ کہ تمہارے اعمال میں ان کی محبت سے برکت ہوگی اور جلد جلد ترقی ہوگی اور جلد اصلاح ہو جائے گی۔ اہل اللہ کے دل اللہ تعالیٰ کے نور سے روشن ہیں ان کے پاس رہنے سے دل میں نور آتا ہے اور جب نور آتا ہے تو ظلمت بھاگ جاتی ہے۔ پس اس نور سے ہر چیز کی حقیقت کھل جاتی ہے اور شبہ جاتا رہتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ

---

[1] بصائر حکیم الامت، ص:62۔63

[2] اشرف الجواب، ص:103

toobaafoundation.com

کر اگر طبیعت میں سلامتی ہو تو بغیر پاس رہے صرف ان حضرات کو دیکھ لینا ہی کافی ہوتا ہے اور اگر اس درجہ سلامتی نہ ہو تو البتہ چند دنوں کی صحبت کی بھی ضرورت ہے۔"[1]

مولانا تھانویؒ کے اصلاح وتربیت کے نتائج:۔

مولانا تھانویؒ نے خانقاہ امدادیہ "تھانہ بھون" میں اصلاح کا کام انتہائی محنت اور لگن سے کیا اور اصلاح وتربیت کے ایسے تجدیدی اصول و قواعد مقرر کیے جن کے ذریعہ مختلف قسم کے لوگوں کی زندگی کی کایا پلٹ گئی۔اس حوالے سے محمد اعجاز عرفی قاسمی لکھتے ہیں:

"مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک صاحب طریقت بزرگ بھی تھے اور تصوف کے رموز و نکات سے اچھی طرح آگاہ اوران کی زندگی صوفیوں کی طرح بسر ہوتی تھی۔قدرت نے انہیں روحانی طاقت عطا کی تھی،انہوں نے کتنے ملحدوں کے دل بدل ڈالے اور کتنے بے دینوں کو دیندار بنا دیا،ان کی ایک نگاہ لطف سے بہتوں کے دلوں کی دنیا ہی بدل گئی۔مولانا عبد الماجد دریابادی ہوں یا جگر مراد آبادی،ان کی ایک نظر عنایت نے ان کے روز و شب بدل ڈالے،ان کے انداز بدلے،ان کی وضع بدلی،اطوار بدلے،اورافکار بھی۔حقیقت یہ ہے کہ اس ایک تبدیلی سے معاشرے میں نہ جانے کتنی اور تبدیلیاں رونما ہوئیں،وہ قلم جو تخیل کی وادی میں بھٹک رہا تھا،اس کی روشنائی یوں بدلی کہ اسلام کی تبلیغ کے لیے لفظوں کے لعل و گوہر نکلنے لگے اور پھر شاعری کا طرز بدلا تو وہ شاعری سوز میں بدل گئی،وہ جو بادہء خمار کی باتیں تھیں،مشاہدہ حق میں تبدیل ہو گئیں۔"[2]

مولانا تھانویؒ ایک علمی،روحانی اور تربیتی ادارے کا نام:۔

"فن تصوف" اور "خانقاہی نظام" میں مولانا تھانویؒ کی تجدیدی اور اصلاحی خدمات کے پیش نظر ڈاکٹر تابش مہدی،مولانا تھانویؒ کی تجدیدی خدمات کا تعارف ان الفاظ میں کرواتے ہیں:

"حضرت تھانویؒ بے حد منظم اور بااصول شخص تھے۔انہوں نے اسی نظم وضبط اور اصول وضوابط کی روایت کو اپنے مریدوں اور قریب رہنے والوں میں بھی پروان چڑھانے کی کوشش کی۔اس سے ان کی غرض صرف یہی تھی کہ لوگوں کو سکون اور راحت حاصل ہو،ان کا احساس تھا کہ نظم وضبط اور اصول پسندی کے بغیر کوئی دعوت یا تبلیغ مؤثر نہیں ہو گی۔یہ مولانا تھانویؒ کی زندگی کا ایک ایسا وصف ہے جو ہمارے لیے آج کے داعیوں،مربیوں اور مبلغوں کی زندگیوں میں مفقود ہے۔

---

[1] بصائر حکیم الامت،ص:129

[2] قاسمی،محمد اعجاز عرفی،مولانا،حسن افکار(اداریہ)،سہ ماہی،حسن تدبیر،دہلی(حکیم الامت نمبر)،جلد:1،شمارہ:3،مئی۔اکتوبر 2007ء، ص:32

toobaafoundation.com

حقیقت یہ ہے کہ اشرف علیؒ کسی شخص یا فرد کا نہیں، بلکہ ایک علمی، روحانی اور تربیتی ادارے کا نام ہے۔ وہ اپنی ذات میں ایک ایسی دانش گاہ تھے، جس نے اصلاح وتربیت کے لاتعداد پیاسوں کی پیاس بجھائی، وہ سلسلہ بالواسطہ طور پر آج بھی جاری ہے۔ آج کے دور میں دعوت و تبلیغ اور اصلاح وتربیت کا کام کرنے کے لیے ان کی تعلیمات مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔"[1]

خانقاہی نظام اور فن تصوف میں مولانا تھانویؒ کی اصلاح کی گواہی:۔

مولانا تھانویؒ کی اصلاح وتربیت کی تحریک کے بارے میں مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اپنی رائے کا اظہار ان خوبصورت الفاظ میں یوں کرتے ہیں:

"اب بہت بڑی بات کہنے جارہا ہوں، وہ بظاہر ایک بہت چھوٹے منہ سے نکل رہی ہے لیکن بات کو دیکھیے، کہنے والے کو نہ دیکھیے۔ حکیم الامت سے اللہ نے سلوک وطریقت کی وہ خدمت لی ہے جو آج تک بڑے سے بڑے صوفیہ اور مشاہیر اولیاء سے بن نہیں پڑی تھی۔ یعنی افعال انسانی کی بنیادی تقسیم اختیاری اور غیر اختیاری کے درمیان۔ اور اسی تقسیم کے بعد، کوئی بھی فعل بظاہر کتنا ہی گندہ اور قبیح ہو۔ اگر پورے اختیار سے سرزد نہیں ہوا، تو اس کا شمار فسق ومعصیت میں سرے سے ہو ہی گا نہیں۔ معصیت کی سنگینی کا معیار تو صرف بشری ارادہ واختیار ہے، تو اب بدتر سے بدتر عمل بھی اگر ہر رات اور ساری عمر، عالم رویا میں کرتا رہے تو اس سے معصیت ایک بار بھی نہیں لکھی جائے گی اس لیے کہ ہر عمل ہزار بار کا بھی کیا ہوا شعور وارادے کے ماتحت واقع نہیں ہوا۔ آنکھ اگر نماز کے وقت نہ کھلی تو تدارک کے لیے بس نماز کا قضا پڑھ لینا کافی ہے۔ یہ کوئی گناہ ہوا ہی نہیں۔ اس لیے کہ عمل ارادی تھا ہی نہیں جس کا کفارہ لازم آئے۔ ایک اسی بنیادی مسئلے نے لاتعداد جزئی مسائل طے کر دیے اور بے شمار الجھنوں سے بچالیا۔ بجا ہے کہ اگر کوئی اسی حقیقت کی بناء پر حضرتؒ کو اشرف الاولیاء قرار دے۔"[2]

---

[1] تابش مہدی، ڈاکٹر، مولانا تھانویؒ ایک مصلح، ایک مربی، حسن تدبیر، دہلی (حکیم الامت نمبر)، جلد:1، شمارہ:3، مئی۔ اکتوبر 2007ء، ص:217

[2] دریابدی، عبدالماجد، مولانا، حکیم الامت معاصرین کی نظر میں، ماہنامہ الحسن، اشاعت خاص (بیاد حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ)، جامعہ اشرفیہ، لاہور، دسمبر 1998ء، 252/2

toobaafoundation.com

حاصل بحث:۔

خانقاہ اصل میں "خانگاہ" ہے، جو فارسی زبان کا لفظ ہے لیکن معرب ہونے کی وجہ سے "خانقاہ" بن گیا۔ اور عربی زبان میں "رباط" کا لفظ بھی اسی معنی میں مستعمل ہے۔ خانقاہی نظام "بدعت" نہیں ہے اور نہ ہی "مسجد" کے مقابلے میں ایک نئی عبادت گاہ کا تصور ہے۔ بلکہ یہ نظام ہر دور میں مسلمانوں کی اصلاح کے لیے مفید رہا ہے۔

مولانا تھانویؒ نے خانقاہی نظام میں تجدیدی تبدیلی کی۔ جس کا اعتراف بہت سارے افراد نے کیا ہے اور اس کے دوررس اثرات بھی مرتب ہوئے۔ خانقاہ امدادیہ (تھانہ بھون) میں اصول وضوابط سب کے لیے ایک جیسے تھے اور کوئی شخص بھی ان اصولوں سے مستثنیٰ نہ تھا۔ مولانا تھانویؒ کے نزدیک شیخ اور خانقاہی نظام کا اصل مقصد لوگوں کی صحیح اسلامی خطوط پر اصلاح ہے نہ کہ مریدین اور متعلقین سے مال اور تحائف بٹورنا۔

toobaafoundation.com

فصل دوم

انفرادی و معاشرتی معاملات کی تصحیح (خانقاہی تصوف میں اصلاح و تجدید کا عظیم پہلو)

toobaafoundation.com

فصل دوم:

انفرادی و معاشرتی معاملات کی تصحیح (خانقاہی تصوف میں اصلاح و تجدید کا عظیم پہلو)

مولانا تھانویؒ خود حقوق العباد کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ اور اپنے متعلقین و مریدین کو بھی ان حقوق کو ادا کرنے کی بہت تاکید کرتے تھے۔ عام طور پر لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ صرف نماز، روزہ، زکوۃ وغیرہ ہی اصل دین ہے۔ اس کے علاوہ حقوق العباد کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ جب کہ دینِ اسلام میں جس طرح نماز اور روزہ فرض ہے اسی طرح حقوق العباد کی ادائیگی بھی فرض ہے۔ اس لیے کہ حقوق العباد کی ادائیگی کا تعلق معاشرتی زندگی سے ہے۔ اور دینِ اسلام نے معاشرتی زندگی کے اصول و قواعد مقرر کیے ہیں۔

معاشرتی زندگی اور حقوق العباد کی ادائیگی کے حوالے سے جب ہم مولانا تھانویؒ کی زندگی اور ان کے معمولات کا مطالعہ کرتے ہیں تو مولانا تھانویؒ کی زندگی ان حقوق کی ادائیگی سے بھرپور نظر آتی ہے۔ اور پوری زندگی اسلام کے دیئے ہوئے ادائیگیءِ حقوق کے اصولوں سے سرمو انحراف نہیں کیا اور نہ ہی اس میں کبھی کوتاہی کی۔ یہ صرف ان کی زندگی کا پہلو نہیں تھا بلکہ انہوں نے اپنے اعزہ واحباب اور متعلقین و مریدین کو بھی حقوق العباد کی ادائیگی کا احساس دلایا۔ اور اس پہلو سے مولانا تھانویؒ کے اصول انتہائی سخت تھے۔ ان معاشرتی اصولوں کے مطابق زندگی کی انجام دہی میں مولانا تھانویؒ نے کبھی نرمی نہیں دکھائی۔ حقوق العباد اور معاشرتی حقوق کی ادائیگی "خانقاہ امدادیہ اشرفیہ" تھانہ بھون کی ایک ایسی خصوصیت ہے جو اس کو خانقاہی نظام میں ایک امتیازی درجہ پر فائز کرتی ہے۔ ذیل میں "معاشرتی وانفرادی اصلاح" کے حوالے سے مولانا تھانویؒ کی تعلیمات سے چند ایک واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے:

اپنے متعلقین کو ادائیگی حقوق العباد کی تعلیم:۔

مولانا تھانویؒ نے معاشرتی حقوق کی اہمیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"حقوق العباد کا ادا کرنا اور ادو ظائف سے بدرجہا زیادہ ضروری ہے اس کے ترک سے مواخذہ ہو گا اور ترک وظائف سے کچھ مواخذہ نہیں۔ یہ تو مستحب ہے لوگ ضروری کام چھوڑ کر غیر ضروری کام اختیار کرتے ہیں۔۔۔ لوگ اہل وعیال کے حقوق کی بالکل پرواہ نہیں کرتے، بس حکومت کرنا جانتے ہیں، یہ خیال نہیں کرتے کہ جن پر حکومت کرتے ہیں

toobaafoundation.com

ان محکوموں کا بھی کوئی حق ہمارے ذمہ ہے یا نہیں۔"[1]

ڈاک ٹکٹوں کے معاملہ میں غایت احتیاط:۔

"مولانا تھانویؒ کا معمول یہ تھا کہ اگر ڈاک خانہ والے ٹکٹوں یا لفافے پر مہر لگانا بھول جائیں تو آپ فوراً اسے چاک فرما دیتے تاکہ دوبارہ استعمال میں نہ آسکیں۔

ایک مرتبہ آپ نے مولانا عبد الماجد دریا آبادی رحمہ اللہ کو کوئی ضروری خط لکھا تو بجائے رجسٹری کے دو پیسے کا بیرنگ کر دیا، اور ان پیسوں کا بوجھ بھی مکتوب الیہ پر ڈالنا گوارہ نہ فرمایا، بلکہ لفافہ کے اندر دو پیسے کے ٹکٹ رکھ کر تحریر فرمایا" میں نے خط کو حفاظت کے لیے (ایک پیسہ) بیرنگ کر دیا ہے اگر ڈاک والے لیں تو ٹکٹ حاضر ہے اگر ذہول سے نہ لیں ان ٹکٹوں کو چاک کر دیجیے (تاکہ محصول ہمارے ذمہ بقایا نہ رہے) اگر چاک کرنے کو دل گوارہ نہ کرے تو کسی خط میں جو خاص اس غرض کے لیے نہ بھیجا جائے مجھ کو اطلاع کر دی جائے میں خرید کر چاک کر دوں گا۔"[2]

حقوق العباد کی ادائیگی درویشی میں داخل ہے:۔

"ایک مرتبہ بعض مہمان میرے یہاں آئے ہوئے تھے میں اس زمانے میں ریل کے قواعد اردو میں لکھ رہا تھا اور مقصود اس سے صرف اس کا علم ہی نہ تھا بلکہ اس کے متعلق مسائل کا تحقیق کرنا تھا مثلاً تھرڈ میں پندرہ سیر اسباب کی اجازت ہے، اب اگر کوئی اس کے متعلق حکم شرعی دریافت کرے تو اس مسئلہ کی تحقیق موقوف اس پر ہے کہ پہلے یہ جان لیں کہ کتنا مال لے جانے کی قانوناً اجازت ہے لہٰذا حکم شرعی کہ اتنے کی اجازت ہے اس سے زیادہ لے جانا جائز نہیں، اس قاعدے کے جاننے پر موقوف ہے کہ تھرڈ میں کتنے اسباب کی اجازت ہے، چنانچہ اس جلسہ میں بعض لوگ بھی تھے جو انگریزی کتاب کا ترجمہ کر کے مجھے سناتے تھے اور دو ایک اہل علم بھی تھے ان سے کہیں کہیں مشورہ لیتے تھے تو وہ مہمان اس سے گھبرائے اور باہر جا کر کہا میں تو درویشی سننے کے لیے آیا تھا یہاں تو ریلوے قواعد ہو رہی ہے۔ میں نے کہا: کہ یہ بھی درویشی ہی کی باتیں ہیں، کیا حقوق العباد کا اہتمام درویشی سے خارج ہے؟ یہ بھی درویشی میں داخل ہے۔"[3]

---

[1] تھانوی، اشرف علی، مولانا، حقوق العباد، مرتب: محمد اقبال قریشی، ادارہ اسلامیات، لاہور، 1427ھ، ص:213۔214

[2] ایضاً، ص:202۔203

[3] حقوق العباد، ص:55

toobaafoundation.com

مہمان کا دستر خوان سے سائل کو دینا جائز نہیں:۔

"فرمایا فقہاء نے لکھا ہے اگر سائل آکر سوال کرے تو مہمان کو دستر خوان سے دینا جائز نہیں ہے، ایسے ہی اگر کوئی اپنے برتن میں کھانا بھیجے تو اس میں کھانا جائز نہیں، بلکہ اپنے برتن میں کر کے کھائے لیکن اگر مزہ یا وضع بدل جانے کا اندیشہ ہو جیسے فیرنی وغیرہ تو اسی برتن میں کھانا جائز ہے، ایسے ہی اگر چند مجلسیں کھانے کی ہوں تو اپنی مجلس میں اگر کھانے کی کمی پڑ جائے تو اپنے سامنے سے دے سکتا ہے اور اگر دوسری مجلس میں ضرورت پڑے تو دینا جائز نہیں ہے۔"[1]

مولانا تھانویؒ نے انفرادی معاملات کی ادائیگی میں لوگوں کی راہنمائی کی۔ مولانا تھانویؒ نے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ (تھانہ بھون) میں لوگوں کی اصلاح کے لیے خط و کتابت کا سلسلہ شروع کیا۔لوگ انفرادی خطوط میں اپنا حال دل لکھتے۔ مولانا تھانویؒ ان خطوط کے جوابات باقاعدگی سے دیتے تھے۔اس حوالے سے مولانا تھانویؒ کی کتاب "تربیۃ السالک" انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ جس میں وہ سارے خطوط شامل کیے گیے جس میں سالکین مولانا تھانویؒ کو خطوط لکھتے تھے اور مولانا تھانویؒ ان کے جوابات دیتے تھے۔ذیل میں نمونہ کے طور پر "تربیۃ السالک سے چند خطوط ذکر کیے جاتے ہیں۔تاکہ ان خطوط سے مولانا تھانویؒ کے طریقہ اصلاح کی تجدید اور اسلوب کا اندازہ ہو سکے۔

مولانا تھانویؒ کی کتاب "تربیۃ السالک" سے انفرادی اصلاح کے متعلق چند خطوط:۔

طریق سے ناواقفی کا علاج:۔

"حال: ہمیشہ سے نیند کا غلبہ رہتا ہے اور اب بہت زیادہ نیند آتی ہے۔ سوتا ہوں تو پھر آنکھ جلد نہیں کھلتی۔ ہاں کچھ خوف ہوتا ہے تو کھل بھی جاتی ہے کیا کروں کہ خوف خدا کا غلبہ رہے۔

تحقیق: صرف خوف خدا کا رنگ ایسا ہونا ضروری نہیں جس سے نیند اڑ جائے یہ خواہشیں ناواقفی کی وجہ سے ہیں بہت ضرورت ہے کہ احقر کی تالیفات خصوصاً مواعظ و تربیت کی جلدیں حرفاً حرفاً توجہ سے دیکھی جائیں تاکہ یہ غلطیاں ختم ہوں۔"[2]

---

[1] حقوق العباد، ص:66

[2] تھانوی، اشرف علی، مولانا، تسہیل تربیت السلوک، صاحبِ تسہیل: مولانا ارشاد احمد فاروقی، زم زم پبلشرز، کراچی، 2009ء، 2/475

toobaafoundation.com

جو چیز لازم نہ ہو اس کو لازم کرنے کا بدعت ہونا:۔

”حال: کچھ عرصہ سے بندہ کا یہ معمول ہو گیا ہے کہ کسی دنیاوی معاملہ میں ناکامی کی خبر سن کر قبض ہو جاتا ہے اور بعد میں دو رکعت نماز قبض کے دور کرنے کے لیے پڑھ لیتا ہوں یا اگر کوئی اطمینان والی بات سنتا ہوں تو خوش ہو کر بسط کی حالت کے شکریہ پر دو رکعت نماز نفل پڑھتا ہوں۔ یہ طرز عمل اچھا ہے یا نہیں۔

تحقیق: یہ لازم کر لینا کچھ دن بعد بدعت کی حد میں آجائے گا۔“[1]

عمل کا مقصود ہونا:۔

بعض لوگ اعمال بھی اس لیے کرتے ہیں تا کہ ہمیں ان اعمال کے نتیجے میں روحانی لذات حاصل ہوں۔ مولانا ایک ایسے ہی شخص کی اس طرح اصلاح کرتے ہیں۔

”حال: کوئی محمود کیفیت راسخ نہیں۔

تحقیق: رسوخ کی طرف التفات کہ فرمایا جائے رسوخ سے مقصود عمل ہے۔ عمل سے رسوخ مقصود نہیں اگر عمل رسوخ کے بغیر ہوتا رہے مقصود حاصل ہے۔“[2]

اصلاح کا طریقہ:۔

مولانا تھانویؒ سے جب ایک سالک پوچھتا ہے کہ کوئی میری اصلاح کا طریقہ تجویز کر دیں تو اس کے جواب میں مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں کہ جب تک تم مجھے اپنا ہر عیب نہیں لکھو گے تو اصلاح کیسے ہو گی۔

”حال: جواباً عرض ہے کہ مجھے اصلاح کا طریقہ نہیں معلوم۔ میں اس سے بالکل جاہل ہوں۔ آپ للہ میرے لیے کوئی طریق اصلاح تجویز فرمائیں۔

تحقیق: طریقہ یہ ہے کہ تم اپنے نفس کا ایک ایک عیب ظاہر کرو اور مجھ سے اس کا علاج پوچھو اور میں جو بتاؤں اس پر عمل کرو اور عمل کر کے اطلاع دو۔“[3]

---

[1] تسہیل تربیت السلوک، 497/2

[2] ایضاً، 520/2

[3] ایضاً، 61/3

toobaafoundation.com

حقائق مقصود ہیں لطائف مقصود نہیں:۔

"حال: (حضرت والا کی) خدمت سے واپسی کے بعد بڑی تبدیلی آئی ہے جس سے میں سخت گھبرا گیا ہوں۔(وہ تبدیلی) یہ ہے کہ ذوق شوق، جوش، رقت اور خشوع غائب ہو گیا۔ شروع میں تو تھا مگر اب تو بالکل نہیں ہے۔

تحقیق: کیا (اس سے) کوئی دینی نقصان ہو گیا۔

حال: اور طبیعت نہایت رکی ہوئی اور جمی ہوئی ہو رہی ہے۔ مجھے ذکر کرتے ہوئے بہت لطف آتا تھا۔ معلوم نہیں کہ اب کیوں نہیں آتا۔ سخت تردد ہے۔

تحقیق: کیا تردد پر اجر نہیں ملتا اور کیا ذوق شوق سے بھی اجر ہی مقصود نہیں ہے۔

حال: اگر حضور اجازت دیں اور مناسب سمجھیں تو جناب۔۔۔ صاحب ایک اجازت یافتہ کو فرمادیں کہ وہ مجھے دوایک مرتبہ بارہ تسبیح کا ورد کرادیں۔

تحقیق: اس کی ضرورت نہیں یہ قیود غیر مقصود ہیں۔ مقصود صرف ذکر ہے۔ اگر کوئی بہت مناسب رفتار سے چلتا ہے اور دوسرا غیر مناسب رفتار سے چلتا ہو تو اصل مقصود منزل پر پہنچنا ہے جو دونوں رفتار سے حاصل ہو جاتا ہے۔ آگے رہا رفتار کا مناسب ہونا اس میں دوسری حکمتیں ہیں جو منزل پر پہنچنے کے لیے ضروری نہیں ہیں۔

حال: میرا خیال ہے کہ میرا قلبی لطیفہ اسم ذات اللہ کا ذاکر ہے۔ کسی زمانہ میں حضور سے اس کی اجازت لے کر لطائف (چھ لطیفوں کے ذکر) کی کوشش کیا کرتا تھا۔

تحقیق: حقائق مقصود ہیں لطائف مقصود نہیں۔"[1]

غیر اختیاری بات نقصان دہ نہیں:۔

"حال: اکثر تہجد پڑھتے وقت آپ کی صورت خیال میں آجاتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی شکل سامنے کھڑی کر دی گئی ہے۔ اس وقت مجھے شبہ ہوتا ہے کہ شرک میں نہ مبتلا ہو جاؤں اس وجہ سے میری پریشانی بڑھ گئی۔

تحقیق: یہ حالت ہونے اور باقی رہنے میں اختیاری ہے یا غیر اختیاری اور شرک اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔"[2]

---

[1] تسہیل تربیت السلوک، 3/92

[2] ایضاً، 3/325

toobaafoundation.com

انفرادی اور معاشرتی معاملات کی تصحیح کے ضمن میں مولانا تھانویؒ کے مزید چند ایک نصائح پیش خدمت ہیں:

خانقاہ میں قیام کی شرائط:۔

مولانا تھانویؒ کے نزدیک خانقاہی نظام میں دوسرے مشائخ کی طرح رسم پرستی نہیں تھی بلکہ ہر بات صاف اور اپنی حد پر ہوتی تھی:

"ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر نفس کے ضروری حقوق میں یا عیال کے حقوق میں کسی قسم کی بھی کوتاہی کا احتمال ہو اس حالت میں یہاں قیام کرنا نافع نہیں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت سے میرے یہاں ہر چیز اپنی حد پر ہے وہ دردہ معاملہ نہیں جیسے آج کل دکاندار مشائخ رسم پرستی کرتے ہیں اور دوسروں سے کراتے ہیں، مجھ کو یہ باتیں پسند نہیں ہر بات صاف اور اپنی حد پر رہنی چاہیے۔"[1]

مولانا تھانویؒ کے اصول تربیت:۔

مولانا تھانویؒ کے اصول تربیت ان کے خود وضع کردہ نہیں تھے بلکہ ان کی خواہش تھی کہ ہر کام میں شریعت کی پابندی کی جائے:

"ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں ہوں تو غریب آدمی کوئی محکمہ میرے ہاتھ میں نہیں مگر اللہ تعالی نے دل میں اصول ایسے پیدا فرما دیئے ہیں جن پر ایک سلطنت چل سکتی ہے اور اُس کی رفتار میں ذرہ برابر تنگی یا رکاوٹ نہیں ہوسکتی اور اُن اصولوں کا ماخذ احکام شرعیہ ہیں اس لیے جی چاہتا ہے کہ سب امور میں احکام اسلام کا نفاذ ہو اور شریعت کے موافق سب انتظامات ہوں۔"[2]

خانقاہ میں انسان بنانے کا کام:۔

خانقاہ امدادیہ میں "انسان" بنانے کا کام ہوتا ہے۔ اسی طرح مولانا تھانویؒ سے علمی اور غیر ضروری سوال کرنے کی ہر ایک کو اجازت نہ تھی:

"کسی نے کسی علمی مسئلہ کی تحقیق کی اُس پر فرمایا کہ بڑے کام جیسے درس و افتاء وامثالہا بڑے حضرات کر رہے ہیں دوسرے یہ کام اور جگہ یہاں سے اچھا ہو رہا ہے میں تو وہ کام کر رہا ہوں کہ اور جگہ ہو بھی نہیں رہا۔ اور ہے بھی چھوٹا کام اسی

---

[1] الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ، 5/36

[2] ایضاً، 4/352

toobaafoundation.com

لیے مجھ سے بڑے کام لینا انصاف کے خلاف ہے یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی شخص لوہار سے سُنار کا کام لے یہ کتنی بے انصافی کی بات ہے۔ پھر فرمایا کہ نہ میں عالم بنانا جانتا ہوں نہ میں بزرگ بنانا جانتا ہوں میں تو آدمی بنانا جانتا ہوں اگر اس سے آگے کوئی چاہے تو وہ کہیں اور جائے۔ پھر آدمی بنانے کا جو طریقہ میرے یہاں ہے یہ چونکہ اس وقت دوسری جگہ ہے نہیں اس وجہ سے لوگوں کی نظر میں یہ نئی بات ہو گئی۔ ورنہ واقع میں پُرانی ہی ہے پھر فرمایا جن لوگوں کو مجھ سے بے تکلفی کا تعلق نہیں ان کو مجھ سے ایسی علمی گفتگو کرنا نہ چاہیے۔ ہاں جن کو پہلے سے یعنی اس تعلق تربیت کے قبل سے بھی مجھ سے بے تکلفی بھی ہے اُن کو اجازت ہے۔"[1]

صفائی معاملات کا قحط:۔

اس زمانے میں ایک المیہ یہ ہے کہ لوگ صرف نماز، روزہ کی ادائیگی کو پورا اسلام سمجھتے ہیں۔ مولانا تھانویؒ اپنے معاملات کو صاف رکھنے پر بہت زور دیتے تھے:

"روزمرہ کے معاملات میں لوگ ادھوری بات کرتے ہیں جس سے دوسرے کو پریشانی ہوتی ہے تکلیف ہوتی ہے ہمیشہ اس کا خیال رکھنا چاہیے گویا یہ کل سلوک ہے کہ اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے آج کل لوگوں نے وظائف اور اوراد کو اصل سمجھ کر معاشرت کے تمام احکام سے نظر ہٹالی جو سخت دھوکہ ہے اور اشد غلطی ہے بات ہمیشہ پوری کہنا چاہیے پوری بات کرنے سے کبھی پریشانی نہیں ہوتی میں تو رات دن اسی ہی کی تعلیم کرتا ہوں۔ ایک صاحب یہاں پر تشریف لائے تھے پہلا موقع تھا مجھ کو اجنبی شخص کے خدمت کرنے سے بجائے راحت کے گرانی اور کلفت ہوتی ہے میں مکان کے ارادہ سے چلا انہوں نے دوڑ کر جوتے کا جوڑا میرے ہاتھ میں سے لینا چاہا میں نے انکار کیا اس پر اصرار کیا سخت پریشانی ہوئی میں نے کہا کہ اپنا جی چاہا کرتے ہو تو کر لو جوتا لیے کھڑے رہو میں ننگے پیر چلا جاؤں گا لوگ اس طرح پر ایذائیں پہنچاتے ہیں۔ کچھ نہیں محض تمرد اور سرکشی ہے اطاعت کا مادہ ہی لوگوں میں نہیں رہا کہاں تک اصلاح کی جائے۔"[2]

آدابِ معاشرت کو عوام نے دین نہیں سمجھا:۔

اسی طرح آداب معاشرت کو لوگ دین نہیں سمجھتے ہیں۔ مولانا تھانویؒ لوگوں کی اس غلطی اور کوتاہی پر ایک ملفوظ میں اس طرح افسوس کرتے ہیں:

---

[1] الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ، 4/301

[2] ایضاً، 4/237-238

toobaafoundation.com

"معاشرت تو آج کل لوگوں کی نہایت ہی گندی اور خراب ہے شریعت مقدسہ نے ہمارے ہر معاملے اور ہر قسم کے فعل و قول سے تعرض کیا ہے آزاد نہیں چھوڑا ہر چیز کے متعلق تعلیم ہے اور اس کا مکمل قانون ہے مگر آداب معاشرت کو لوگوں نے دین کی فہرست ہی سے نکال دیا ہے سمجھتے ہیں کہ نماز روزہ حج زکوٰۃ ذکر و شغل تلاوت قرآن نفلیں ان چیزوں کے متعلق احکام ہیں آگے جو کچھ چاہیں کرتے پھریں جس کے معنی آج کل آزادی ہیں سو خوب یاد رکھو کہ تم کو ہرگز ہرگز آزاد نہیں چھوڑا گیا مثل بھینسے اور سانڈ کے جس کے گیہوں چاہیں کھالیں اور جس کے چنے چاہیں کھالیں سو ہم کو ایسا نہیں چھوڑ دیا گیا بلکہ شریعت نے ہماری رفتار گفتار نشست و برخاست لین دین کھانے پینے وغیرہ ہر چیز سے تعرض کیا ہے اور اس کے متعلق شریعت میں مکمل قانون ہے مگر اب تو یہ۔۔۔ ہو گیا ہے کہ ہاتھ میں تسبیح لے لی ٹخنوں سے اونچا پاجامہ اور گھٹنوں سے نیچا کرتا پہن لیا اور اشراق و چاشت اور تہجد کی نفلیں پڑھ لیں بس ہو گئے کامل مکمل مگر کم بل نہ ہوئے (یعنی بل کم نہ ہوئے) بلکہ زیادہ ہی بل رہے انکسار نہیں عجز نہیں افتقار نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ عبدیت نہ پیدا ہوئی وہی تیلی کے بیل کی طرح تمام دن چلا مگر رہا وہیں، بارہ برس دہلی میں رہا مگر بھاڑ ہی جھونکا۔ ایسوں ہی نے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کیا القاب بڑے بڑے کوئی مولانا ہیں کوئی مقتدانا ہیں کوئی شیخ المشائخ ہیں کوئی صوفی ہیں ایسی مثال ہے کہ جیسے لفافہ پر پتہ تو بڑے جلی قلم سے خوشخط عربی میں لکھا ہوا ہے مگر اندر کام کا مضمون ندارد۔"[1]

آداب التربیت:۔

مولانا تھانویؒ کے انفرادی اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے کہ اپنی بات صاف صاف کہی جائے۔ اسی طرح اپنی حالت کو بھی خود سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے:

"تربیت اور اصلاح کا باب نہایت ہی نازک ہے اس میں بڑے تجربے اور فن کی ضرورت ہے شیخ کا ولی ہونا قطب ہونا بزرگ ہونا ضروری نہیں مگر فن سے واقف ہونا ضروری ہے ہاں فن جاننے کے ساتھ اگر ولایت اور بزرگی بھی ہو تو اس کی تعلیم میں خاص برکت ہو گی آج کل فن نہ جاننے کی وجہ سے لوگ بڑی گڑبڑ کرتے ہیں اور منزل مقصود سے تو بہت ہی دور رہتے ہیں مقصود کی ہوا تک بھی نہیں لگی۔ ایک صاحب نے بذریعہ خط اپنے نفس کی اصلاح کی درخواست کی تھی اس پر میں نے لکھا کہ ہر مرض کو ایک ایک کر کے لکھ کر اس کا علاج پوچھو اس پر یہ مہمل جواب آیا میں حقیقت سے تو واقف ہوں مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھ میں مرض کیا ہیں اس پر میں نے لکھا کہ میری سمجھ میں یہی نہیں آیا کہ حقیقت کی تو خبر ہو اور مرض کی خبر نہ ہو اس پر جواب آیا اور بہت طویل تحریر لکھ کر بھیجی جس میں اپنی تمام سوانح عمری درج کی تھی آخر میں لکھا تھا کہ یہ میری حالت ہے اب آپ سمجھ لیں کہ کون کون مرض میرے اندر موجود ہیں جو قابلِ علاج ہیں اس پر میں نے لکھا کہ یہ

[1] الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ، 4/188

toobaafoundation.com

طریقہ معالجہ کا نہیں ہے کہ ایک کتاب تصنیف کر کے بھیج دی تم نے میری بات کا اب تک جواب نہیں دیا اور اتنی بحر طویل لکھ کر ایذا دی جب تم مرض کا ہونا نہ ہونا نہیں بتلا سکتے جو کہ خاص تمہاری حالت ہے تو اتنے دور سے بے بتلائے ہوئے سمجھ لینا ضروری ہے اور میں اس سے قاصر ہوں تو تم کو یہ حق حاصل ہے کہ مجھے لکھو کہ جب تجھ کو اتنا بھی سلیقہ نہیں تو تجھ سے تعلق رکھنا ہی فضول ہے تو پھر میری طرف سے اجازت ہے کہ کسی اور سے تعلق کرو۔"[1]

ایک شخص کی ادھوری بات پر مؤاخذہ:۔

مولانا تھانویؒ اصلاح کے پیش نظر لوگوں کی ادھوری بات پر بھی مؤاخذہ کرتے تھے۔اس حوالے سے ایک دیہاتی کا واقعہ ذکر کیا جاتا ہے:

"ایک دیہاتی شخص نے آکر تعویذ مانگا اور یہ نہیں بتلایا کہ کس چیز کا تعویذ۔حضرت والا نے فرمایا کہ میں سمجھا نہیں اس نے ذرا بلند آواز سے فرمایا کہ تعویذ کو آیا ہوں فرمایا کہ میں بہرہ نہیں ہوں سن لیا مگر سمجھا نہیں ذرا باریک بات کو کم سمجھتا ہوں (یہ مزاح سے فرمایا) اس پر بھی اس نے یہ نہیں بتلایا کہ کس چیز کا تعویذ چاہیے فرمایا کہ جاؤ باہر سہ دری سے اور کسی سے معلوم کر کے آؤ کہ یہ میری بات پوری ہے یا ادھوری۔وہ شخص گیا اور دریافت کر کے آیا اور کہا کہ ستاؤ (یعنی آسیب) کا تعویذ دے دو فرمایا کہ اب بتلاؤ کہ میں بدوں بتلائے ہوئے کس چیز کا تعویذ لکھتا۔تھی بھی ادھوری بات۔اب تو کبھی ادھوری بات کہیں کسی کے پاس جا کر نہیں کہو گے کہا کہ نہیں۔

پھر حضرت والا نے مزاحاً فرمایا کہ ایک کو تو جن ستا رہا ہے اس کے لیے تعویذ کی ضرورت ہے اور تو مجھے ستا رہا ہے ایک تعویذ میں اپنے لیے کروں تیرے ستاؤ سے بچنے کے لیے۔"[2]

بغیر فکر اصلاح کے شیخ کے پاس قیام بے کار ہے:۔

"ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ کسی کے پاس نرے رہنے سے کیا ہوتا ہے جب تک انسان کو اپنی اصلاح اور تربیت کی فکر نہ ہو۔"[3]

---

[1] الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ، 4/136

[2] ملفوظات حکیم الامت، 1/229

[3] ایضاً، 1/179

toobaafoundation.com

"کیا میں جا سکتا ہوں" کا محاورہ:۔

مولانا انداز گفتگو کی اصلاح اس طرح فرماتے تھے:

"فرمایا کہ میرے یہاں تو ایک یہ بھی مستقل تعلیم ہے کہ بات صاف کہو جیسے آج کل بولتے ہیں کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے کیا مہمل بات ہے۔ یہاں پر ایک صاحب مہمان تھے دوسرے مہمان کو اسٹیشن پہنچانے کے لیے جانا چاہا تو جانے کے وقت مجھ سے کہنے لگے کہ کیا میں اسٹیشن جا سکتا ہوں۔ میں نے کہا کیوں نہیں جا سکتے خدا نے پیر دیے چلنے کو۔ آنکھیں دیں دیکھنے کو۔ قوت ارادیہ دی ارادہ کرنے کو۔ اس لیے آپ جا سکتے ہیں۔ یہ خرافات ہیں اور یہ عیسائیوں سے لیا ہے ان میں کوئی نیا محاورہ نہیں قدیم عیسائیوں نے کہا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے۔ ھل یستطیع ربک ان ینزل علینا مائدۃ من السماء۔[1] عیسائیوں سے مسلمانوں نے بھی یہ محاورہ سیکھ لیا ہے برا معلوم ہوتا ہے۔"[2]

دوسروں کے حقوق کی گہری رعایتیں:۔

خانقاہ امدادیہ میں "حقوق العباد" کی ادائیگی کا بہت زیادہ خیال رکھا جاتا تھا لہٰذا وہ اپنے مریدین کو اپنی بے جا تعظیم کی اجازت نہ دیتے تھے:

"فرمایا! کہ مجھ کو بدنام تو کیا جاتا ہے مگر یہاں پر رہ کر دیکھا جائے کہ میں کس قدر رعائتیں کرتا ہوں اور آنے والے مجھ کو کتنا ستاتے ہیں یک طرفہ بات سن کر گھر بیٹھے فیصلہ دے دینا تو آسان ہے لیکن جب وہی باتیں اپنے کو پیش آئیں پھر اگر تحمل کر کے دکھائیں تو ہم جانیں البتہ اگر کسی کو حس ہی نہ ہو یا محض فوج ہی جمع کرنا ہو یا روپیہ ہی محض اینٹھنا مقصود ہو اور دکانداری ہی جمانا ہو تو ایسا شخص تو واقعی اس سے بھی زیادہ سخت سخت باتوں کا تحمل کر لے گا۔ مجھ سے تو یہ نہیں ہو سکتا بلا سے کوئی معتقد رہے یا غیر معتقد ہو جائے۔ میں تو یہاں تک رعایت رکھتا ہوں کہ یہاں پر پہلے مسجد میں ایسا قصہ ہوتا تھا کہ جہاں میں نماز کے لیے مصلے پر جانے لگا کوئی ادھر کو کھڑا ہو گیا کوئی ادھر کو کھسکا۔ مجھ کو ایسی باتوں سے اذیت ہوتی تھی۔ نیز اس سے ایک عظمت اور بڑائی کی شان معلوم ہوتی تھی۔ میں نے اپنے بزرگوں کو دیکھا کہ وہ ایسی باتوں کو پسند نہ فرماتے تھے نہ مجھ کو پسند ہیں۔"[3]

---

[1] المائدۃ 112:5

[2] الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ، 1/128

[3] ایضاً، 1/141

toobaafoundation.com

طریق اصلاح کے استعمال کرنے میں مجبوری:۔

مولانا تھانویؒ تادیب کے لیے لوگوں پر سختی کرتے تھے اور اس سختی کے جواز کی مختلف مثالوں سے وضاحت کرتے تھے:

"فرمایا کہ میں مجبور ہوں طرق اصلاح کے استعمال میں۔اس کی مثال یوں سمجھیے کہ قراءت فی الصلوٰۃ کا لہجہ الگ ہوتا ہے اور تبلیغ تکبیر کا الگ۔امام قراءت پڑھتا ہے نہایت نرم لہجہ میں اور مبلغ کہتا ہے بلند آواز سے اللہ اکبر۔تو اس پر کوئی کہے کہ یہ شخص بہت ہی سخت مزاج ہے اتنی زور سے بولا باوجود اس کے وہ زور سے بھی بولا اور لہجہ بھی سخت ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کو کوئی سخت نہ کہے گا کہ ضرورت ہے۔اسی طرح تادیب کا لہجہ معمولی کلام سے الگ ہوتا ہے جس کی ضرورت ہے اور وہ ضرورت یہ ہے کہ اگر نرمی سے کہا جائے تو وہ تادیب ہی نہ رہے گی۔"[1]

خط صحیح طریقہ سے بند کرنا:۔

مولانا تھانویؒ کے ہاں معمولی معمولی باتوں میں معاشرت کا لحاظ رکھا جاتا تھا:

"ایک صاحب کا خط آیا اس کو اس طرح بند کیا تھا کہ کھولتے ہوئے پھٹ گیا اس پر حضرت والا نے جواب تحریر فرمایا کہ اس حالت میں یا تو تم کو بند کرنے کی تمیز نہیں یا مجھ کو کھولنے کی تمیز نہیں۔اور بد تمیز نہ مرید ہونے کے لائق ہے اور نہ پیر بننے کے لائق۔اس واسطے اس قصہ کو ختم کر و اور اگر تم نے بند نہیں کیا کسی اور نے بند کیا تو آئندہ بھی ایسے ہی بد تمیز آدمی سے بند کرایا کرو گے تو یہ تکلیف کون برداشت کرے گا۔جواب آیا کہ خط کے اوپر گوند دوسرے شخص نے لگایا تھا حضرت والا کا جواب گیا کہ تم نے خود کیوں نہیں لگایا کیا اپنے کو اتنا بڑا آدمی سمجھتے ہو کہ ایسے معمولی کام بھی دوسروں سے لیتے ہو تو متکبر آدمی بھی مرید ہونے کے لائق نہیں۔"[2]

حسن معاشرت کی اہمیت اور اصول کی پابندی:۔

"ایک صاحب آسیب کا تعویذ لینے کے لیے آئے درخواست پر حضرت والا نے فرمایا کہ میں عامل نہیں ہوں۔یہ عاملوں کا کام ہے۔دوسرے یہ کام تو خط سے بھی ہو سکتا تھا بلا وجہ آپ نے اتنا لمبا سفر کیا اس لیے اگر میں تعویذ دیتا بھی تو اب نہ دوں گا۔تا کہ تم ناکامیاب ہو جاؤ پھر تمہاری روایت سے اور لوگوں کو بھی واقعہ معلوم ہو جائے پھر اس واقعہ کو جو سنیں گے سب کا روپیہ اور وقت بچ جائے گا۔اور اگر میں ایسا نہ کروں تو یہاں پر تو ایک ہجوم ہو جائے۔اور پھر سوائے اس کے اور

---

[1] الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ، 311/1

[2] ملفوظات حکیم الامت، 77/3

toobaafoundation.com

کوئی کام نہ ہو سکے۔ اور آپ سے تعجب ہے کیونکہ آپ تو اس قدر ناواقف نہیں جو ایسی فضول حرکت کی آخر خیریت کا تو خط پہلے سے لکھا ہی کرتے تھے۔ اس ہی میں یہ بھی معلوم کر لیا ہوتا اور جو لوگ محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان ہی سے یہ شکایت ہے دوسروں کی کیا شکایت اور ان تعلیمات میں میں کسی کو اپنا تابع نہیں بناتا صرف یہ بات ہے کہ اصول صحیحہ کا میں خود غلام ہوں اور دوسروں کو بھی اصول صحیحہ ہی کا غلام بنانا چاہتا ہوں مگر لوگوں کو اس سے وحشت ہوتی ہے چاہتے یہ ہیں کہ وہی پرانے رواج کا برتاؤ ہمارے ساتھ بھی کیا جائے اور ہم بھی وہی برتاؤ کریں جس کی عادت ہے۔ اور طبیعت خوگر ہے مگر یہاں پر وہ باتیں نہیں چلتیں مدتوں کے بعد تو باب تعلیم معاشرت کا کھلا ہے۔ اب پھر چاہتے ہیں کہ بند ہو جائے حسن معاشرت کو تو لوگوں نے دین کی فہرست سے نکال ہی دیا تھا۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ ہر کام اصول کے ماتحت ہو اور یہ کہ کسی کو کسی سے اذیت نہ پہنچے۔"[1]

قواعد و ضوابط دوسروں کی راحت کے لیے ہیں:۔

"فرمایا کہ میرے یہاں جو قواعد اور ضوابط ہوئے ہیں اگر ان کے مصالح لکھواؤں تو اچھا خاصہ ایک رسالہ تیار ہو جائے جیسے آیات کا شانِ نزول ہے اسی طرح ان قواعد و ضوابط کا بھی شانِ نزول ہے اور یہ سب کچھ اپنی اور دوسروں کی راحت رسانی کے واسطے ہے ورنہ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ ان قواعد اور ضوابط کی وجہ سے مجھ پر ہر وقت خوف طاری رہتا ہے کہ قیامت میں تجھ سے بھی قواعد دقیقہ کا مواخذہ نہ ہونے لگے اس لیے نہ مجھ کو ان پر ناز ہے اور نہ میں اپنی اصلاح سے بے فکر ہوں ہمیشہ دعاء کرتا ہوں کہ اے اللہ! میں ضعیف ہوں اس لیے میں نے ضوابط مقرر کیے ہیں کہ بے ضابطگی کا متحمل نہیں آپ تو ضعیف نہیں آپ ضابطہ سے کام نہ لیجیے۔"[2]

فن تربیت کے ایک مستقل محکمہ ہونے کی مثال:۔

"فرمایا کہ فن تربیت کے لیے پورے ایک محکمہ کی ضرورت ہے یہ ایک مستقل محکمہ ہے اس میں دار و گیر بھی ہے محاسبہ اور معاقبہ بھی ہے معافی بھی ہے سزا بھی ہے سب ہی کچھ ہے۔ طبیب کے یہاں کیا کچھ نہیں ہوتا سب ہی کچھ ہوتا ہے اور ایک چیز طبیب کے یہاں اور ہوتی ہے وہ فیس ہے یہاں اُس کے مقابل ٹیس یعنی چیس ہے اور یہ کوئی شفقت اور محبت کے منافی نہیں۔ اولاد سے انسان کو کتنی زیادہ محبت ہوتی ہے مگر پھر اس کو مارتا کیوں ہے کیا مارنے پر کہہ سکتے ہیں کہ اس کو اولاد سے محبت نہیں بلکہ محبت ہی سبب ہے مارنے کا اسی طرح میں نے جو یہ طرز اختیار کیا ہے آخر میرا اس میں کیا فائدہ ہے محض

---

[1] ملفوظات حکیم الامت، 257/3

[2] الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ، 44/4

toobaafoundation.com

دوسروں کی اصلاح کی وجہ سے کیا ہے۔ پھر اس کو کیوں منافی شفقت اور محبت سمجھا جاتا ہے۔"[1]

صفائی معاملات کے سبب بدنامی:۔

"ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میری تو جو کچھ بھی حالت ہے وہ کھلی ہوئی ہے میری تو ہر بات الحمد للہ صاف ہوتی ہے اس میں کوئی پالیسی وغیرہ نہیں ہوتی اسی وجہ سے بعضے لوگ مجھ سے ناراض ہیں معاملات کو صاف رکھتا ہوں دوسروں سے بھی یہی چاہتا ہوں اور لوگوں کی عام عادات اس کے خلاف ہے وہ سیدھی سادی اور صاف بات کو بھی اینچ پینچ کر کے الجھا دیتے ہیں۔ میں اس پر متنبہ کرتا ہوں بس یہی لڑائی ہے اور یہی بناء میرے بدنام کرنے کی ہے ورنہ میں کسی سے کچھ مانگتا نہیں کسی کو ستاتا نہیں ہاں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ اصول صحیحہ کا میں بھی پابند رہوں اور تم بھی رہو اس طرز کے مفید ہونے کی تائید میں یہ دیکھ لیجیے کہ عرب کی اصلاح بڑے سے بڑا عاقل بھی کم از کم سوڈیڑھ سو برس پہلے نہیں کر سکتا تھا مگر حضور اقدس جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے چند ہی روز میں کایا پلٹ کر دی جو قلوب ظلمتوں سے پُر تھے اور بتوں کی پرستش اور کفر شرک کا مرکز بنے ہوئے تھے ان کو نور سے معمور اور خدا کی عبادت اور توحید کا مرکز بنا دیا اس کا اصلی راز یہی ہے کہ اصول نہایت صحیح تھے اور پھر حضور ﷺ کی ہر حالت کھلی ہوئی تھی حتیٰ کہ جن واقعات کا تعلق ازواج مطہرات سے تھا وہ بھی کسی پر مخفی نہ تھا حضور ﷺ نے کبھی اس کی پرواہ نہیں کی کہ کوئی معترض و مخالف کیا کہے گا یہی وجہ ہے کہ جو حضرات بھی اس کی حالت کو دیکھ کر ایمان لائے وہ خود بھی نہایت پختہ اور جانباز ثابت ہوئے اور دوسروں کے لیے ایسے مفید ثابت ہوئے کہ تمام عالم کے اندر اسلام کا سکہ جما دیا سب برکت اس کی تھی کہ ان حضرات کے سب کام اصول صحیحہ سے تھے۔"[2]

حاصل بحث:۔

مولانا تھانویؒ نے خانقاہی نظام کے قیام میں تجدیدی اصلاحات کی ہیں۔ خانقاہ امدادیہ میں تمام معاملات شریعت کے مطابق ہوتے تھے۔ مولانا تھانویؒ نے اپنی خانقاہ میں لوگوں کو انسانیت کا درس دیا۔ خانقاہ امدادیہ میں صفائیءِ معاملات پر بہت زور دیا گیا اور مولانا تھانویؒ اس ضمن میں کسی کوتاہی کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ معاشرتی زندگی کے بارے میں جو دین اسلام نے اصول وضع کیے ہیں، مولانا تھانویؒ نے ان اصولوں کی انفرادی و معاشرتی زندگی میں تعمیل پر بہت زور دیا۔

اسلام نے حقوق العباد کی ادائیگی پر بہت زور دیا ہے۔ لیکن عوام اور اکثر لوگوں کی اصلاح سے متعلقہ لوگوں کی عملی زندگی میں حقوق العباد کی ادائیگی کا فقدان اور قحط نظر آتا ہے۔ مولانا تھانویؒ کی اپنی زندگی بھی ان حقوق کی ادائیگی میں ان

---

[1] الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ، 4/75

[2] ایضاً، 5/220

toobaafoundation.com

کے متعلقین کے لیے نمونہ تھی۔ مزید یہ کہ مولانا تھانویؒ حقوق کی ادائیگی کے حوالے سے کسی کی عملی کوتاہی برداشت نہیں کرتے تھے۔ خانقاہ امدادیہ میں مولانا تھانویؒ کی نگرانی میں ہر کام مقررہ وقت پر ہوتا ہے۔ اور ہر چیز کا ایک اصول طے تھا۔

toobaafoundation.com

فصل سوم

مولانا اشرف علی تھانویؒ کے تجدیدی اصول اور عصر حاضر میں ان کے اطلاقات

۔۔۔فوائد و ثمرات

toobaafoundation.com

فصل سوم:

مولانا اشرف علی تھانویؒ کے تجدیدی اصول اور عصر حاضر میں ان کے اطلاقات

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمات ویسے تو دینِ اسلام کے متعلقہ تمام فنون میں ہیں۔ لیکن مولانا تھانویؒ نے اپنی تمام خدمات کو "فن تصوف" کی تجدید میں لگا دیا۔ گویا کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولانا تھانویؒ کو تمام دوسرے علوم اللہ کی طرف سے اس لیے عطا کیے گئے تھے تاکہ وہ اس فن کی تجدید کریں۔ مولانا تھانویؒ کی فن تصوف میں تجدیدی خدمات کا اعتراف سید سلیمان ندویؒ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

"مولانا تھانویؒ نے اپنے تمام علوم و فنون و کمالات کو صرف اسی ایک فن شریف کی خدمت میں لگا دیا اس لیے یہ کہنا گویا صحیح ہے کہ ان کو تمام دوسرے علمی و عملی کمالات دیئے ہی اس لیے گئے تھے کہ اس فن کی تجدید ہو جو دنیا میں کسمپرسی کی حالت میں اور ہندوستان میں بہ حالت غربت تھا، جس کی حقیقت پر تو بر تو پردے پڑ گئے تھے اور جس کی تابانی پر بدعات کی ظلمت غالب آگئی تھی اور جو دکاندار صوفیوں کے ہاتھوں دنیاداری اور کسبِ معاش کے فنون میں سے ایک فن کی حیثیت میں آ گیا تھا اور جہاں اس کا وجود تھا بھی وہ یا محض چند فلسفیانہ خیالات کا مجموعہ ہو کر رہ گیا تھا یا اوراد و وظائف کے ایک نصاب کا، سلف صالحین نے اس فن کے جو ابواب و مسائل منقح کر کے لکھے تھے وہ بالکل ہی فراموش ہو گئے تھے اور خصوصیت کے ساتھ سلوک کی حقیقت اور غایت بالکل ہی چھپ گئی تھی اور جہاں کسی قدر اس کا نام و نشان تھا وہاں علم میں وحدۃ الوجود یا وحدۃ الشہود کی ناقابل افہام و تفہیم بلکہ ناقص تعبیر پر، اور اعمال میں صرف ذکر و فکر و مراقبہ کے چند اصول پر پوری پوری قناعت تھی، طریقت اور شریعت کو دو متقابل حریف ٹھہرا کر ان میں سے ایک کو گرانے کی کوشش کی جا رہی تھی، عام صوفیوں کی زبانوں پر چند جاہلانہ فقرے اور چند متبدعانہ اصول و اعمال رہ گئے تھے جن کو طریقت کا نام بخشا گیا تھا۔[1]

مولانا تھانویؒ کی تجدیدی خدمات سے پہلے کے حالات:۔

سید سلیمان ندویؒ اپنے ایک مضمون بعنوان "حقیقت تصوف کا مکتشف اعظم اور فن حصول احسان و تقویٰ کا مجدد کامل" میں تصوف اور اس کے نام لیواؤں کی کیفیات اور حالات کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

[1] تجدید تصوف و سلوک، ص:13۔14

toobaafoundation.com

"صوفیانہ خانوادوں کی جہالت اور موروثی گدی نشینی کی متواتر رسم نے اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اجتہاد اور مقبولیت کو بھی ایک صنعت گری کا کارخانہ بنا رکھا تھا، خانقاہوں کا کام صرف اعراس و فاتحہ کا اہتمام اور سماع و رقص و قوالی کا انصرام رہ گیا تھا، مقررہ دنوں اور مہینوں میں کچھ لوگ جمع ہو کر فاتحہ خوانی کر لیں، مٹھائی کھالیں اور ایک جگہ بیٹھ کر کسی سازندہ کے ترانے پر ہو حق کر لیں، اور زیادہ بڑھیں تو وحدۃ الوجود کی آڑ پکڑ کر شوخی و بے باکی اور رندی کے اشعار و مضامین پڑھ لیں اور سر دھن لیں۔ چند سینہ بہ سینہ راز تھے جن کو بے سمجھے بوجھے بار بار دہرایا جا رہا تھا تصحیح عقائد، تحسین عبادت، اتباع سنت، اصلاح اعمال اور ادائے حقوق عباد جو اصل دین اور صحیح سلوک تھا وہ ہر جگہ سے مٹ چکا تھا۔ علمائے ظاہر چونکہ باطن کے منکر تھے یا باطن سے ناآشنا تھے اس لیے ان کے پند و نصائح کی حیثیت صوفیوں میں تفصیح ناشناس سے زیادہ نہ تھی، اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ چونکہ طریقت کے اصل راز سے واقف نہیں اس لیے ان کی بات سننے کے قابل نہ تھی اور علمائے ظاہر چونکہ باطن سے منکر یا ناآشنا تھے وہ ان دکاندار صوفیوں کو دیکھ کر اصل فن سلوک کو ضلالت اور گمراہی قرار دینے لگے تھے اور اس کے اصول و مسائل کو خلاف شریعت اور مخالف کتاب و سنت سمجھتے تھے۔"[1]

مولانا تھانویؒ کی تجدیدی خدمات کے اثرات:۔

چودھویں صدی ہجری میں مولانا تھانویؒ نے اپنی تمام صلاحیتوں اور کاوشوں کو کام میں لاتے ہوئے فن تصوف کے احیاء کے لیے کوشش کی، جس کے نتیجے میں لوگ "تصوف" کی حقیقت اور روح سے روشناس ہوئے۔

سید سلیمان ندویؒ کے بقول:

"اس تعلیم و تربیت، تصنیف و تالیف، وعظ و تبلیغ کی بدولت عقائد حقہ کی تبلیغ ہوئی، مسائل صحیحہ کی اشاعت ہوئی، دینی تعلیم کا بندوبست ہوا، رسوم و بدعات کا قلع قمع ہوا، سنن نبوی ﷺ کا احیاء ہوا، غافل چونکے، سوتے جاگے، بھولوں کو یاد آئی، بے تعلقوں کو اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہوا، رسول ﷺ کی محبت سے سینے گرمائے اور اللہ کی یاد سے دل روشن ہوئے۔ اور وہ فن جو جوہر سے خالی ہو چکا تھا، پھر سے شبلیؒ، جنیدؒ اور بسطامیؒ و جیلانیؒ اور سہروردیؒ و سرہندیؒ بزرگوں کے خزانوں سے معمور ہو گیا اور یہ وہ شان تجدید تھی، جو اس صدی میں مجدد وقت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مخصوص فرمائی۔[2]

---

[1] تجدید تصوف و سلوک، ص:14

[2] ایضاً، ص:17

toobaafoundation.com

مولانا تھانویؒ کا "تجدید تصوف" کا اصل کارنامہ:۔

مولانا تھانویؒ کا اس فن کی تجدید کا اصل کارنامہ یہ کہ انھوں نے "تصوف" کے بارے میں پائی جانے والی خرابیوں کا ازالہ کیا اور اپنے مواعظ وملفوظات، تالیفات وتصنیفات سب میں شریعت وطریقت کو سمو دیا اور تصوف اور صوفیاء کے بارے میں لوگوں کے غلط نظریات وآراء کا عادلانہ تنقیدات کرتے ہوئے جواب دیا۔ان کی اس خدمت کے بارے میں مولانا عبد الباری ندوی لکھتے ہیں:

"مولانا تھانویؒ کی تصوف میں تجدید واصلاح کا اصل کارنامہ ظاہر وباطن یا شریعت وطریقت کی علمی وتعلیم جامعیت ہے، یا وہی "ملائیت وصوفیت" کو ملا کر شیر وشکر کر دینا اور جس طرح تجدید کے ہر باب میں حضرت نے محض علم و اصول پر قناعت نہیں فرمائی بلکہ اپنی حد واستطاعت تک اس کو عمل میں لا کر دکھا دیا، اسی طرح شریعت وطریقت کی تعلیم وتدریس تالیف وتصنیف کے صدیوں سے الگ الگ علماء ومشائخ نے جو دو کیمپ قائم فرما دیئے تھے ان کو خود اپنی ساری عملی زندگی اور ساری تقریری وتحریری خدمات میں از سر نو جسم وجان کی طرح ایسا ہم وجود بنا دیا، کہ دونوں میں امتیاز وجدائی داستان ماضی بن کر رہ گئی مواعظ وملفوظات، تالیفات وتصنیفات سب میں دونوں رنگ سمو کر بالکل یک جان وہم رنگ ہو گئے ہیں۔ بہشتی زیور سے لے کر حیات المسلمین اور سب سے آخری تالیفی مجموعہ "بوادر النوادر" سب اسی مجمع البحرین کا نظارہ پیش کرتے ہیں۔ بہشتی زیور جو راقم الحروف کے نزدیک حضرت کی تجدید کا باعتبار تعمیم بنیادی پتھر ہے۔اس میں صوم وصلوٰۃ، نکاح وطلاق، بیع وشراء کے فقہی یا ظاہری احکام کے پہلو بہ پہلو باطنی اخلاق، قلب کی صفائی باطن کی درستی بلکہ پیری ومریدی تک کے مضامین کا پورا ایک حصہ (ساتواں) اس تمہید کے ساتھ شریک ہے کہ اس حصے میں زیادہ مضامین اصلاح قلب کے متعلق ہیں جس کو تصوف اور درویشی کہتے ہیں، اور یہ سب شرع کے اور حکموں کی طرح ضروری ہیں، جن سے بے پروائی نہ برتنا چاہیے۔"[1]

فن تصوف کی "تجدیدی خدمت" کے بارے میں مولانا تھانویؒ کے ملفوظات:۔

مولانا تھانویؒ نے اپنے بعض ملفوظات میں اپنی اس تجدیدی خدمت کا اظہار کیا ہے۔ذیل میں چند ملفوظات ذکر کیے جاتے ہیں:

---

[1] تجدید تصوف وسلوک، ص:32-33

toobaafoundation.com

مدتوں بعد طریق زندہ ہونا۔

مولانا تھانویؒ اپنی فن تصوف کی اس تجدیدی کاوش کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"آج کل ہر شخص محقق مجتہد بننا چاہتا ہے اول تو اصلاح کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے اور اگر کرتے ہیں تو بے ڈھنگے پن سے یہ سب طریق کی بے خبری اور ناواقفیت کی دلیل ہے ایسی ہی بے ڈھنگی بات کی نسبت کسی نے خوب کہا ہے۔

ے اگر غفلت سے باز آیا جفا کی   تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

ایک عالم صاحب نے لکھا تھا کہ تکبر کی حقیقت اور اس کے آثار کیا ہیں میں نے لکھا کہ علاج کراتے ہو یا فن سیکھتے ہو کیونکہ اگر تکبر کی حقیقت اور آثار بتلا دیئے جاتے تو اپنی موجودہ حالت کے تکبر ہونے نہ ہونے کا مدار تو خود ان ہی کی رائے ہوتی جس کا کیا اعتبار عالم تھے غلطی کو سمجھ گئے اور لکھا کہ مجھ سے غلطی ہوئی اور بہت ہی معذرت کے بعد لکھا کہ مجھے یہ دریافت کرنا چاہیے تھا کہ تکبر کا علاج کیا ہے میں نے لکھا یہ بھی طریقہ نہیں کیونکہ ابھی اس کی تشخیص نہیں ہوئی کہ موجودہ حالت تکبر ہے یا نہیں اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اپنی موجودہ حالت لکھ کر یہ پوچھنا چاہیے کہ اگر یہ کوئی مرض ہے تو اس کا کیا علاج ہے مگر طریق کے قواعد وآداب ہی مفقود ہوگئے لوگوں کو بالکل اس سے بے خبری ہے۔ الحمد للہ اب مدتوں کے بعد یہ اصلاح کا طریق زندہ ہوا ہے ورنہ مردہ ہوچکا تھا عوام تو بے چارے کیا چیز ہیں خواص تک اس سے بے خبر تھے۔"[1]

تصوف کا ہر راز آشکار کر دیا گیا:۔

مولانا تھانویؒ اپنی اس دینی خدمت کا شکریہ ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں:

"تصوف کے متعلق ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اجی حضرت کس کا راز اور کس کا اخفا۔ فن کو تو علی الاعلان پکار پکار کر ببانگِ دہل ظاہر کرنا اور شائع کرنا چاہیے اس کی ہر بات صاف ہے میں تو فروع اور اصول سب کھلم کھلا ظاہر کر دیتا ہوں اس کی ضرورت ہے اور سخت ضرورت ہے ہزاروں لاکھوں قسم کی گمراہیوں اور تلبیسیوں میں لوگ مبتلا ہو رہے ہیں اور لاکھوں راہ زن اس راہ پر لگے ہوئے ہیں اس لیے اظہار حقیقت کر کے ان کے مصنوعی مسودوں کو خاک میں ملا دینے کی ضرورت ہے انہوں نے گمراہ کیا ہے اللہ کی مخلوق کو۔"[2]

---

[1] الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ، 5/ 371-372

[2] ایضاً، 1/ 272-273

toobaafoundation.com

طریق کا احیاء اور اللہ کا فضل:۔

مولانا تھانویؒ تصوف کو از سر نو زندہ کرنے کی اس کوشش پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ طریق مجھ کو ملہم (الہام کے ذریعہ بتلایا گیا) ہو گیا ہے یہ تو بڑا دعویٰ ہے مگر ہاں یہ ضرور ہے کہ اجمالاً تو حضرت حاجی صاحبؒ کے ارشادات سے تفصیل اس کی حق تعالیٰ نے محض محبت سے قلب میں وارد فرما دی ہے۔اس کو چاہے الہام سے تعبیر کر لیا جائے اختیار ہے۔خدا کا فضل ہے،انعام ہے،احسان ہے،جو چیز عطا فرمائی گئی ہے۔میں اس کی نفی کر کے کیوں کفران نعمت کروں۔یہ طریق مردہ ہو چکا تھا۔مفقود ہو چکا تھا۔حق تعالیٰ نے اس کے احیاء کی توفیق فرما دی یہی وجہ ہے کہ ناواقفی سے لوگوں کو وحشت ہے قدیم طریق سلف کا گم ہو چکا تھا۔یہاں وہی طریق ہے جو سلف کا تھا مگر اس کے مفقود ہو جانے کی وجہ سے لوگوں کو نیا معلوم ہوتا ہے حالانکہ ہے پرانا۔"[1]

مولانا تھانویؒ کے تجدیدی اصول:۔

"فن تصوف" میں مولانا تھانویؒ کی خدمات و تصنیفات کا مطالعہ کرنے کے بعد درج ذیل تجدیدی اصول کارفرما نظر آتے ہیں:

- **تصوف اور شریعت میں تلازم و تطابق پایا جاتا ہے۔**

اصول تصوف کو اصول شریعت کی روشنی میں ہی پرکھا جائے گا،مولانا تھانویؒ کے اس اصول کے مطابق تصوف اور شریعت میں تلازم و تطابق پایا جاتا ہے۔اس لیے کہ شریعت اگر اسلام کے ظاہری حصہ کا نام ہے تو تصوف اس کے باطنی حصہ کا نام ہے۔لہٰذا اس اصول کے نتیجے میں جو متصوفین "تصوف" کو سینہ بہ سینہ رازوں کا نام قرار دیتے ہیں،ان کی تردید ہوتی ہے۔اور "تصوف" کا نام لے کر جو شریعت کے ظاہری افعال کی خلاف ورزی کرتے ہیں ان کا تصوف سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

- **علمِ تصوف میں اصلاح نفس کے تمام اسالیب صوفیاء کے اجتہادات ہیں۔کیونکہ صوفیاء اپنے علم میں مقام اجتہاد پر فائز ہیں۔لہٰذا صوفیاء کو مجتہدین کی حیثیت جانا اور سمجھا جائے۔اسی طرح صوفیاء اپنی اجتہادی خطاءات پر بھی ماجور ہیں۔**

[1] الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ،3/194-195

toobaafoundation.com

اس تجدیدی اصول کے نتیجے میں مولانا تھانویؒ نے اکابر صوفیاء کا بڑے ہی مدلل اور عادلانہ انداز میں دفاع کیا ہے۔ جن کی طرف میدان تصوف میں اجتہادی غلطیاں منسوب ہیں یا ان کی طرف غلط منسوب کی جاتی ہیں۔ ان اکابر صوفیاء میں شیخ ابن عربیؒ، حسین بن منصور حلاجؒ اور سلسلہ چشتیہ کے سلاطین صوفیاء شامل ہیں۔ مولانا تھانویؒ نے ان سب کا دفاع کیا ہے۔ اور ان کی غلطیوں کو (جو ان کی طرف دانستہ یا نادانستہ منسوب ہیں) اجتہادی غلطیاں قرار دیا ہے۔ لہٰذا وہ اللہ کے ہاں اسی طرح ماجور ہیں جس طرح اجتہادی غلطی میں ماجور ہوتے ہیں۔ چنانچہ مولانا تھانویؒ کے نزدیک ان پر تنقید کرنے کا حق صرف اس شخص کو ہے جو اجتہادی مقام پر فائز ہو۔

- **"مسائل کشفیہ والہامیہ" تصوف کی اصل نہیں۔ اصلاً تصوف، علم تفسیر، فقہ اور کلام کی طرح کا ایک علمِ شریعت ہے۔**

مولانا تھانویؒ نے اپنے اس تجدیدی اصول کے تحت مسائل کشفیہ وکلامیہ کی حقیقت کو بیان کیا ہے اور ان لوگوں کی اصلاح کی ہے جو "مسائل کشفیہ وکلامیہ" کو ہی اصل تصوف قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں مولانا تھانویؒ نے "وحدت الوجود" اور وحدت الشہود" کی عام فہم تشریح کی ہے۔ اور ان کے بارے میں یہ اصلاح کی ہے کہ یہ مسائل کشفیہ "تصوف" کی اصل نہیں ہیں۔ یہ مولانا تھانویؒ کی ایک ایسی تجدیدی کاوش ہے جس نے "عبد الباری ندویؒ" جیسے فلسفہ کے ماہر لوگوں کو متاثر کیا اور ان لوگوں نے "مسائل کشفیہ "کو اصلِ تصوف سمجھنے کی اپنی غلطی کا برملا اظہار کیا۔

- **"علم الاعتبار" ایک مسلمہ علم ہے جبکہ اس پر تفسیر کا اطلاق اصلاً نہیں ہے لہٰذا "تفسیر اشاری" تفسیر نہیں۔**

مولانا تھانویؒ نے اپنے اس تجدیدی اصول کے تحت ان لوگوں کی اصلاح کی ہے جو تصوف کے ہر مسئلہ کو قرآن وحدیث سے ثابت کرنے کے لیے اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں۔ اگر چہ مولانا تھانویؒ نے خود بھی قرآن و حدیث کی نصوص سے مسائل تصوف کا استنباط کیا ہے۔ لیکن ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ تصوف کے "احوال ومشاغل" اور "مسائل کلامیہ وکشفیہ" کے بارے میں اتنا ہی کافی ہے کہ کوئی نص اس کی حمایت کرتی ہو یا اس کی مثبت ہو۔ لیکن مولانا تھانویؒ کے نزدیک کھینچ تان کر اور دور از کار تاویلیں کر کے تصوف کے ہر مسئلے کو کسی نص سے ثابت کرنا درست نہیں ہے۔

toobaafoundation.com

- **صوفیاء کے انفرادی رجحانات ومیلانات اور مواجید واظہارات کو تصوف کا کل نہ سمجھا جائے۔ بلکہ تصوف کو اہلِ علم صوفیاء کی تصریحات سے سمجھا جائے۔**

اس تجدیدی اصول کے تحت مولانا تھانویؒ نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو صرف کسی ایک صاحب الحال "صوفی" کی بات کو لے کر پورے "فن تصوف" کو بدنام کرتے ہیں۔ جب کہ یہ رائے اس فن کے اہلِ علم صوفیاء کی رائے نہیں ہوتی ہے۔

- **اعتراض وتکفیر سے بچتے ہوئے صوفیاء کے اقوال کی تاویل جب تک ممکن ہے، کی جائے۔**

اس اصول کے تحت معاندات اولیاء سے بچتے ہوئے ان کے بارے میں حسن ظن رکھا جائے اور ان کے اقوال کی یا تو تاویل کی جائے یا توقف اختیار کیا جائے۔

مولانا تھانویؒ کے تجدیدی اصولوں کا عصر حاضر میں اطلاق وسفارشات:۔

- ❖ موجودہ دور میں تصوف میں بگاڑ کے اصلاح کے اصول، مولانا تھانویؒ کے تصوف کے بارے میں اصلاحی اصولوں سے حاصل کیے جاسکتے ہیں۔
- ❖ تصوف کی اطلاقی شکل موجودہ دور میں مولانا تھانویؒ کے اصولوں سے ہی واضح ہوتی ہے۔
- ❖ مولانا تھانویؒ کے تجدیدی واصلاحی اصولوں سے جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو دین اسلام کے قریب لایا جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ ان کے اصول متاثر کن ہیں۔ جس طرح کہ مولانا تھانویؒ کے اصولوں نے اس دور کے جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو متاثر کیا، جیسا کہ مولانا تھانویؒ کے خلفاء ومجازین میں جدید تعلیم یافتہ لوگ بھی شامل ہیں۔
- ❖ مولانا تھانویؒ نے جن اصولوں کے تحت قرآن وحدیث سے مسائل تصوف کا استنباط کیا ہے، اگر ان اصولوں کا عصر حاضر میں اطلاق کیا جائے تو تصوف وشریعت میں کوئی تضاد نہیں رہتا۔
- ❖ موجودہ دور میں "فن تصوف" کے اصول ومبادی کو جاننے کے لیے مولانا تھانویؒ کے تجدیدی اصول انتہائی کار آمد ہیں۔
- ❖ فن تصوف کے لوازم اور مقاصد کیا ہیں؟ موجودہ دور میں ان کا ادراک بھی مولانا تھانویؒ کے اصولوں سے ممکن ہے۔
- ❖ موجودہ دور میں اگر کوئی شخص قدیمی تصوف کا ادب جاننا چاہے تو وہ مولانا تھانویؒ کے اصولوں سے جان سکتا ہے۔

toobaafoundation.com

- انفرادی و معاشرتی اصلاح کے لیے عصر حاضر میں مولانا تھانویؒ کے اصلاح کے انفرادی و معاشرتی اصول انتہائی کار آمد اور مفید ہیں۔
- اہلِ علم یعنی علماء کی اصلاح مولانا تھانویؒ کے اصولوں کی روشنی میں انتہائی آسان ہے۔ جس طرح مولانا تھانویؒ نے بڑے بڑے علماء کی اصلاح کی۔
- مولانا تھانویؒ نے ایک ملفوظ میں اس رائے اور خواہش کا اظہار کیا ہے کہ صوفیاء کی کتب کو درسی نصاب میں شامل کرنا چاہیے۔ عصر حاضر میں اگر اس رائے پر عمل کیا جائے تو لوگوں کے دلوں میں اسلام کی محبت پیدا کی جا سکتی ہے اور ان کو امن و آشتی کی فضا مہیا کی جا سکتی ہے۔

toobaafoundation.com

خلاصہ مباحث

toobaafoundation.com

خلاصہ مباحث

صوفی کی وجہ تسمیہ کی تحقیق کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس کی اصل "صوف" زیادہ قرین قیاس ہے۔ابتداء میں تصوف وسلوک کا نام "تزکیہ واحسان" تھا۔لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جس طرح دوسرے فنون کے علیحدہ علیحدہ نام سامنے آئے اسی طرح "تصوف" کا نام بھی ایک اصطلاح کے طور پر سامنے آیا۔اس طرح تصوف وسلوک ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کا اصول ہے کہ وہ ہر صدی میں ایک مجدد کو بھیجتا ہے جو دین اسلام کی تجدید کرتا ہے۔خطہ برصغیر میں بھی مجدد الف ثانیؒ،شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ وغیرہ کی صورت میں مجددین نے اپنے اپنے ادوار میں دین اسلام کی تجدید کی۔چودھویں صدی ہجری میں مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تصوف کی تجدید میں اہم کردار ادا کیا۔تصوف کے آغاز وارتقاء کے بارے میں دو گروہ یا نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں۔1۔روایتی:ان کے نزدیک تصوف کی ابتداء عہد رسالت سے ہوتی ہے۔2۔تحقیقی:یہ لوگ اگرچہ تصوف کی استنادی حیثیت کو مانتے ہیں لیکن اس کی ابتداء کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تصوف کے چار ادوار کا ذکر کیا ہے اور ہر دور کے صوفیاء کا تذکرہ اور اس میں تصوف کی خصوصیات کا بھی ذکر کیا ہے۔جنید بغدادیؒ کے زمانے تک بعض سلاسل تصوف کا تذکرہ ملتا ہے لیکن یہ سارے سلاسل برحق نہ تھے۔لیکن پاک وھند کے چار مشہور سلاسل ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:1۔سلسلہ چشتیہ 2۔سلسلہ سہروردیہ 3۔سلسلہ قادریہ 4۔سلسلہ نقشبندیہ۔حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ اور ان کے خلیفہ مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے مریدین کو چاروں سلاسل پر بیعت کرتے تھے۔لیکن ان کا زیادہ جھکاؤ سلسلہ چشتیہ کی طرف ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ 19 ستمبر 1863ء کو پیدا ہوئے۔آپ نے دینی تعلیم دارالعلوم دیوبند سے حاصل کی۔مولانا تھانویؒ کے اساتذہ میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ،مولانا محمد یعقوبؒ اور مولانا محمود حسنؒ قابل ذکر ہیں۔آپ کے شیخ طریقت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ ہیں۔مولانا تھانویؒ نے مختلف اسلامی فنون اور خاص طور پر فن تصوف میں بہت ساری کتب تصنیف کی ہیں۔مولانا تھانویؒ کا انتقال 19 جولائی 1943ء کو ہوا۔

برصغیر میں وحدت ادیان کی تحریک کا بانی مغل بادشاہ اکبر اعظم تھا۔اکبر نے علماء اسلام سے جان چھڑانے کے لیے آخرکار اپنے مجتہد ہونے کا دعویٰ کر دیا۔اور علمائے سوء کی مدد سے بہت سارے غیر شرعی کام شروع کروا دیئے چنانچہ اکبر کے دور میں "آتش پرستی، آفتاب پرستی، دین اسلام کی تحقیر اور مقام نبوت کی اہانت وغیرہ کا عمل شروع ہوا۔علی میاںؒ کے نزدیک اکبر کا دور ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا سنگین اور خطرناک دور تھا۔اکبر کے "دین الٰہی" کی اشاعت کو شیخ احمد سرہندیؒ (مجدد الف ثانیؒ) نے روکا اور اس کے علاوہ معاشرے کے اندر پائی جانے والی بدعات ورسومات کا خاتمہ کیا۔جو لوگ تصوف کا

toobaafoundation.com

لبادہ اوڑھ کر اسلام کے مطابق زندگی گزارنے سے راہ فرار چاہتے ہیں ان کو متصوفین کہتے ہیں۔ مولانا تھانویؒ نے برصغیر کے اندر گدی نشینی، اعمال بیزاری اور متصوفین کی علمی پس ماندگی کا ذکر کیا ہے۔ برصغیر میں متصوفین نے تصوف کے نام پر دکانداری، بدعات اور غیر شرعی رسومات شروع کی ہوئی ہیں۔

اہل سنت والجماعت کے نزدیک انبیاء اور صالحین کی شفاعت برحق ہے۔ برصغیر میں جاہل صوفیاء اور عوام نے تصور رحمت وشفاعت کا غلط مفہوم لے لیا جس کے نتیجے میں وہ عملی زندگی سے عاری ہوگئے۔ اسلام میں فیض رسانی صلحاء وشیوخ کے قبضہ میں نہیں ہے۔ اسی طرح کسی کو کامل بنا دینا بھی صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ لوگوں نے تبرک اور مدد کے لیے صلحاء ومشائخ کی تصاویر رکھ لیں۔ جب کہ برصغیر میں استمداد غیر اللہ کی متعدد اشکال مثلاً علم میں شرک، تصرف میں شرک، اور عبادت میں شرک کی سامنے آگئیں۔ یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ کی طرح مختلف شرکیہ اقوال لوگوں نے بنا لیے تھے۔ اسی طرح برصغیر میں مزارات اولیاء پر اعراس اور رقص کے نام سے فسق وفجور کا آغاز ہوگیا۔ جاہل عوام نے نہ صرف اہل قبور سے مدد مانگنا شروع کر دی بلکہ ان کو سجدہ کرنا بھی شروع کر دیا۔

مولانا تھانویؒ نے جب برصغیر میں متصوفین کے غیر شرعی اشغال کو دیکھا تو اس کی اصلاح کے لیے "اصلاح الرسوم، حق السماع، تعلیم الدین اور بہشتی زیور جیسی کتب تصنیف کیں۔ مولانا تھانویؒ کے بقول توجہ وتصرف کوئی کمال نہیں بلکہ کوئی فاسق وفاجر بھی اس کو اپنے اندر محنت سے پیدا کر سکتا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی مزارات پر ہونے والی بدعات کا بڑی شد ومد سے رد کیا تھا۔ ان کے زمانے میں بھی جاہل عوام اور متصوفین اولیاء کی قبور کے گرد چکر لگاتے، ان پر غلاف ڈالتے اور ان کو چومتے تھے، جو کہ شرعی طور پر حرام افعال ہیں۔ ڈھولک یا سارنگی سے سماع متصوفین میں رواج پا گیا ہے۔ اسی طرح انہوں نے "وجد" کی آڑ لے کر رقص بھی شروع کر دیا۔

برصغیر میں بہت سے غیر اسلامی نظریات اسلامی تصوف میں شامل ہوگئے یا دانستہ طور پر شامل کر دیے گئے۔ جس طرح تصوف میں نظریہ باطنیت عبداللہ بن سبا کی تحریک کا داخل کیا ہوا فتنہ ہے۔ اسی طرح بیکتاشی اور نوربخشی فرقہ کے لوگ بھی اسلامی تصوف میں شیعت کے اثرات کی وجہ سے داخل ہوگئے جب کہ ان کی تعلیمات اسلام سے بالکل متصادم ہیں۔

مولانا تھانویؒ نے بیعت کی حقیقت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ "بیعت" کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا ہے۔ اس طرح صرف بیعت نجات کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ اصل تو اعمال ہیں۔ اگر کسی کے اعمال درست نہیں ہیں تو کوئی شیخ یا پیر اس کی بخشش نہیں کروا سکتا ہے۔

toobaafoundation.com

اسی طرح ہمارے معاشرے میں بہت سے متصوفین پائے جاتے ہیں جو لوگوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں مولانا تھانویؒ نے شیخ کامل کے اوصاف بیان کر کے طریقت کے ان رہزنوں کی دکان پر قدغن لگادی ہے۔ لہٰذا اسلامی تصوف میں وہی شخص قابلِ اعتبار و تقلید ہے جس کی عملی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے۔

صوفیاء کے اشغال واحوال تصوف کی اصل نہیں ہیں۔ اور نہ ہی یہ "مقصود بالذات" ہیں۔ بعض صوفیاء نے ایسے اشغال اس لیے اختیار کیے کہ ان کے تجربات کی بناء پر یہ وقتی طور پر کسی وہم اور وسوسہ کو دور کرنے کے لیے معاون ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ایسے اشغال مفضی الی المعصیت ہوں تو وہ واجب الترک ہیں۔ اسی طرح موجودہ دور میں سماع کی حقیقت کو بھلا دیا گیا ہے اور اس حوالے سے متقدمین صوفیاء کی مقرر کردہ شرائط کا لحاظ نہیں رکھا جا رہا ہے۔ مولانا تھانویؒ نے بھی سماع کے بارے میں یہی کہا ہے کہ اگر یہ "تصوف" کا باقاعدہ جزو ہوتا تو صوفیاء باقاعدہ اس کو اپنے معمولات میں لاتے یا اپنے مریدین کو اس کا باقاعدہ حکم دیتے۔ جب کہ یہ بات صوفیاء کی سیرت میں نظر نہیں آتی ہے۔

صوفیاء سے بعض احوال میں جو خلاف شرع اقوال (شطحیات) صادر ہوئے ہیں، ان کے غلبہ حال کی وجہ سے انہیں معذور سمجھا جائے۔ لیکن اگر ان صاحبِ حال بزرگوں کی کوئی ایسی بات خلاف شرع ہو اور اسلامی حد جاری ہوتی ہو تو وہ حد ان پر جاری کی جائے گی۔ جیسا کہ ابنِ منصورؒ کے ساتھ کیا گیا۔

اسی طرح مولانا تھانویؒ نے اپنے متعلقین کو شیخ اکبر ابن عربیؒ کی کتب نہ دیکھنے کا مشورہ دیا ہے۔ ان کی رائے میں اگر کوئی شخص تصوف کے فن میں اجتہاد کا درجہ رکھتا ہو تو وہ ان پر تنقید کر سکتا ہے۔ بسا اوقات ایک انسان محبت طبعی اور عقلی میں فرق نہیں کر پاتا اسی طرح اختیاری و غیر اختیاری کاموں میں فرق کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ مولانا تھانویؒ نے ان اشکالات کو بڑے سہل انداز میں حل کیا ہے۔ ان کے بقول محبت طبعی وہ ہے جو انسان کی فطرت میں ودیعت کر دی گئی ہے۔ اور محبت عقلی وارادی وہ ہے جو قصد وارادہ کے ساتھ کی جائے۔ انسان محبت طبعی کے ازالہ کا مکلف نہیں ہے۔ مولانا تھانویؒ کے نزدیک عقلی محبت کی زیادہ ضرورت ہے۔ اس لیے کہ اس میں دوام وثبات ہوتا ہے۔ اسی طرح جن چیزوں کا حصول اختیار میں نہ ہو اس کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے۔ جب کہ تصوف میں انفعالات (کیفیات) مطلوب نہیں اس لیے ان کی فکر کرنا اپنے لیے پریشانی خریدنا ہے۔ مولانا تھانویؒ کے نزدیک اگر تخیلات کا ہجوم ہو تو کسی نیک کام کی طرف متوجہ ہونا چاہیے، پھر بھی وساوس و خیالات ختم نہ ہوں تو یہ انسان کے اختیار میں نہیں۔ مولانا تھانویؒ کے نزدیک وساوس بھی غیر اختیاری ہیں۔ اس سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

toobaafoundation.com

مولانا تھانویؒ کے بقول غیر اختیاری واختیاری کا مسئلہ نصف سلوک ہے۔اس مسئلہ کے نہ جاننے کی وجہ سے ایک عالم پریشان ہے۔جنت یادوزخ کا دخول بھی اختیاری ہے۔اس لیے کہ جنت یادوزخ کے فیصلے کا انحصار عمل پر ہے اور عمل اختیاری چیز ہے۔بعض اوقات غیر اختیاری کاموں میں مصروف ہونے کی وجہ سے باطنی ضرر کا خدشہ ہوتا ہے۔

تفسیر اشاری صوفیانہ طرز واسلوب پر کی گئی تفسیر کو کہتے ہیں۔تفسیر اشاری اور علم الاعتبار کا ذکر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے "الفوز الکبیر" میں تفسیر کے مناہج میں بھی کیا ہے۔علامہ زرقانیؒ نے تفسیر اشاری کی قبولیت کے لیے شرائط ذکر کی ہیں جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ورنہ یہ تفسیری اسلوب قابل قبول نہیں ہے۔مولانا تھانویؒ نے علم الاعتبار کے حوالے سے دو کتب "تائید الحقیقۃ بالآیات العتیقۃ" اور مسائل السلوک من کلام ملک الملوک" لکھی ہیں۔

بقول مولانا تھانویؒ بزرگوں کی تعظیم میں غلو نہیں کرنا چاہیے۔اسی طرح مجاہدات پر نظر اور عجب نہیں ہونا چاہیے۔اسلامی تصوف میں خلاف سنت کسی خفیہ تعلیم کا ثبوت نہیں ہے۔اسی طرح اولیاء کے مزارات پر فجور اور بدعات کا صدور قباحت میں زیادہ شدید ہے۔تکالیف شرعیہ کے ساقط ہونے کا عقیدہ الحاد محض ہے۔اگر کسی شخص کا عمل شریعت کے مخالف ہو تو اس کے کمال کا دعویٰ باطل ہے۔اسی طرح اگر کسی دینی خرابی کا خدشہ ہو تو صلحاء کے تبرکات وآثار کو ترک کرنا واجب ہے۔

صوفیانہ ادب میں ضعیف روایات کے پائے جانے کی ایک وجہ یہ ہے کہ صوفیاء جرح وتعدیل کو غیبت شمار کرتے تھے۔اور امام احمد بن حنبلؒ کے قول کے مطابق دوسری وجہ یہ ہے کہ "فضائل اعمال" سے متعلقہ احادیث کو ذکر کرتے ہوئے محدثین سند میں نرمی برتتے ہیں۔احادیث سے مسائل تصوف کے استنباط میں مولانا تھانویؒ کی دو کتب قابل ذکر ہیں:التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف اور حقیقۃ الطریقۃ من السنۃ العتیقۃ۔مولانا تھانویؒ نے لکھا ہے کہ دنیا میں اللہ کی رؤیت ناممکن ہے۔بعض صوفیاء کا دعویٰ دنیا میں دیدار الٰہی کے حوالے سے باطل ہے۔اگر بلند آواز میں ذکر کرنے سے کسی کو تکلیف نہ ہو تو جائز ہے۔مولانا تھانویؒ کے بقول مجاہدات اجتہادیہ میں حد سے تجاوز نہ کرنا چاہیے۔اسی طرح اگر کسی شخص سے لوگوں کا فائدہ وابستہ ہو تو اسے گوشہ نشین نہیں ہونا چاہیے۔

بعض متشدد دین حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں مولانا تھانویؒ نے حدیث کی روشنی میں ان لوگوں کا رد کیا ہے۔اسی طرح اللہ کی اطاعت میں یہ قصد کرنا کہ لوگوں کی نظر میں میری قدر ہو ریا کہلاتی ہے۔جب کہ مولانا تھانویؒ کے نزدیک توکل یہی ہے کہ کام خدا کے سپرد کر کے تدبیر کی جائے اور جو اللہ بتائے وہ کرتے رہنا چاہیے۔تلازم وتطابق کا مطلب ہے دو چیزوں کا آپس میں لازم وملزوم ہونا یعنی ایک چیز دوسری کے بغیر نہیں رہ سکتی۔جس طرح فقہ اور تصوف کا معاملہ ہے۔فقہ کی اصطلاحی تعریف یہ ہے "معرفۃ النفس مالھا وماعلیھا" اور یہ تعریف امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے، جس میں شریعت

toobaafoundation.com

وتصوف دونوں کا ذکر ہے۔ مولانا تھانویؒ نے دین وشریعت کے پانچ حصے شمار کیے ہیں۔ ان میں سے پانچواں "تصوف" ہے جس کو شریعت میں اصلاحِ نفس کہتے ہیں۔

مولانا تھانویؒ کے نزدیک اگر عقل اور فطرت میں تصادم ہو تو اس وقت شریعت پر عمل کیا جائے گا۔ کیونکہ اسلامی شریعت میں تمام مصلحتوں اور مضرتوں کی رعایت ہے۔ اسلام میں ولایت کا معیار دو چیزیں (ایمان اور تقویٰ ہیں) ان دونوں کا حصول اصلاح باطن پر موقوف ہے اس لیے اصلاح باطن بھی فرض ہے۔ مولانا تھانویؒ کے نزدیک جس طرح کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الزکوٰۃ فقہ کے الگ الگ باب ہیں، اسی طرح "کتاب التصوف" بھی فقہ کا حصہ ہے۔ حدیث جبریلؑ میں "احسان" کی تعلیم دی گئی ہے اسی احسان کا نام بعد میں "تصوف" رکھ دیا گیا ہے۔

مولانا تھانویؒ کے بقول تصوف کے صحیح اصول قرآن وحدیث میں موجود ہیں۔ اور مولانا تھانویؒ کی اکثر تصانیف میں شریعت وطریقت میں تلازم ملتا ہے۔ صوفیاء کے ہاں بعض مسائل کشفیہ وکلامیہ ہیں، ان میں سر فہرست "وحدۃ الوجود" اور "وحدۃ الشہود" ہیں۔ مولانا تھانویؒ نے ان مسائل کی تحقیق کے لیے ایک مدلل رسالہ "ظہور العدم بنور القدم" کے نام سے لکھا ہے۔ جو آپ کے مجموعہ رسائل "بوادر النوادر" میں شامل ہے۔

وحدۃ الوجود کا معنی ہے "وجود کا ایک ہونا" یعنی گو دوسرا ہے سہی مگر ایسا ہی ہے جیسا نہیں ہے۔ مولانا تھانویؒ نے ان مسائل کشفیہ کو عام فہم بنانے کے لیے مختلف مثالیں دی ہیں۔ مثلاً جگنو دن کو بھی موجود ہوتا ہے لیکن وہ سورج کے سامنے نظر نہیں آتا۔ اسی طرح حسینؒ بن منصور نے اپنے کو مٹانے کے لیے "انا الحق" کہا تھا۔ اس لیے وہ مقبول ہوا۔ جب کہ مولانا تھانویؒ کے نزدیک ان مسائل کا تعلق احوال سے ہے اقوال سے نہیں ہے۔ مولانا تھانویؒ کے ہاں ان مسائل میں بلاضرورت گفتگو کرنا سخت محل خطر وخلاف مسلک صالحین ہے۔ اس لیے کہ یہ مسائل ظنی ہیں یقینی نہیں ہیں۔ جب کہ دوسری طرف اس مسئلہ کے قائلین وعدم قائلین دونوں اس مسئلہ کو مبہم رکھنے کے قائل ہیں۔ مولانا تھانویؒ نے لطائف ستہ اور دوائر کے بارے میں بھی اپنے متعلقین کو یہی حکم دیا ہے کہ ان کی طرف توجہ نہ کریں۔ اس لیے کہ یہ تصوف میں مقصود بالذات نہیں ہیں۔

مولانا تھانویؒ کی رائے کے مطابق خانقاہ اصل میں "خانگاہ" ہے، جو فارسی زبان کا لفظ ہے لیکن معرب ہونے کی وجہ سے "خانقاہ" بن گیا۔ اور عربی زبان میں "رباط" کا لفظ بھی اسی معنی میں مستعمل ہے۔ خانقاہی نظام "بدعت" نہیں ہے اور نہ ہی "مسجد" کے مقابلے میں ایک نئی عبادت گاہ کا تصور ہے۔ بلکہ یہ نظام ہر دور میں مسلمانوں کی اصلاح کے لیے مفید رہا ہے۔ مولانا تھانویؒ نے خانقاہی نظام میں تجدیدی تبدیلی کی۔ جس کا اعتراف بہت سارے افراد نے کیا ہے اور اس کے

toobaafoundation.com

دوررس اثرات بھی مرتب ہوئے۔ خانقاہ امدادیہ (تھانہ بھون) میں اصول وضوابط سب کے لیے ایک جیسے تھے اور کوئی شخص بھی ان اصولوں سے مستثنیٰ نہ تھا۔ مولانا تھانویؒ کے نزدیک شیخ اور خانقاہی نظام کا اصل مقصد لوگوں کی صحیح اسلامی خطوط پر اصلاح ہے نہ کہ مریدین اور متعلقین سے مال اور تحائف بٹورنا۔ جب کہ مولانا تھانویؒ کی نگرانی میں خانقاہ امدادیہ میں تمام معاملات شریعت کے مطابق ہوتے تھے۔ اور اس خانقاہ میں لوگوں کو انسانیت کا درس دیا جاتا تھا۔ اسی طرح خانقاہ امدادیہ میں صفائی معاملات پر بہت زور دیا گیا اور مولانا تھانویؒ اس ضمن میں کسی کوتاہی کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ معاشرتی زندگی کے بارے میں جو دین اسلام نے اصول وضع کیے ہیں، مولانا تھانویؒ نے ان اصولوں کی انفرادی ومعاشرتی زندگی میں تعمیل پر بہت زور دیا ہے۔

دین اسلام نے حقوق العباد کی ادائیگی پر بہت زور دیا ہے۔ لیکن عوام اور اکثر لوگوں کی اصلاح سے متعلقہ لوگوں کی عملی زندگی میں حقوق العباد کی ادائیگی کا فقدان اور قحط نظر آتا ہے۔ مولانا تھانویؒ کی اپنی زندگی بھی ان حقوق کی ادائیگی میں ان کے متعلقین کے لیے نمونہ تھی۔ مزید یہ کہ مولانا تھانویؒ حقوق کی ادائیگی کے حوالے سے کسی کی عملی کوتاہی برداشت نہیں کرتے تھے۔

موجودہ دور میں تصوف میں بگاڑ کے اصلاح کے اصول، مولانا تھانویؒ کے تصوف کے بارے میں اصلاحی اصولوں سے حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح تصوف کی اطلاقی شکل موجودہ دور میں مولانا تھانویؒ کے اصولوں سے ہی واضح ہوتی ہے۔ مولانا تھانویؒ کے تجدیدی واصلاحی اصولوں سے جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو دین اسلام کے قریب لایا جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ ان کے اصول متاثر کن ہیں۔ جس طرح کہ مولانا تھانویؒ کے اصلاحی اصولوں نے اس دور کے جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو متاثر کیا، جیسا کہ مولانا تھانویؒ کے خلفاء ومجازین میں جدید تعلیم یافتہ لوگ بھی شامل ہیں۔ مولانا تھانویؒ نے جن اصولوں کے تحت قرآن وحدیث سے مسائل تصوف کا استنباط کیا ہے، اگر ان اصولوں کا عصر حاضر میں اطلاق کیا جائے تو تصوف وشریعت میں کوئی تضاد نہیں رہتا۔

موجودہ دور میں "فن تصوف" کے اصول ومبادی کو جاننے کے لیے مولانا تھانویؒ کے تجدیدی اصول انتہائی کار آمد ہیں۔ فن تصوف کے لوازم اور مقاصد کیا ہیں؟ موجودہ دور میں ان کا ادراک بھی مولانا تھانویؒ کے اصولوں سے ممکن ہے۔ موجودہ دور میں اگر کوئی شخص قدیمی تصوف کا ادب جاننا چاہے تو وہ مولانا تھانویؒ کے اصولوں سے جان سکتا ہے۔ انفرادی ومعاشرتی اصلاح کے لیے عصر حاضر میں مولانا تھانویؒ کے اصلاح کے انفرادی ومعاشرتی اصول انتہائی کار آمد اور مفید ہیں۔ اسی طرح اہلِ علم یعنی علماء کی اصلاح مولانا تھانویؒ کے اصولوں کی روشنی میں انتہائی آسان ہے۔ جس طرح مولانا تھانویؒ نے بڑے بڑے علماء کی اصلاح کی ہے۔

toobaafoundation.com

خلاصہ بحث کو ختم کرتے ہوئے راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اسلامی تصوف کے مطالعہ میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تجدیدی واصلاحی خدمات پر اس مقالہ سے پہلے اعلیٰ سطح پر تحقیقی کام نہیں ہوا ہے۔لٰہذا امید ہے کہ قارئین کو اس علمی وتحقیقی کاوش سے فائدہ حاصل ہو گا۔اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے اور قارئین کے لیے باعث نفع بنائے۔آمین یا رب العالمین۔وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

toobaafoundation.com

تجاویز و سفارشات

toobaafoundation.com

تجاویز وسفارشات

مولانا تھانویؒ کی علمِ تصوف پر گراں قدر تصنیفات و تحریرات درج ذیل حوالوں سے تحقیقی کام کی منتظر ہیں۔ اہلِ علم ان موضوعات پر تحقیقات کے ذریعے مولانا تھانویؒ کے علمی کام کو مزید توضیح و تجزیہ کے عمل سے گزاریں۔

1۔ مولانا کی تفسیر بیان القرآن میں جو تصوف و سلوک سے متعلق اصول و نکات بیان ہوئے ہیں وہ سب کے سب اردو زبان میں نہیں ڈھل پائے، بلکہ ان کا ایک بڑا حصہ ابھی بھی عربی زبان میں بیان القرآن کا حصہ ہے اور صرف منتخبات کا اردو ترجمہ "مسائل السلوک من کلام ملک الملوک" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اس عربی میں موجود علمی مواد کو عنوان بندی اور ترتیبِ نو کے ساتھ اردو ترجمے میں ڈھالنا اہلِ علم کی توجہ کا منتظر ہے۔

2۔ مولانا تھانویؒ نے تفسیر اشاری میں نئے اسلوب کی بنیاد رکھی اور قدیم صوفیاء کی تفسیری کاوشوں کے برعکس اپنی ایسی تفسیری تعبیرات کو ذوق و وجدان کی بجائے اصولوں کی روشنی میں استنباط و استخراج کیا ہے، ان کے ہاں اشارۃ النص کا اطلاق، مفہومِ موافق کا اطلاق، استنباطِ عقلی، مناسبتِ لفظی سے مناسبتِ معنوی کی طرف تصریف، دلالتِ التزام اور دلالتِ اقترانِ ذہنی کا اطلاق جگہ جگہ موجود ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کے تفسیرِ اشاری کے اصولوں کو ان کے استنباطات سے استخراج کر کے شواہد و نظائر کے ساتھ مکمل توضیحات کے ہمراہ پیش کیا جائے اور قدیم تفاسیر اشاری پر اس کی علمی فوقیت و انفرادیت کو واضح کیا جائے۔

3۔ مولانا تھانویؒ نے علمِ تصوف کے اساسی مسائل کے اثبات کے سلسلے میں اصولِ حدیث کی بہت نادر مباحث کی ہیں۔ مسائل تصوف کے ثبوت میں احادیث سے استدلال کرتے ہوئے انہوں نے رد و قبولِ حدیث اور متن و سند سے متعلق ایسے علمی مباحث کیے ہیں جو اجتہادی بصیرت اور رسوخ فی علم الحدیث کے آئینہ دار ہیں۔ ان تمام اصولی مباحث کو تصوف کے اطلاقات کے ساتھ علیحدہ طور پر تحلیل و تجزیہ کے ساتھ پیش کیا جائے۔

toobaafoundation.com

مصادر و مراجع

toobaafoundation.com

مصادرومراجع

* القرآن الکریم

عربی کتب

* ابن الاثیر،ابوالسعادات المبارک بن محمد الجزری،مجدالدین،جامع الاصول فی احادیث الرسول، تحقیق:عبدالقادرالارنؤوط،دارالفکر،بیروت، ۱۹۷۲ء

* ابن خلدون ، عبدالرحمٰن ، ابوزید ،ولی الدین، مقدمہ ابنِ خلدون ، دارالفکر، بیروت، ۲۰۰۳ء

* ابن الصلاح، عثمان بن عبدالرحمٰن، ابو عمرو، مقدمہ ابن الصلاح ، المحقق، عبد اللطیف الھمیم، ماھر یاسین الفحل، دارالکتب العلمیة، بیروت،۲۰۰۲ء

* ابن عابدین ، ردالمحتارمع درالمختار، دارالفکر،بیروت، ۱۹۹۲ء

* ابن العربی،محمد بن علی بن محمد،محی الدین،ابوبکر،فصوص الحکم،دارالکتب العربی،بیروت،س-ن

* ابن النحاس،احمد بن ابراھیم،محی الدین،ابوزکریا،الدمشقی،تنبیہ الغافلین عن اعمال الجاہلین وتحذیر السالکین عن افعال الھالکین، دارالکتب العلمیہ،بیروت،لبنان،س-ن

* ابن تیمیہ ،أحمد بن عبد الحلیم ، مجموع الفتاوی ،دار الوفاء، ۱۴۲۶ ھ/ ۲۰۰۵ م

* ایضاً، الصوفیة و الفقراء ، مطبوعة المدنی المؤسسة السعودیہ بمصر ، القاہرہ ،س-ن

* ابن ماجہ،محمد بن یزیدقزوینی،سنن ابن ماجہ،تحقیق:شعیب ارنؤوط، دارالرسالة العلمیة،بیروت،لبنان،۲۰۰۹ء

* ابوداؤد،سلیمان بن اشعث،سجستانی ،سنن ابی داود،تحقیق:شعیب ارنؤوط،دارالرسالة العلمیة،بیروت،لبنان،۲۰۰۹ء

* الاصفہانی،احمد بن عبداللہ،ابو نعیم،حلیة الاولیاء وطبقات الاصفیاء، مطبعة السعادة القاھرة،۱۳۷۹ھ

* الافریقی المصری،ابن منظور،محمد بن مکرم،لسان العرب،دار صادر،بیروت، س-ن

* الموسوعة الفقہیة الکویتیة،وزارة الاوقاف والشئون الاسلامیہ،کویت،۱۴۲۷ھ

toobaafoundation.com

* آلوسی،محمود بن عبد اللہ ۔شہاب الدین، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، دارالکتب العلمیہ ،بیروت، ۱۴۱۵ھ

* البخاری،محمد بن اسماعیل،ابوعبداللہ،الجامع الصحیح،دار ابن کثیر الیمامۃ،بیروت،۱۳۷۹ھ

* البدوی،عبدالرحمن،الدکتور،تاریخ التصوف الاسلامی من البدایۃ حتی نہایۃ القرن الثانی،وکالۃ المطبوعات،الکویت،۱۹۷۸ء

* البیات،بیت اللہ ،الشیخ، ،معجم الفروق اللغویۃ،مؤسسۃ النشر الاسلامی،قم المشرفۃ،۱۴۱۲ ھ

* البیہقی،احمدبن حسین بن علی،ابو بکر،السنن الکبریٰ،مجلس دائرۃ معارف النظامیہ ہند،۱۳۴۴ھ

* الترمذی،محمد بن عیسیٰ بن سورۃ،ابو عیسیٰ،الجامع السنن،دارالکتب العلمیۃ،بیروت،۲۰۰۰ء

* التفتازانی، مسعود بن عمر، سعد الدین، شرح التلویح علی التوضیح، مکتبہ صبیح، مصر، س، ن

* الجامی،عبدالرحمن،ابوالبرکات،نفحات الانس من حضرات القدس،دار التراث العربی،بیروت،س۔ن

* الجرجانی،علی بن محمد بن علی،التعریفات،تحقیق:ابراھیم الابیاری،دار الکتاب العربی، بیروت،۱۴۰۵ھ

* الجوزی،عبدالرحمن،ابوالفرج،تلبیس ابلیس،المطبعۃ الحدیثۃ القاھرۃ،۱۹۸۱ء

* الجوزیۃ،محمدبن القیم،ابوعبداللہ،شمس الدین،عدۃ الصابرین وذخیرۃ الشاکرین،مکتبۃمحمد علی صبیح واولادہ،مصر،س۔ن

* الجیلانی،عبدالقادر،الشیخ،فتوح الغیب،المکتبۃ الحلبی،القاھرۃ،۱۹۷۳ء

* الخطیب البغدادی، احمد بن علی ثابت بن احمد بن مہدی، الکفایۃ فی علم الروایۃ، المحقق :ابو عبداللہ الصورقی، ابراھیم حمدی المدنی، المکتبۃ العلمیۃ، مدینہ منورہ، س۔ن

* الخطیب تبریزی،ابو عبداللہ،محمدبن عبداللہ،مشکوٰۃ المصابیح، تحقیق:محمد ناصر الدین البانی،المکتب الاسلامی،بیروت،لبنان،۱۹۸۵ء

* الدہلوی،ولی اللہ ،شاہ،الفوزالکبیر فی اصول التفسیر، دار الصحوۃ، القاھرۃ، ۱۴۰۷ھ

* الدہلوی،ولی اللہ ،شاہ،حجۃ اللہ البالغۃ،دار الکتب الحدیثہ، القاہرہ،س۔ن

toobaafoundation.com

* الزبیدی ،محمد بن محمد بن عبدالرزاق ،مرتضی ،تاج العروس من جواھرالقاموس ، دارالفکر، بیروت لبنان،۱۹۹۴ء

* الزرقانی ، محمد عبدالعظیم ، مناہل العرفان فی علوم القرآن ، مطبعہ عیسی البابی الیحیی وشرکاءہ ، س-ن

* الزرکشی، محمد بن عبداللہ، بدرالدین، البحر المحیط فی اصول الفقہ، المحقق: محمد محمد تامر، دارالکتب العلمیة، بیروت، ۲۰۰۰ء

* زکریا ، ابو الحسین احمد بن فارس ، "مقاییس اللغة "، دار احیاء التراث العربی ، بیروت- لبنان ، س-ن

* الزیات ،ابراھیم مصطفیٰ احمد، المعجم الوسیط ، الشروق الدولیة، مصر ۲۰۰۴ء

* السهارنپوری، خلیل احمد، مولانا، بذل المجھودفی حل سنن أبی داؤد، دارالبشائرالاسلامیة، بیروت، لبنان، ۲۰۰۶ء

* السهر وردی،شهاب الدین ابن عمر،ابو حفص،عوارف المعارف،مطبعة السعادة القاھرة،۱۹۷۱ء

* السهروردی،ضیاء الدین،ابوالنجیب،آداب المریدین ،دار الوطن العربی،القاھرة،س-ن

* الشعرانی،عبدالوھاب،الطبقات الکبریٰ،دارالفکر العربی،القاھرة،س-ن

* شمس الدین، محمد بن حمزہ بن محمد، فصول البدائع فی اصول الشرائع، المحقق: محمد حسین محمد حسن اسماعیل، دارالکتب العلمیة، بیروت، ۲۰۰۶ء

* شھاب الدین، احمد بن محمد مکی، ابو العباس، عیون البصائر فی شرح الاشباہ والنظائر، دارالکتب العلمیة، بیروت، ۱۹۸۵ء

* الشیبانی،محمدبن حسن،امام،موطا،قدیمی کتب خانہ،کراچی،س-ن

* صدیقی، محمد اسحاق، الفکرة السنیة والحاجة الیھا،الجامعة الاسلامیة بالمدینة المنورة،۱۴۰۳ھ

* الطبرانی،سلیمان بن احمد بن ایوب،المعجم الکبیر للطبرانی،تحقیق:فریق من الباحثین،الطبعة ،۲۰۰۶ء

* الطوسی،سراج،ابو نصر،اللمع فی التصوف،دارالکتب الحدیثة القاھرة،۱۹۶۰ء

toobaafoundation.com

* عبدالعزیز بن احمد بن محمد، علاء الدین،کشف الاسرار شرح اصول البزدوی۔ دارالکتاب الاسلامی، س، ن

* عبد رب الرسول، قاضی، دستورالعلماءو جامع العلوم فی اصطلاحات الفنون، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۲۰۰۰ء

* عثمانی، ظفر احمد، مولانا ، اعلاء السنن، تحقیق: جازم القاضی ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۷ء

* عظیم آبادی، شمس الحق، مولانا، عون المعبود، دارالفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۷۹ء

* علی بن اسماعیل،ابوالحسن،المحکم والمحیط الاعظم،تحقیق:عبدالحمید ہنداوی،دار الکتب العلمیۃ، بیروت،۲۰۰۰ء

* العمرانی، یحییٰ بن ابی الخیر، الانتصار فی الرد علی المعتزلۃ القدریۃ الاشرار، تحقیق:سعود بن عبد العزیز الخلف،اضواء السلف،الریاض، ۱۹۹۹ء

* العمری ،صالح بن محمد، شیخ، الشہیر الباقلانی ، ایقاظ الھمم اولی الابصار، دارالفتح للطباعۃ و النشر والتوزیع، بیروت، ۱۹۹۷ء

* الغزالی، محمد بن محمد، ابوحامد، احیاء علوم الدین، دارالمعرفۃ، بیروت، س،ن

* القرطبی ، محمد بن احمد بن ابی بکر ابو عبداللہ ، الجامع لاحکام القرآن ، تحقیق : احمد ابردونی و ابراہیم الحفیض ۔ دارالکتب المصریہ ، القاہرہ ، ۱۹۶۴ء

* القشیری، عبد الکریم بن ہوازن، ابو القاسم، الرسالۃ القشیریۃ، المطبعۃ العامرۃ العثمانیہ، مصر، ۱۳۰۴ھ

* کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃالمصابیح، دارالاحیاءالتراث العربی، بیروت، لبنان، ۲۰۰۴ء

* لکھنوی،عبدالحی ، مولانا، نزھۃالخواطروبھجۃالمسامع و النواظر، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۱۹۹۳ء

* لوئیس معلوف السیوعی ،المنجد ، المکتبہ الشرقیہ ، بیروت۔ لبنان ، ۱۹۹۴ء

* المجددی،محمد امین الاحسان، البرکتی، قواعدالفقہ، الصرف پبلشرز،کراچی،۱۹۸۶ء

toobaafoundation.com

* محمد فؤاد عبد الباقی،اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیه الشیخان، دارالفکر،بیروت،س۔ن

* المناوی ،محمد عبدالرؤف،التوفیق علی مهمات التعریف،دار الفکر المعاصر،بیروت، ۱۴۱۰ھ

* ایضاً، فیض القدیر(شرح الجامع الصغیر) ،المکتبة التجارة الکبریٰ، مصر، ۱۹۳۸ء

* الهندی،علی بن حسام الدین،علاؤالدین،کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال،المحقق:بکری حبانی،صفوة الصقا،مؤسسة الرساله،۱۹۸۱ء

اردو کتب

☆ آباد شاہ پوری، حضرت مجدد کے سیاسی مکتوبات، مکتبہِ چراغِ اسلام، لاہور، ۱۹۷۷ء

☆ ابرار علی ،سید،ڈاکٹر،حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا طریقہ اصلاح،بیت العلوم ،لاہور،س۔ن

☆ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ، دانش گاہ پنجاب ، طبع اول، ۱۹۶۲ ء

☆ اللہ یار خان، مولانا، دلائل السلوک، ادارۃ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان منارہ، چکوال، ۲۰۰۹ء

☆ انصاری ، محمد عبد الحق ،ڈاکٹر ،تصوف اور شریعت (مجدد الف ثانیؒ کے افکار کا مطالعہ)، مترجم:مفتی محمد مشتاق تجاوری،مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز،دہلی ،بھارت،۲۰۰۸ء

☆ انصاری، محمد عبدالحق، پروفیسر،مجددین امت اور تصوف،اسلامی اکیڈمی، نئ دہلی،طبع ۲۰۰۹ء

☆ اے۔جے۔آربری، آر۔اے۔نکلسن، تاریخ فلسفہ تصوف، مترجم: ایس۔ایم۔طارق، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، ۲۰۰۶ء

☆ بھٹی، امان اللہ، ڈاکٹر، اسلام اور خانقاہی نظام، دارالسلام، لاہور،س،ن

☆ بیرونی، ابوریحان، کتاب الھند، (مترجم: سید اصغر علی)، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، طبع ۱۹۹۴

☆ ترمذی، عبدالشکور، مفتی، پاک و ھند کے نامور علماء و مشائخ، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۲۰۰۶ء

toobaafoundation.com

☆ تھانوی ،اشرف علی ، مولانا، القرآن الکریم مع ترجمہ و تفسیر بیان القرآن (اختصار شدہ) ،پاک کمپنی،اردو بازار لاہور، س- ن

☆ تھانوی ،اشرف علی ، مولانا، تفسیر بیان القرآن (مکمل)،مکتبہ رحمانیہ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور، س - ن

☆ ایضاً، مسائل السلوک من کلام ملک الملوک ،عنوانات ،محمد اقبال قریشی،ادارہ اسلامیات ،لاہور ، طبع ۱۹۹۰ء

☆ ایضاً التکشف عن مہمات التصوف ،ادارہ تالیفات اشرفیہ ، ملتان ،طبع ۱۴۳۰ھ

☆ ایضاً اصلاحی نصاب، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۹۰ء

☆ ایضاً اصلاح الرسوم، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، س۔ن

☆ ایضاً آداب المعاشرت، مکتبہ مدینہ، لاہور، س۔ن

☆ ایضاً تسہیل المواعظ، کتب خانہ امداد الغرباء، سہارن پور، ۱۳۳۵ھ

☆ ایضاً حیات المسلمین، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی، س۔ن

☆ ایضاً دنیا و آخرت، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۴۰۶ھ

☆ ایضاً مواعظ میلاد النبی ﷺ، مکتبہ اشرفیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء

☆ ایضاً حقوق و فرائض، مکتبہ اشرفیہ، لاہور، ۱۹۹۰ء

☆ ایضاً، حقیقتِ تصوف، وعظ: تقویٰ، ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ ،ملتان، ۱۴۲۸ء

☆ ایضاً، بوادر النوادر، ادارہ اسلامیات ،لاہور، ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء

☆ ایضاً، التشرف بمعرفہ احادیث التصوف، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، طبع ۱۴۲۷ھ

☆ ایضاً، اشرف الطریقۃ فی الشریعۃ والحقیقۃ(شریعت و طریقت)، ترتیب: مولانا محمد دین چشتی، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۸۱ء

toobaafoundation.com

☆ ایضاً، امداد الفتاویٰ، بترتیب جدید: مفتی محمد شفیعؒ، مکتبہ دارالعلوم، کراچی، ۲۰۱۰ء

☆ ایضاً، امدادالمشتاق اِلی اشرف الاخلاق، اسلامی کتب خانہ، لاہور، س،ن

☆ تھانوی ،اشرف علی ، مولانا،تربیت السالک، دارالاشاعت، کراچی، س، ن

☆ ایضاً، خطبات حکیم الامت (حقیقت تصوف) وعظ: طریق القلندر، ادارہ تالیفات اشرفیہ،ملتان، 1428ھ

☆ ایضاً، قصد السبیل، خلاصہ و تسہیل: مولانا مفتی محمد شفیع، ادارۃ المعارف، کراچی، ۲۰۱۰ء

☆ ایضاً، مواعظ اشرفیہ، مکتبہ تھانوی، کراچی، س-ن

☆ ایضاً، تعلیم الدین(مکمل ومدلل)،دار الاشاعت،کراچی،س۔ن

☆ ایضاً، احکام الاسلام عقل کی نظر میں ،کتب خانہ جمیلی ،لاہور،س۔ن

☆ ایضاً، اسلام الحقیقی،رسالہ "الابقاء"،مکتبہ تھانوی،کراچی،۱۹۵۸ء

☆ ایضاً، روحِ تصوف،دارالاشاعت ،کراچی،۱۹۶۳ء

☆ ایضاً، بوادر النوادر،رسالہ:ظہور العدم بنور القدم، ادارہ اسلامیات ،لاہور، ۱۹۸۵ء

☆ ایضاً، اشرف الجواب، مکتبہ عمر فاروق،کراچی،س۔ن

☆ ایضاً، التنبیہ الطربی فی تنزیہ ابن عربی وخصوص الکلم فی حل فصوص الحکم،تصوف فاؤنڈیشن،لاہور،۱۹۹۹ء

☆ ایضاً، رسالہ:الابقاء،بعنوان(العید والوعید)،مکتبہ تھانوی،کراچی،۱۹۵۵ء/ ۱۳۷۴ھ

☆ ایضاً، معارفِ اشرفیہ(مجموعہ ملفوظات)، مرتب: محمد اقبال قریشی،ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ ،بہاول نگر، س۔ن

☆ ایضاً، ملفوظات حکیم الامت، ادارہ تالیفات اشرفیہ،ملتان، ۱۴۳۰ھ

☆ توکلی، محمد نواز بخش، تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، نوری بک ڈپو، لاہور، س،ن

toobaafoundation.com

☆ جمالی، حامد بن فضل اللہ، سیر العارفین، مترجم: محمد ایوب قادری، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، ۱۹۷۶ء

☆ جیلانی ،عبدالقادر، آداب السلوک،مترجم:ظفر اقبال کلیار، دربار مارکیٹ،لاہور،س۔ن

☆ چشتی،یوسف سلیم، پروفیسر، انوارِ مجددی، عشرت پبلشنگ ھاؤس، س۔ن

☆ ایضاً، اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش،المحمود اکیڈمی،لاہور،۱۹۹۷ء

☆ خالد محمود، ڈاکٹر، علامہ، آثارالاحسان فی سیر السلوک والعرفان، محمود پبلیکیشنز، اسلامک ٹرسٹ، جامعہ اسلامیہ، محمود کالونی، لاہور، ۲۰۰۶ء

☆ خان،عبدالرحمٰن، منشی، سیرتِ اشرف، شیخ اکیڈمی، لاہور، طبع ۱۹۷۷ء

☆ خطیب، محمد بن عبداللہ،ولی الدین،العمری،مشکوۃشریف،مترجم:مولانا عبدالعلیم علوی،مکتبہ رحمانیہ،لاہور،س۔ن

☆ خورشید احمد ،پروفیسر،اسلامی نظریہ حیات ،شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ،جامع کراچی،۲۰۰۶ء

☆ دریابادی، عبدالماجد، مولانا، حکیم الامت نقوش و تاثرات، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ(یوپی)، طبع ۲۰۱۱ء

☆ ایضاً، تصوف اسلام،ناشران قرآن لمیٹڈ،لاہور،س۔ن

☆ دہلویؒ، شاہ ولی اللہ ، مولانا، تصوف و نسبت صوفیہ، ادارہ اشرفیہ، الہٰ آباد، ۱۳۸۶ء

☆ ایضاً، همعات، اردوترجمہ، تصوف کی حقیقت اوراس کا فلسفہ تاریخ، مترجم، پروفیسر محمد سرور، سندھ ساگراکادمی، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور ۱۹۹۹ء

☆ ایضاً، حجۃ اللہ البالغہ،کتب خانہ رشیدیہ،دہلی،۱۳۷۴ء

☆ ایضاً التفہیمات الالہیہ،اکادیمیہ الشاہ ولی اللہ،حیدرآباد،سندھ،۱۹۶۸ء

☆ دہلوی، غلام علی ، شاہ، مقامات مظہری ، ترجمہ و تحقیق : محمد اقبال مجددی، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۳ء

toobaafoundation.com

☆ دہلوی، رحیم بخش مولانا، حافظ، حیات ولی اللہ، مکتبہ طیبہ، گنج، ۱۹۵۵ء

☆ ذہبی، محمد بن احمد، کتاب الکبائر، مترجم: مولانا محمد صدیق ہزاروی، فرید بکسٹال، لاہور، ۲۰۰۲ء

☆ رحمٰن علی، مولوی، تذکرہ علمائے ھند، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی، ۱۹۶۱ء

☆ رضوی، سید محمد، تاریخ دارالعلوم دیوبند، دیوبند علمی مرکز، س، ن

☆ زوار حسین شاہ، سید، مولانا، حضرت مجدد الف ثانیؒ ادارہ مجددیہ، ناظم آباد، کراچی، س۔ن

☆ ایضاً عمدۃ السلوک، ایجوکیشنل پریس، کراچی، ۱۹۵۹ء

☆ سراج، عبداللہ بن علی، کتاب اللمع فی التصوف، مترجم: سید ابرار علی، اسلامک بک فاونڈیشن، لاہور، ۱۹۸۴ء

☆ سندھی، عبدالحمید، ڈاکٹر، پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، س۔ن

☆ شاہ، محمد مسیح اللہ، مولانا، شریعت و تصوف، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، طبع دوم ۱۹۹۶ء

☆ شبلی نعمانی، مولانا، شعراء العجم، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، س۔ن

☆ شیروانی، وکیل احمد، مولانا، اشرف المقالات، مجلس صیانۃ المسلمین، لاہور، طبع ۱۹۹۳ء

☆ صدیقی، ظہیر احمد، ڈاکٹر، تصوف ہر انسان کی ضرورت، تخلیقات، لاہور، طبع ۲۰۱۰ء

☆ ایضاً، تصوف اور تصورات صوفیاء، سیٹھی بکس، لاہور، طبع ۲۰۰۸ء

☆ طفیل احمد، منگلوری، مسلمانوں کا روشن مستقبل، حمادالکتب شیش محل روڈ، لاہور، ۱۹۹۵ء

☆ عارفی، محمد عبدالحی، ڈاکٹر، فہرست تالیفاتِ حکیم الامت، مکتبہ دارالعلوم، کراچی، طبع ۱۴۲۸ھ

☆ ایضاً، بصائر حکیم الامت، ادارۃ المعارف، کراچی، طبع ۲۰۰۶ء

☆ ایضاً، مآثر حکیم الامت، مرتب: مسعود احسن علوی، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۸۶ء

☆ ایضاً، افادات عارفی، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۱۴۰۶ء

☆ عاشق الٰہی، مولانا، فتنہ انکارِ حدیث اور اسکا پسِ منظر، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۸۶ء

toobaafoundation.com

☆ عبدالحیٰ، مولانا، مجموع الفتاویٰ، ایچ، ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۴۰۴ھ

☆ عبدالرشید ارشد، بیس بڑے مسلمان، مکتبہ رشیدیہ، لاہور، س،ن

☆ عبدالصمد صارم، سوانح شاہ ولی اللہ، ایم ثناءاللہ خان اینڈ سنز پبلیشرز، لاہور، ۱۹۶۷ء

☆ عبداللہ جاوید، مولانا، غازی پوری، مظاہر حقِ جدید، (شرح مشکوٰۃ شریف)، دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۴ء

☆ عثمانی، ظفر احمد، مولانا، القول المنصور فی ابن المنصور، زیر نگرانی: مولانا اشرف علی تھانوی، مکتبہ دار العلوم، کراچی، س۔ن

☆ ایضاً، امداد الاحکام، مکتبہ دارالعلوم، کراچی، ۲۰۰۹ء

☆ عثمانی، محمد شفیع، مفتی، مجالس حکیم الامت، دار الاشاعت، کراچی، ۱۳۹۶ھ

☆ ایضاً، معارف القرآن، مکتبہ معارف القرآن، کراچی ۲۰۰۸ء

☆ خواجہ عزیزالحسن مجذوب و مولانا عبدالحق، اشرف السوانح، ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، طبع ۱۴۲۷ھ

☆ عطار، شیخ فرید الدین، تذکرۃالاولیاء، تصحیح و ترجمہ: مولانا اختر حجازی، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، ۲۰۰۸ء

☆ غلام حسین، شاہ ولی اللہ کی تعلیم، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد، ۱۹۶۳ء

☆ غلام محمد، ڈاکٹر، حیاتِ اشرف، مکتبہ تھانوی، کراچی، س،ن

☆ فاروقی، ضیاء الحسن، پروفیسر، آئینہ تصوف، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۰۸ء

☆ فیوض الرحمٰن، حافظ، قاری، ڈاکٹر، حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ اور انکے خلفاء، مجلسِ نشریاتِ اسلام، کراچی، طبع ۱۹۹۷ء

☆ قادری، تراب الحق، سید، تصوف وطریقت، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، طبع ۲۰۰۴ء

☆ قادری، سید احمد، عروج، اسلامی تصوف، یونیورسل بکس، لاہور، س۔ن

toobaafoundation.com

☆ قاسم محمد ، سید ، اسلام کی احیائی تحریکیں اور عالمِ اسلام ، الفیصل ناشران و تاجران کتب اردو بازار لاہور، ۲۰۱۲ء

☆ قاسمی ، کیرانوی، وحیدالزماں، مولانا،القاموس الوحید، ادارہ اسلامیات،لاہور،طبع اول ، ۲۰۰۱ء

☆ قاسمی، عطاءالرحمٰن، مولانا، امام شاہ ولی اللہ اور انکے افکار و نظریات، شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ، نئ دہلی، ۲۰۰۴ء

☆ کانپوری،احمد حسن،مولانا،اصول تصوف،ادارہ اسلامیات،لاہور،طبع۱۹۸۱ء

☆ کاندہلوی،محمد زکریا،مولانا،اکابر کا سلوک واحسان،ادارہ اسلامیات،لاہور،س۔ن

☆ ایضاً، شریعت وطریقت کا تلازم،دارالاشاعت،کراچی،۲۰۰۹ء

☆ ایضاً، تاریخ مشائخ چشت، مکتبۃ الشیخ، کراچی، ۱۴۰۶ھ

☆ کرمانی، سید مبارک علی المعروف امیرخورد، سیر الاولیاء، مترجم: اعجاز الحق قدوسی، مرکزی اردوبورڈ، لاہور،س،ن

☆ کیلانی،عبدالرحمن،مولانا،شریعت وطریقت، مکتبۃ الاسلام،لاہور،۲۰۰۴ء

☆ گنگوہی،رشیداحمد مولانا،امدادالسلوک،ادارہ اسلامیات،لاہور،۱۹۸۴ء

☆ لدھیانوی،محمد یوسف،مولانا، دورِحاضر کے تجدد پسندوں کے افکار،مکتبہ لدھیانوی،کراچی،س۔ن

☆ لطیف اللہ، پروفیسر، تصوف اور سریت، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۰ء

☆ لون، غلام قادر، ڈاکٹر، مطالعہ تصوف قرآن و حدیث کی روشنی میں، امن پبلی کیشنز، لاہور، طبع دوم، ۲۰۱۰ء

☆ مجذوب،عزیز الحسن،خواجہ،حسن العزیز،ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ،ملتان،س۔ن

☆ محمد اکرام، شیخ، رودِ کوثر، مکتبہ جدید پریس، لاہور، ۱۹۹۷ء

☆ ایضاً، موجِ کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور، ۲۰۰۰ء

toobaafoundation.com

☆ محمد حلیم، مجدد اعظم، شعاعِ ادب، لاہور، ۱۹۶۳ء

☆ محمد حمید اللہ ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، بیکن بکس، قذافی مارکیٹ، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۵ء

☆ محمد علی، سید، مخزن احمدی، مطبع مفید عام آگرہ، س،ن

☆ محمد عمر، ڈاکٹر، مسلمانوں پر ہندوستانی تہذیب کا اثر، پاک اکیڈمی، کراچی، ۱۹۹۲ء

☆ مغل، محمد صدیق، پروفیسر، تصوف ایک تحقیقی مطالعہ، دارالتقویٰ، کراچی، ۲۰۰۸ء

☆ مہاجر مکی، امداد اللہ، حاجی، کلیات امدادیہ، دارالاشاعت، کراچی، س۔ن

☆ مودودی ،ابوالاعلیٰ ،سید، تجدید و احیائے دین ، اسلامک پبلیکیشنز، منصورہ ،ملتان روڈ ،لاہور ، ۲۰۰۳ء

☆ ندوی، ابوالحسن علی، سید، مولانا، سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری، مجلس نشریاتِ اسلام، ناظم آباد، کراچی، س،ن

☆ ایضاً، سلاسل اربعہ، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۲۰۰۷ء

☆ ایضاً، تزکیہ واحسان یا تصوف وسلوک، مترجم: محمد الحسنی مرحوم، مجلس نشریات اسلام، کراچی، س۔ن

☆ ایضاً، تاریخ دعوت و عزیمت، مجلسِ تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ، ۱۹۸۰ء

☆ ایضاً، سیرت سید احمد شہیدؒ، آداب منزل، کراچی، ۱۹۸۷ء

☆ ندوی، عبدالباری، مولانا، تجدید تصوف وسلوک، ادارہ اسلامیات، کراچی، س۔ن

☆ ایضاً، تجدید جامع المجددین، مکتبہ تجدید دین، لکھنؤ، ۱۹۵۵ء

☆ نظامی، خلیق احمد، تاریخ مشائخ چشت، مشتاق بک کارنر، لاہور، س۔ن

☆ نعمانی، منظور احمد، مولانا، تذکرہ مجدد الف ثانی، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۷۷ء

☆ ایضاً، دین و شریعت، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۹۵ء

toobaafoundation.com

☆ نعیم صدیقی ، مولانا ، معرکۂ دین و سیاست ، ادارہ معارفِ اسلامی، لاہور، ۱۹۷۹ء

☆ نفیس الحسن، سید، سید احمد شہیدؒ سے حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی کے روحانی رشتے، سید احمد شہید اکیڈمی نفیس منزل، لاہور، ۲۰۰۳ء

☆ نقشبندی، ذوالفقار احمد، مولانا، تصوف و سلوک، مکتبہ الفقیر، فیصل آباد، ۲۰۱۳ء

☆ ہجویری، ابوالحسن علی، شیخ، گنج بخش، کشف المحجوب، (اردو)، مترجم: میاں طفیل محمد، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، مئی ۱۹۶۶ء

رسائل و جرائد

☆ الاحسان، شاہ صفی اکیڈمی، جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد (یوپی)، شمارہ: مارچ، ۲۰۱۳ء

☆ الاحسان، شاہ صفی اکیڈمی، جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد (یوپی)، شمارہ: مارچ، ۲۰۱۱ء

☆ الحسن (بیاد حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ) ، جامعہ اشرفیہ، لاہور ، شمارہ: نومبر۔دسمبر، ۱۹۹۸ء

☆ الشریعہ (ماہنامہ)، الشریعہ اکیڈمی، گوجرانوالہ، شمارہ: دسمبر، ۲۰۰۵ء

☆ حسن تدبیر (حکیم الامت نمبر)، دہلی، انڈیا ، شمارہ: مئی۔اکتوبر، ۲۰۰۷ء

☆ فکر و نظر، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، شمارہ: ۳، ۲۰۰۵ء

☆ فکر و نظر، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، شمارہ: ۳، ۲۰۰۷ء

☆ معارف (مجلہ)، اعظم گڑھ، یوپی، انڈیا، شمارہ: فروری، ۱۹۴۴ء

English Books

- Arbery, A.J "The Doctrine of the Sufis", Cambridge University Press, New York
- Maryam Jameelah, Islam and Modernism, Muhammad Yusuf Khan, Saint Nagar, Lahore, 2nd edition, 1968

toobaafoundation.com

- Panekar. K.M. A SUERVEY OF INDIAN HISTORY, BOMBAY, 1947
- Oxford Advance Learner's Dictionary, Oxford University press, New York, 2003

toobaafoundation.com